التبیان
فی علوم القرآن
إن هذا القرآن يهدي للتي هي أقوم
الاستاذ محمد علی صابونی
اردو ترجمہ:۔ مولانا محمد ابراہیم فیضی

التبیان

فی علوم القرآن

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ O (القمر: ۱۷)

اَلتِّبْيَانُ

فِي عُلُوْمِ الْقُرْاٰنِ

الاُستاذ محمد علی صابونی

اردو ترجمہ

مولانا محمد ابراہیم فیضی

ترجمے اور ترتیب وغیرہ سمیت اس اشاعت کے جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ ہیں

نام کتاب	:	اردو ترجمہ التبیان فی علوم القرآن
مؤلف	:	استاد محمد علی الصابونی
مترجم	:	مولانا محمد ابراہیم فیضی
کتابت قرآنی آیات	:	سید اشرف علیؒ
تعداد	:	گیارہ سو
اشاعت اول	:	ربیع الاول ۱۴۲۶ھ/مئی ۲۰۰۵ء
صفحات	:	۳۰۴
قیمت	:	۱۶۰/روپے
ناشر	:	القلم۔ فرحان ٹیرس، ناظم آباد نمبر ۲۔ کراچی
		فون: 0300-2257355

ملنے کے پتے

دارالاشاعت	اردو بازار، کراچی
فضلی بک سپر مارکیٹ	اردو بازار، کراچی، فون: ۲۲۱۲۹۹۱
اسلامی کتب خانہ،	نیوٹاؤن، کراچی، فون: ۴۹۲۷۱۵۹
بیت الکتب	گلشن اقبال، بالمقابل اشرف المدارس، کراچی
ضیاء القرآن پبلی کیشنز	اردو بازار کراچی، فون ۲۲۱۰۲۱۲
مکتبہ البخاری	نزد صابری مسجد، گلستان کالونی مرزا آدم خان روڈ، لیاری، کراچی۔ فون: ۲۱۴۰۸۶۵۔۰۳۰۰
مکتبہ فیض القرآن	قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی، ۲۲۱۷۷۷۶
مکتبہ سید احمد شہید	الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون ۷۲۲۸۲۷۲،
کتاب سرائے	فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: ۷۳۲۰۳۱۸
ادارۂ اسلامیات	۱۹۰، انارکلی۔ لاہور، فون: ۷۲۴۳۹۹۱، ۷۳۵۳۲۵۵
ضیاء القرآن پبلی کیشنز	اردو بازار لاہور، فون ۷۲۲۵۰۸۵
مکتبہ جمال کرم	دربار مارکیٹ، لاہور، فون ۷۳۲۴۹۴۸
مکتبہ القادر	نزد جامعہ خیر العلوم، خیر پور ٹامیوالی۔ بھاولپور

فہرستِ عنوانات

پیش لفظ

حافظ سید فضل الرحمٰن☆

قرآن کریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لاَ یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلاَ مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍO (حم السجدہ:۴۲)

(یہ قرآن کریم ایسا ہے کہ) جس میں باطل نہ آگے سے داخل ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ حکیم وحمید کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ای لیس للبطلان الیه سبیل لانه منزل من رب العالمین ۔ (التفسیر، ج۴،ص۱۰۲)

یعنی باطل کے لیے اس میں دخل اندازی کا کوئی راستہ نہیں ہے، کیونکہ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل فرمودہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں ایک تو ماضی کے بارے میں یہ خبر دی گئی ہے کہ یہ قرآن حکیم ماضی میں اندرونی اور بیرونی ہر طرح کے اثرات سے محفوظ رہا ہے، اور دوسرے اس میں مستقبل کے حوالے سے یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے یہ محفوظ ومصئون رہے گا۔ (آلوسی/ روح المعانی، ج۲۴،ص۱۲۷)

قرآن حکیم کی حفاظت کا یہ نظام اس کی حقانیت اور اس کے من جانب اللہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے، اسے اندرونی مداخلتوں، اور بیرونی ملاوٹوں سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح محفوظ رکھا ہے کہ کوشش وخواہش کے باوجود آج تک کوئی بھی اس سلسلہ میں ذرہ برابر کامیابی

☆ مدیر ششماہی السیرہ عالمی۔ مؤلف احسن البیان فی تفسیر القرآن۔

حاصل نہیں کر سکا، اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کے بارے میں دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ O (الحجر:۹)

ہم ہی نے اس ذکر (قرآن حکیم) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

مختلف حوالوں اور مختلف انداز سے قرآن حکیم کی خدمت اس کی نزول کے روز اول ہی سے جاری ہے، ہر صاحبِ توفیق شخص اپنے ذوق اور صلاحیت کے اعتبار سے اس خدمت میں مصروف ہے، اور جیسا کہ قرآن نے کہا:

قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّـكَلِمٰتِ رَبِّىۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا O (الکہف ۱۰۹)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات پورے ہونے سے پہلے ہی سمندر خرچ ہو جائے گا، اگرچہ ہم اس سمندر کی مانند ایک اور سمندر مدد کے لیے لے آئیں۔

قرآن حکیم کی حکمتوں، دقائق، نکات اور معارف و مسائل پر لکھنے والے اور علوم قرآن کے سلسلے میں اپنی خدمات انجام دینے والے اپنی کاوشوں میں مصروف رہیں گے مگر قرآن کریم کے کمالات، اس کے علوم، اس کے اسرار و معارف اور دقائق نکات کا کبھی احاطہ نہیں کیا جا سکے گا، خود زیرِ نظر کتاب التبیان کے مؤلف نے کتاب کے آغاز میں یہی لکھ کر قرآن حکیم کی عظمت کا اظہار کیا ہے کہ:

ومع كل هذه الجهود المبذولة، في القديم والحديث، فان القرآن يبقى بحراً ذاخراً يحتاج الى من يغوص في اعماقه، ليستخرج منه اللآلئ والدرر۔ (ص ۷)

تاہم (اہل علم کی) ان کی تمام تر کاوشوں اور صدیوں کی سعی پیہم کے باوصف قرآن مجید بحر ناپیدا کنار ہے، جب بھی کوئی صاحب علم اس میں غوطہ زن ہوگا تو اس کے جواہر اور موتیوں سے اپنے دامن کو مالا مال پائے گا۔

درحقیقت قرآن حکیم اپنے اندر سے بے شمار معارف و اسرار رکھتا ہے، اس میں موجود

علوم وفنون کا شمار بھی ممکن نہیں، ان قرآنی علوم وفنون اوران کے دقائق وغوامض پر لکھنے والے ہر دور میں اپنی محنت، مطالعے اورریاضت کا حاصل قارئین کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں جس کے نتیجے میں ''علوم القرآن'' کا عنوان علیحدہ موضوع کے طور پر ہمارے سامنے آیا۔ اس سلسلے کی غالباً سب سے قدیم کتاب جس کا سراغ ملتا ہے وہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کی ''فنون الافنان فی علوم القرآن'' ہے، لیکن اس موضوع پر سب سے زیادہ جامع اور مقبول ترین کتاب علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) کی تالیف ''الاتقان فی علوم القرآن'' ہے، جس کا اردو سمیت بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

اس موضوع پر اردو میں بھی کئی کتب دستیاب ہیں، جناب مولانا عبدالحق حقانی رحمہ اللہ کی التبیان، مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کی علوم القرآن، مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ کی منازل العرفان اورمولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی علوم القرآن زیادہ معروف ہیں۔

زیرنظر کتاب علامہ صابونی کی تالیف ہےاورعلوم القرآن پر مشتمل ہے''التبیان فی علوم القرآن اپنے اسلوب اور جامعیت کی وجہ سے اہمیت کی حامل ہے، کتاب کی اسی اہمیت کومحسوس کرتے ہوئے محترم جناب مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی صاحب نے اس کواردو زبان میں منتقل کر کے اس سے استفادے کوسہل بنا دیا ہے، اب طلبا کے ساتھ ساتھ عوام الناس کا وہ طبقہ بھی علامہ صابونی کی اس کاوش سے مستفید ہوسکتا ہے جوعربی زبان سے واقفیت نہیں رکھتا، کتاب کا ترجمہ سلیس اور بامحاورہ ہونے کے باوجود اصل عبارت سے قریب تر ہے، جس سے دونوں متعلقہ زبانوں عربی اوراردو پر فاضل مترجم کی گرفت کا اظہار ہوتا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ ترجمہ ان شاء اللہ العزیز ایک علمی ضرورت کو پورا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اورقرآن وعلوم قرآن کی تعلیم، تبلیغ اور ترویج میں خلوص سے کوشاں ہر شخص کی مساعی کو بابرکت اورذخیرہ آخرت بنائے، آمین

و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین

سید فضل الرحمٰن

تعارف

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری ☆

لاریب قرآن حکیم ایک زندہ جاوید اور ابدی سچائی ہے۔ یہ نبی رحمت ہادیٔ اعظم ﷺ کا وہ دائمی معجزہ ہے جس کی تازگی، تابندگی اور تاثیر آج بھی چودہ صدی قبل کی طرح لافانی ہے، جس کا حرف حرف صداقت کا شاہکار اور علوم و معارف کا گنجینۂ گراں مایہ ہے، اور اس بات میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ نہ اس کے معارف وعلوم کم ہو سکتے ہیں، نہ اس کے جواہر کو پوری نسل انسانی باہم مل کر شمار ہی کر سکتی ہے۔ یہ جملہ کسی انسان کی فکر بلند کا کمال نہیں، خود قرآن اپنے بارے میں گواہی دیتا ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (کہف،۱۰۹)

(اے رسول ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر روشنائی ہو جائیں تو قبل اس کے کہ میرے رب کی باتیں پوری ہوں، سمندر ختم ہو جائیں گے، اگرچہ ہم اس سمندر کی مانند ایک دوسرا سمندر بھی لے آئیں۔

یہی نہیں بلکہ اس نے یہ دعویٰ بھی کیا اور اس دعوے کی صداقت کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن حکیم کا یہ دعویٰ چودہ صدیوں سے برابر قائم ہے، اور نہ ماننے والوں کو مسلسل چیلنج دے رہا ہے کہ اگر اسے کلام الٰہی نہیں مانتے تو اس جیسا زیادہ نہیں تھوڑا بہت ہی کلام تم بھی بنالاؤ، قرآن کہتا ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا

☆ ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔ مہتمم جامعہ خیر المدارس، ملتان

الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا○

(الاسراء:۸۸)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی اس قرآن کی مانند لانا چاہیں تب بھی اس جیسا نہ لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے (کتنے ہی) مددگار کیوں نہ ثابت ہوں۔

بلاشبہ قرآن حکیم کا یہ بھی اعجاز ہے کہ ضخامت میں مختصر ہونے کے باوجود اس میں بیان کردہ علوم وفنون کو آج تک شمار میں محدود اور اعداد میں قید نہیں کیا جا سکا۔ قرآن حکیم سے استنباط و استخراج، اس کی تدریس وتعلیم اور اس سے استفادے کے ساتھ ساتھ اس کے علوم وفنون پر بھی مسلمان اہل قلم نے ہر دور میں خامہ فرسائی کی ہے، اور وہ اپنی تحقیق اور کاوش کے نتائج قارئین کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں، اسی بنا پر علوم القرآن پر چھوٹی بڑی متعدد کتب عربی میں موجود ہیں۔ خود اردو میں بھی اس حوالے سے متعدد کتب شائع ہو چکی ہیں، علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی ''الاتقان'' اس حوالے سے سب سے زیادہ معروف اور متداول کتاب کہی جا سکتی ہے، جس کا اردو ترجمہ بھی عرصے سے قارئین کی تشنگی بجھانے کا سامان کر رہا ہے، لیکن الاتقان قدرے ضخیم ہے اس لئے درسی ضرورتوں کو اس سے پورا کرنا مشکل نظر آتا ہے، اسی بنا پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے حال ہی میں اپنے نصاب میں علوم قرآنی کی ضرورت واہمیت کا احساس کرتے ہوئے علامہ محمد علی صابونی کی ''التبیان فی علوم القرآن'' کو شامل کیا ہے۔ علامہ صابونی رحمہ اللہ نے مکہ مکرمہ میں ''کلیۃ الشرعیۃ والدراسات الاسلامیہ'' میں عرصہ دراز تک بحیثیت استاذ تفسیر وحدیث خدمات انجام دیں، علوم قرآن وحدیث میں آپ رحمہ اللہ کو وافر حصہ نصیب ہوا۔ قرآن کریم کی ایک جامع تفسیر ''روائع البیان'' تالیف فرمائی جو علمی حلقوں میں ''تفسیر صابونی'' کے نام سے معروف ہے، تفسیر کے مقدمے میں انہوں نے لکھا ہے کہ میں نے اس کی تالیف میں کتب لغت وحدیث کے علاوہ پندرہ معتمد علیہ تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ رحمہ اللہ کی دوسری تالیف ''التبیان فی علوم القرآن'' بھی اس پائے کی کتاب ہے جو اختصار و جامعیت کا عمدہ نمونہ ہے۔

چونکہ یہ کتاب درسی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر تحریر کی گئی ہے اس لئے اس مقصد کے لئے یہ کافی مفید ثابت ہوگی۔ان شاءاللہ

اب فاضل مترجم جناب مولانا محمد ابراہیم فیضی صاحب نے اس کو اردو کے قالب میں ڈھال کر اساتذہ وطلبا کے لئے خصوصیت سے ایک سہولت پہنچائی ہے جس پر وہ ہم سب کی جانب سے ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں۔

یہ ترجمہ رواں، شستہ اور سادہ ہے مگر مفہوم کو خوبی کے ساتھ منتقل کرنے میں کامیاب ہے۔اس بنا پر امید ہے کہ یہ کاوش نہ صرف اساتذہ وطلبا میں مقبول ہوگی بلکہ عام قارئین بھی اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔اللہ تعالیٰ اسے مصنف، مترجم اور ناشر سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور اسے قبول عام عطا فرمائے۔آمین

محمد حنیف جالندھری

عرض مترجم

الحمد لله رب العالمين و الصلوٰة والسلام على سيد الانبياء و المرسلين و علىٰ اٰله الطيبين و اصحابه المكرمين

اما بعد: تقریباً ساڑھے چودہ سو سال کا عرصہ بیت گیا جب جبل نور کے غارِ حرا کی تنہائیوں میں بعد از خدا بزرگ تر شخصیت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اولین وحی کا نزول ہوا، اور سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات جن میں پڑھنے پڑھانے، لکھنے لکھانے اور تعلیم وتعلم کو عروج انسانیت کا مدار قرار دیا گیا، وحی کی صورت میں رحمت ربانی کا پیغام بن کر آئیں۔ وہ دن اور آج کا دن امت مسلمہ کے لاتعداد افراد اس پیغام ربانی اور وحی الٰہی کے رموز واسرار کی عقدہ کشائی میں مصروف ہیں۔

صدیوں پر صدیاں بیتتی چلی جاتی ہیں مگر قرآن کریم کے متنوع علوم وفنون اور اس کے معارف ومعانی ہنوز روز اول کی طرح دعوت فکر دے رہے ہیں، اور قرآن کا ہر طالب علم یہ اعلان کرنے پر مجبور ہے کہ۔

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ماہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

اسی سلسلے کی ایک کڑی استاذ محمد علی الصابونی کی کتاب التبیان فی علوم القرآن کا اردو ترجمہ حاضر ہے، استاذ صابونی اہل علم کے درمیان جانی پہچانی شخصیت ہیں، فکر رسا کے مالک اور قرآنی علوم کے طلبہ کی ضرورتوں سے بخوبی واقف ہیں۔

ترجمے میں کوشش کی گئی ہے کہ ان کے محسوسات کو آسان الفاظ میں بیان کیا جائے تاکہ اردو دان احباب کو دقت نہ ہو، نیز کتاب میں درج احادیث کی تخریج بھی کر دی گئی ہے تاکہ طلبہ کو آسانی رہے۔ اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے اس کے لئے اہل علم حضرات کی آرا کا انتظار رہے گا۔

محمد ابراہیم فیضی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على المبعوث
رحمة للعالمين وعلى اله و اصحابه والتابعين لهم باحسان
الى يوم الدين

وبعد۔ یہ مکہ مکرمہ میں کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ کے طلبہ کے لئے تحریر کردہ یاداشتیں ہیں، جن کو میں نے علم کے پیاسوں کے لئے فائدہ مند سمجھتے ہوئے کتابی شکل دی ہے، تاکہ حصول علم میں ہمہ تن مصروف میرے عزیز طلبہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور میری یہ کاوش فروغ علم میں معاون ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ میری اس کاوش کو اخلاص سے ہم کنار فرمائے اور بروز قیامت ہمیں اس سے نفع یاب فرمائے۔ جس دن مال اور اولاد نفع نہ دیں گے مگر جو بارگاہ رب العزت میں قلب سلیم لے کر آئے گا۔ (وہی بامراد ہوگا)۔

وهو حسبنا و نعم الوكيل

محمد علی الصابونی

استاد کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ مکہ مکرمہ

رجب ۱۳۹۰ھ

فصل اول

علومِ قرآن

تمہید

علم تفسیر ہم سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم علوم قرآن سے متعلق ان تمام مباحث کو اختصار کے ساتھ مرتب و مدون کریں اور ان تمام کاوشوں سے واقفیت حاصل کریں جو نزول قرآن کے زمانے سے آج تک جلیل القدر علماء اور ذی مرتبت اساتذۂ کرام نے اس بزرگ و برتر کتاب کی خدمت کے سلسلے میں سرانجام دی ہیں، اور اپنی زندگیوں کو اس کتاب عزیز کی حفاظت کی راہوں میں لٹایا ہے۔ یہ گراں مایہ خزانہ اور بیش بہا میراث جن کی حیات مستعار کی اولین ترجیح رہی اور وہ اپنی اس سعی مشکور سے اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں منتقل ہو گئے، لیکن ہمارے لئے ایسی زبردست علمی دولت وثروت چھوڑ گئے کہ جس کے رواں دواں چشمے کبھی خشک نہ ہوں گے۔ روز و شب کی گردش جن کے آب دار جواہر کا کبھی اختتام نہ پائے گی۔ تاہم ان تمام تر کاوشوں اور صدیوں کی سعی پیہم کے باوصف قرآن مجید بحر ناپیدا کنار ہے، جب کبھی کوئی صاحب علم اس میں غوطہ زن ہوگا اس کے جواہر اور موتیوں سے اپنا دامن مالا مال پائے گا۔

نزولِ قرآن کے دورِ ہمایوں سے آج تک فصحاء، بلغاء، حکماء اور شعراء قرآن کریم کی تعریف میں اپنے اپنے منفرد انداز میں رطب اللسان رہے ہیں، اس کے فضائل ومحاسن میں زورِ قلم اور زورِ بیان صرف کرتے رہے ہیں لیکن قرآن کریم کے وصف میں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلمات ارشاد فرمائے ہیں، کسی ادیب وشاعر اور فصیح و بلیغ کی وہاں تک رسائی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اللہ کی کتاب، اس میں تم سے پہلوں کی خبریں ہیں اور آنے والے وقت

کی پیشین گوئیاں، اور تمہارے حال کے لئے مکمل رہنمائی بھی، یہ فیصلہ کن کتاب ہے کوئی مذاق کی چیز نہیں، جو جابر و مغرور اسے چھوڑے گا اللہ اس کو ہلاک کر دے گا اور جو اس سے ہٹ کر کہیں اور رشد و ہدایت تلاش کرے گا اللہ اسے صحیح راستہ سے ہٹا دے گا، یہ کتاب اللہ کی مضبوط رسی ہے، دانش مندانہ پند و نصیحت ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔ یہ وہ (کتاب) ہے جس کے سبب خواہشات کو غلط کاری سے روکا جا سکتا ہے، زبانیں اس میں کسی طرح خلط ملط نہیں کر سکتیں، علماء اس سے سیر نہیں ہوتے، بار بار دہرانے سے اس میں کہنگی نہیں آ سکتی، اس کے عجائب (علوم و معارف) کبھی ختم نہیں ہو سکتے، یہ وہی قرآن ہے کہ جب جنات نے اسے سنا تو وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ''ہم نے قرآن سنا، عجیب چیز ہے جو رشد و ہدایت کی رہنمائی کرتا ہے'' سو ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو اس کے مطابق کہے گا وہ سچ کہے گا جو اس پر عمل کرے گا اسے اجر ملے گا اور جو اس سے فیصلہ کرے گا انصاف کا فیصلہ کرے گا اور جو لوگوں کو اس کی طرف بلائے گا وہ سیدھے راستہ کی رہنمائی کرے گا۔ (۱)

علومِ قرآن سے مقصود

علوم قرآن کا مقصد ان امور سے بحث کرنا ہے جن کا تعلق اس ہمیشہ برقرار رہنے والی باعظمت کتاب سے ہے مثلاً نزول قرآن، جمع، تدوین، ترتیب، اسباب نزول، مکی اور مدنی آیات، ناسخ و منسوخ کی پہچان، محکم، متشابہ وغیرہ یا ہر وہ بحث جس کا بالواسطہ یا بلا واسطہ قرآن مجید سے تعلق ہے وہ علوم قرآن سے متعلق ہے۔ اس کی غرض و غایت اللہ عز وجل کے کلام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان و توضیح کی روشنی میں فہم و معرفت، آیات کریمہ کی تفسیر میں صحابہ کرام اور تابعین سے منقول روایات، مفسرین کے طریقۂ کار، ان کے متنوع اسالیب سے روشناسی، نیز

مشاہیر مفسرین کا ذکر، ان کے تفسیری خصائص، شرائط وغیرہ دیگر علمی باریکیوں کا تذکرہ ہے۔

قرآن کی تعریف

اللہ کا معجز کلام جو خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل امین کے واسطے سے نازل کیا گیا۔ مصاحف میں لکھا گیا اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے) تواتر اً ہماری طرف منقول ہے۔ اس کی تلاوت عبادت ہے، اس کی ابتدا سورۃ الفاتحہ سے اور اختتام سورۃ الناس پر ہے۔

قرآن مجید کی یہ تعریف علماء اور اصولیوں کے ہاں متفق علیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو امت کے لئے دستور العمل، مخلوق کی ہدایت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق کی علامت آپ کی نبوت ورسالت پر روشن دلیل اور قیامت تک اپنی قائم ودائم حجت کے طور پر نازل فرمایا ہے۔ اس کی ہر آیت اس پر گواہ ہے کہ یہ حکمت والے رب حمید کا نازل فرمودہ ہے، بلکہ یہ مقدس کتاب ہمیشہ برقرار رہنے والا معجزہ ہے جس کا چیلنج صدیوں کے سفر کے باوجود آج بھی باقی ہے اور تا ابد باقی رہے گا۔ اگر کسی قوم اور امت میں دم خم ہے تو اس کی مثال لاکر دکھائے۔ شوقی نے کیا خوب کہا ہے:

انبیاء کرام معجزات لے کر آئے جو ان کے ساتھ رخصت ہوئے اور آپ ہمارے لئے ایسی کتاب لائے جو جانے اور رخصت ہونے والی نہیں۔ اس کی آیات طویل عرصہ گزرنے کے باوجود تر وتازہ ہیں۔ قدامت اور نفاست وعمدگی سے مزین ہیں۔

فضائل قرآن

قرآن مجید کے فضائل اور علوم کے بارے میں بکثرت آثار مروی ہیں، جن میں سے بعض کا تعلق تعلیم وتعلم سے، بعض کا قرأت وترتیل سے اور بعض کا حفظ اور دہرانے سے ہے۔ اسی طرح کتاب اللہ میں متعدد ایسی آیات ہیں جن میں اہل ایمان کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، قرآنی احکام میں تطبیق اور بوقت تلاوت قرآن کو مکمل توجہ اور خاموشی سے سماعت کرنے کا حکم دیا گیا

ہے۔اس سلسلے میں بعض آیات کریمہ اور احادیث شریفہ درج ذیل ہیں:

آیات کریمہ:

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾

بیشک جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کبھی خسارہ نہ ہوگا۔(۲)

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔(۳)

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں(۴)

احادیث شریفہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ تم میں بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔(۵)

۲۔ قرآن کا ماہر باعزت نیکوکار لکھنے والوں کے ساتھ ہے اور جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کے لئے دشوار ہوتا ہے (اس کی زبان اٹکتی ہے) اس کے لئے دہرا اجر ہے۔(۶)

۳۔ میری امت کے معزز ترین لوگ حاملین قرآن ہیں۔(۷)

---

(۲) فاطر: ۲۹۔ (۳) الاعراف: ۲۰۴۔ (۴) محمد: ۲۴۔ (۵) [illegible]
[illegible]
[illegible]

۴۔ قرآن پڑھو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔(۸)

۵۔ اس مؤمن کی مثال جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے نارنگی کی طرح ہے جس کی خوشبو پاکیزہ اور مزہ عمدہ ہوتا ہے۔(۹)

۶۔ قرآن اللہ کا دستر خوان ہے، اللہ کے دستر خوان سے جتنا سیکھ سکتے ہو سیکھو۔(۱۰)

علوم قرآن کا درس لینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآنی آداب سے مؤدب اور قرآنی اخلاق سے متخلق و مزین ہو، حصولِ علم کے بعد اس کا مطمحِ نظر رضائے الٰہی کا حصول اور دار آخرت کی کامرانی ہو، دنیاوی ساز و سامان کا حصول اس کے پیش نظر نہ رہے، قرآنی احکام پر عمل پیرا رہے تاکہ قیامت کے دن قرآن اس کے حق میں حجت ہو، حدیث شریف میں ہے:

قرآن تیرے حق میں یا تیرے خلاف حجت ہوگا۔ (۱۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے:

جس نے قرآن نہیں پڑھا اس نے قرآن کو چھوڑ دیا، جس نے قرآن پڑھا اور اس کے مفاہیم و معانی میں غور و فکر نہیں کیا اس نے قرآن کو چھوڑ دیا، اور جس نے قرآن کو پڑھا، اس کے مفاہیم و معانی میں تفکر و تدبر کیا لیکن اس پر عمل نہیں کیا اس نے بھی قرآن کو چھوڑ دیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے:

وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُورًا ۝

اور رسول کہے گا۔ اے میرے رب بے شک میری قوم نے تو اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔(۱۲)

قرآن کریم کے اسماء

قرآن کریم کے متعدد نام ہیں، یہ تمام نام قرآن کی رفعتِ شان علوِ مرتبت اور اس کے علی الاطلاق کتب سماویہ سے اشرف ہونے پر دلالت کرتے ہیں، قرآن، فرقان، تنزیل، ذکر،

(۸) [illegible]

[illegible]

(۱۱) [illegible]

کتاب وغیرہ۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کے متعدد اوصاف جلیلہ بیان فرمائے ہیں مثلاً نور، ہدایت، رحمت، شفاء، موعظت، عزیز، مبارک، بشیر اور نذیر وغیرہ، یہ اور دیگر تمام اوصاف قرآن کریم کی عظمت اور پاکیزگی کو ظاہر کرتے ہیں۔

وجہ تسمیہ

قرآن کریم کے لئے ''قرآن'' کا نام بہت سی آیات میں آیا ہے مثلاً:

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۞

قٓ۔ قسم ہے بزرگی والے قرآن کی۔ (۱۳)

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۞

بے شک یہ قرآن ایسا راستہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے ہیں خوشخبری سناتا ہے کہ بے شک ان کے لئے (اللہ کے ہاں) بہت بڑا اجر ہے۔ (۱۴)

قرآن کا نام فرقان درج ذیل ارشاد ربانی میں آیا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۞

بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فیصلے کی کتاب (قرآن) نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کو خبردار کرنے والا بن جائے۔ (۱۵)

مندرجہ ذیل آیات میں قرآن مجید کو تنزیل، ذکر اور الکتاب فرمایا گیا ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۞

اور یہ قرآن تو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے، اس کو روح الامین لے کر اترا۔ (۱۶)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۞

بے شک ہم ہی نے ذکر (قرآن) اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی
حفاظت کرنے والے ہیں۔(۱۷)

حٰمٓ ۚ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝

حٰم، قسم ہے اس واضح کتاب کی، یقیناً ہم نے اس کو ایک بابرکت رات میں
نازل کیا ہے، بیشک ہم (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں۔(۱۸)

متعدد آیات میں قرآن مجید کے اوصاف (صفاتی اسماء) وارد ہیں، بہت کم ایسی سورتیں ہیں جن میں اس کتاب مقدس کے شاندار، تعجب خیز اوصاف کا ذکر نہیں ہے، جس کو رب العزت نے دائمی معجزہ کی صورت میں خاتم النبیین ﷺ پر نازل کردہ اس کتاب کے بعض اوصاف درج ذیل ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝

اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آ چکی اور ہم
نے تمہاری طرف واضح نور (قرآن) نازل کیا۔(۱۹)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝

اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے
شفا اور رحمت ہیں اور ظالموں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔(۲۰)

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ

آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔(۲۱)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

---

(۱۷) الحجر:۹، (۱۸) الدخان:۱-۳، (۱۹) النساء [illegible] (۲۰) [illegible]

اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک چیز آ چکی جو
(برائی سے بچنے کے لئے) نصیحت ہے اور دلوں کے امراض کے لئے
شفاء اور مومنوں کے لئے ہدایت ورحمت ہے۔(۲۲)

بعض علماء کے نزدیک لفظ قرآن لفظ قـراٴـة کی طرح قـرأ کا مصدر ہے، ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝

اس کو جمع کرنا اور اس کو (آپ کی زبان سے) پڑھوانا ہمارے ذمے ہے،
پس جب ہم اسے پڑھ لیں تو آپ اس کو اسی طرح پڑھا کریں۔ (۲۳)
اس صورت میں لفظ قرآن مشتق ہوگا۔

بعض دیگر علماء کے خیال میں یہ اسم قـرأ سے مشتق نہیں بلکہ تورات اور انجیل کی طرح اس کتاب مقدس کا اسم علَم ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے۔(۲۴)

نزول قرآن کی ابتدا

قرآن کریم کے نزول کی ابتدا سترہ رمضان کو ہوئی اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک چالیس برس تھی، نبی امی حضرت محمد ﷺ غار حراء میں مصروف عبادت تھے کہ جبریل امین قرآن حکیم کی آیات لے کر نازل ہوئے، انہوں نے تین بار آپ کو اپنے سینے سے بھینچ کر آپ کو چھوڑا اور ہر بار آپ سے پڑھنے کو کہا، رسول اللہ ﷺ نے ہر بار مـا انـا بقـارئ (میں پڑھنا نہیں جانتا ہوں) سے جواب دیا۔ تیسری بار جبریل نے آپ سے کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝
اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ
مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

اپنے رب کا نام لے کر پڑھئے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا، جس نے

---

(۲۲) یونس:۵۷ (۲۳) القیامہ:۱۸،۱۷ (۲۴) تفصیل کے لیے دیکھئے [illegible] مناع القطان مباحث القرآن

انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم
ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں
جانتا تھا۔ (۲۵)

یہ نزول وحی اور نزول قرآن کی ابتدا تھی۔ اس سے پہلے بعض ارہاصات (اشارات، دلائل) کا نزول ہوا جو نزول وحی کے قرب اور رسول کریم ﷺ کے لیے تحقق نبوت کی دلیل تھے، مثلاً سچے خواب، رسول اللہ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ بعینہ اسی طرح وقوع پذیر ہوتا تھا۔ اسی طرح آپ کو خلوت گزینی اور عزلت نشینی محبوب کر دی گئی، آپ غار حراء میں جاتے اور اس میں اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

صحیح بخاری کی روایت

امام بخاری کی صحیح میں باب بدء الوحی کے زیر عنوان نقل کردہ روایت اس جانب اشارہ کرتی ہے۔ امام بخاری اپنی سند سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتداء نیند میں اچھے خوابوں سے ہوئی آپ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ سپیدۂ صبح کی طرح ظاہر ہوتا تھا پھر آپ کو تنہائی محبوب ہوگئی، آپ غار حراء میں توشہ لے کر جاتے وہاں کئی راتیں عبادت میں گذارتے پھر (حضرت) خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس واپس تشریف لاتے اور تقریباً اتنے ہی دنوں کے لئے پھر توشہ لے جاتے یہاں تک کہ آپ کے پاس حق آیا اور آپ غار حراء میں تھے۔ آپ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا پڑھیے۔ آپ نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں، آپ فرماتے ہیں اس نے مجھے پکڑ کر مجھے میری پوری قوت سے بھینچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں، اس نے مجھے تیسری بار بھینچ کر چھوڑا اور کہا پڑھیے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲
اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ
مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵

اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا، جس نے

(۲۵) العلق: ۱۔۵

انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ (۲۶)

رسول اللہ ﷺ واپس آئے آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ (۲۷)

ماہِ رمضان میں نزولِ قرآن کے بارے میں کتاب اللہ میں نص صریح ہے، ارشادِ ربانی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں لوگوں کی ہدایت کے لئے قرآن نازل کیا گیا اور اس (قرآن) میں کھلی نشانیاں ہیں اور وہ حق و باطل میں فرق کرتا ہے۔ (۲۸)

وحی لے کر آنے والا فرشتہ جبریل علیہ السلام تھا، یہ بھی قرآن کی نص صریح سے ثابت ہے، ارشادِ ربانی ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾

اس کو روح الامین لے کر آپ کے دل پر اترا، تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ (یہ قرآن) صاف عربی زبان میں ہے۔ (۲۹)

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے کہ اس کو تو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق (سچائی) کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لا چکے

(۲۶) العلق [illegible]

(۲۹) الشعراء: ۱۹۳ تا ۱۹۵

ہیں ان کو ثابت (قدم) رکھے اور فرماں برداروں کے حق میں ہدایت و
خوشخبری (ثابت) ہو۔(۳۰)

روح الامین یا روح القدس سے بہ اتفاق مفسرین جبریل علیہ السلام مراد ہیں، وہ وحی ربانی پر اللہ کے امین ہیں وہ تمام انبیاء و مرسلین صلوٰت اللہ علیہم اجمعین پر وحی لے کر نازل ہوئے ہیں۔

اوّل و آخر نازل ہونے والی آیات

صحیح بخاری کی سابقہ روایت کے مطابق قرآن کریم کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات سورۃ العلق کی ابتدائی آیات ہیں اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت یہ ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو وہ پورا پورا دیا جائے گا جو اس نے کمایا تھا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔(۳۱)

راجح اور صحیح قول یہی ہے۔ علامہ سیوطی اور دیگر علماء نے اسی کو ترجیح دی ہے، حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے، نسائی نے ازعکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ قرآن کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت یہی وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ الخ ہے۔(۳۲)

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نو راتیں بقید حیات رہے، اور تین ربیع الاوّل پیر کی رات کو آپ نے انتقال فرمایا۔(۳۳)

بعض علماء کا یہ قول درست نہیں کہ نزول کے اعتبار سے قرآن کی آخری آیت سورۃ المائدہ کی یہ آیت ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ (۳۴)

کیونکہ یہ آیت کریمہ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی ہے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں وقوف فرما تھے۔ اس کے بعد آپ اکیاسی روز بقید حیات رہے۔ اور آپ کی وفات سے صرف نو راتیں قبل سورۃ البقرۃ کی مذکور الصدر آیت نازل ہوئی، سو نزول کے اعتبار سے آخری آیت سورۃ البقرہ کی مذکورہ بالا آیت ۲۸۱ ہے۔ المائدہ کی مذکور الصدر آیت ۳ نہیں، یہی رائے صحیح ہے۔

اس آیت کریمہ کے نزول کے ساتھ ہی وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، یہ آسمان سے زمین کا آخری اتصال تھا۔ نزول قرآن کے اختتام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امانت کی ادائیگی، تبلیغ رسالت اور لوگوں کی اللہ کے دین کی طرف رہنمائی فرما کر رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہو گئے۔

نزول کے اعتبار سے آیۃ المائدہ کا متاخر ہونا

سورۃ المائدہ کی اس آیت کریمہ کے حجۃ الوداع میں نزول پر صحیح البخاری کی درج ذیل روایت دلالت کرتی ہے۔ ایک یہودی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا امیر المؤمنین! آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے اگر یہ آیت ہم یہود پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو عید قرار دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کون سی آیت؟ کہا اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ الخ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بخدا میں اس مقام اور اس گھڑی کو جانتا ہوں جہاں اور جس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، یہ آیت جمعہ کے روز نماز عصر کے بعد میدان عرفات میں نازل ہوئی ہے۔ (۳۵)

یعنی یہ آیت ایسے دن میں نازل ہوئی ہے جو اہل اسلام کی عظیم ترین عید کا دن ہے اور اس آیت کا نزول عید پر عید ہے۔

انتباہ

علامہ سیوطی نے ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں قرآن مجید میں اول اور آخر نازل ہونے والی آیات کے سلسلے میں بعض اعتراضات اور ان کے مسکت جوابات تحریر کئے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

پھلا اشکال

صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ان سے باعتبار نزول قرآن کریم کی اولین آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: یٰاَیُّھا الْمُدَّثِّرُ (۳۶) آپ سے کہا گیا بلکہ یہ آیت ہے: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ (۳۷) جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم کو وہی بتاتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں غار حراء میں گوشہ نشین تھا، گوشہ نشینی کے بعد میں نیچے اترا، میں وادی کے وسط میں پہنچا تو مجھے ندا کی گئی، میں نے آگے پیچھے اور دائیں بائیں دیکھا۔ پھر میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو مجھے جبریل نظر آئے، مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی، میں خدیجہ کے پاس آیا اور نہیں حکم دیا کہ مجھ پر کپڑا اڑا دو اس وقت اللہ نے یہ آیت کریمہ یاایھا المدثر نازل کی۔ (۳۸)

یہ حدیث مبارکہ سورۃ المدثر کے سب سے پہلے نازل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

علامہ سیوطی نے اس اعتراض کے جواب میں کہا ہے کہ اس حدیث کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ یہاں سائل کا سوال پوری سورت کے نزول کے بارے میں تھا، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کر دیا کہ سورۃ العلق کی تکمیل سے قبل سورۃ المدثر مکمل نازل ہوئی، سورۃ العلق کی شروع کی صرف پانچ آیات اس سے قبل نازل ہوئیں۔ اس کی تائید صحیحین ہی میں مروی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فترت وحی کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ اس اثنا میں کہ میں جا رہا تھا میں نے آسمان سے آواز سنی میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اچانک وہی فرشتہ نظر آیا جو غار

حراء میں میرے پاس آیا تھا وہ آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا تھا، میں واپس پلٹ آیا، میں نے کہا کہ مجھے کمبل اڑھاؤ، اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورۃ المدثر کو نازل فرمایا۔(۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''وہ فرشتہ جو میرے پاس غارِ حراء میں آیا تھا'' اس کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ غار حراء میں اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ کے نزول کے بعد کا ہے۔ علامہ سیوطی نے چند اور جوابات بھی ذکر کئے ہیں، جن کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں۔

دوسرا اشکال

سورۃ المائدہ کی آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ اس بات کی دلیل ہے کہ دین کامل اور مکمل ہوگیا اب اس کے بعد دیگر آیات کا نزول اور ان کا باعتبار نزول آخری آیات ہونا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرائض، احکام، حلال اور حرام سے متعلق امت کی ضروریات کی تکمیل بیان فرمائی ہے کہ اب ان میں مزید ترمیم و تنسیخ نہ ہوگی بلکہ تفصیلی احکام روز روشن اور حجت واضحہ کی طرح واضح ہو چکے۔ یہ چیز اس کے منافی نہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد بعض ایسی آیات کریمہ کا نزول ہو جن میں لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جائے، اللہ کے حضور حاضری کے بارے میں خبردار کیا جائے۔ قیامت کا ہولناک دن جس میں قلب سلیم کے علاوہ مال اور اولاد نفع نہ دیں گے کی تذکیر کی جائے، علماء کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے یہاں تک کہ بقول سدّی اس کے بعد حلال و حرام کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔(۴۰)

قتال، شراب اور طعام کے بارے میں اوّلین آیات

قتال کے متعلق متعدد آیات کا نزول ہوا، لیکن یہ تمام آیات مدنی ہیں، کیونکہ مکہ مکرمہ میں مسلمان کمزور تھے، ان کا جہاد اسلحہ کی بجائے زبان سے تھا، وہ ہجرت کے بعد اعدائے دین سے قتال کے قابل ہوئے، مدینہ منورہ میں ان کی تقویت کا سامان فراہم ہوا ان کی تعداد بڑھی،

اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑی تو ان کو قتال کی اجازت ملی، اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے سورۃ الحج کی یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾

ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دے دی گئی جن سے کافر قتال کرتے ہیں کیوں کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے، محض یہ کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو خانقاہیں اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہود کے) عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، سب منہدم ہو چکے ہوتے، اور بیشک اللہ بھی اسی کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا۔ بلا شبہ اللہ بڑی قوت والا (اور) بڑے غلبے والا ہے۔ (۴۱)

ملاحظہ کیجئے ان آیات کریمہ میں قتال کی اجازت کی حکمت بیان فرمائی گئی ہے کہ اس کا سبب ظلم و زیادتی کا دفعیہ ہے۔ مظلوموں کے دفاع اور ظالموں کو ظلم و تعدی سے روکنے اور باز رکھنے کے لئے اس کا اذن مرحمت فرمایا گیا ہے۔

۲۔ شراب کے بارے میں بھی متعدد آیات نازل ہوئیں سب سے پہلے سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ

(۴۱) الحج، ۳۹۔۴۰

لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا

(اے پیغمبر ﷺ) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔(۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے شراب سے متعلق تین آیات نازل ہوئیں، ان میں سے پہلی آیت یسئلونک عن الخمر و المیسر ہے۔

۳۔اشیائے خورد ونوش کے متعلق سب سے پہلے سورۃ الانعام کی یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ میری طرف وحی کیا گیا ہے، میں اس (قرآن) میں کھانے کے لئے کوئی حرام چیز نہیں پاتا، سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو، کیونکہ یہ بالکل ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے۔ پھر جو کوئی اضطرار (مجبوری) میں (ان سے) کچھ کھالے بشرطیکہ وہ لذت کا طالب نہ ہو اور نہ وہ حاجت سے زیادہ کھانے والا ہو تو آپ کا رب معاف کرنے والا مہربان ہے۔(۴۳)

یہ بعض احکام شرعیہ کے مخصوص اوائل ہیں جن میں احکام قرآنی کا نزول ہوا ہے، ان کی معرفت ضروری ہے تاکہ انسان تشریع اسلامی کی ان دقیق حکمتوں سے واقف ہو جن میں لوگوں کی ضرورتوں اور انسانیت کی فلاح و بہبود کا خیال رکھا گیا ہے، جن کا تعلق ان حکیمانہ اساسوں سے ہے جن کو اسلام نے معاشروں کی اجتماعی بیماریوں کا علاج قرار دیا ہے اور دورِ جاہلیت کے ان عوارض کا دفعیہ بنایا ہے جو ان کے رگ وپے میں رچ بس گئے تھے۔ مزید تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

(۴۲) البقرہ:۲۱۹، (۴۳) الانعام:۱۴۵

فصل دوم

اسباب نزول

آیات کریمہ کی تفہیم کے لئے اسباب نزول سے واقفیت نہایت ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ علماء کی کثیر تعداد نے اسباب نزول کی طرف اپنی توجہ مبذول کی ہے اور اس موضوع پر تصانیف کی صورت میں گراں قدر سرمایہ فراہم کیا ہے، اس موضوع پر امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ علی بن المدینی کو شرف اولیت حاصل ہے، انہوں نے ہی سب سے پہلے اس منفرد موضوع پر کتاب لکھی، تاہم اس فن میں سب سے مشہور کتاب واحدی کی ''اسباب النزول'' ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن حجر نے اور بعد ازاں علامہ سیوطی نے بھی ''لباب النزول فی اسباب النزول'' کے نام سے نہایت وقیع کتب تالیف کی ہیں۔ علوم قرآن سے متعلق اس علم کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعض آیات کا فہم اور ان میں موجود احکام کی معرفت اسباب نزول کی روشنی کے بغیر ناممکن ہے، مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

اور مشرق و مغرب تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ سو جس طرف تم منہ کرو تو اللہ تعالیٰ کا رخ بھی ادھر ہی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ وسعت والا خبردار ہے۔ (۱)

اس آیت کریمہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں غیر قبلہ کی طرف متوجہ ہونا (منہ کرنا) جائز ہے حالانکہ یہ فکر غلط ہے کیونکہ نماز میں استقبال قبلہ شرط ہے، اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی، اس آیت کے سبب نزول کی معرفت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آیت کریمہ ایسے مسافر کے حق

---

(۱) البقرہ: ۱۱۵

میں ہے جو قبلے کی صحیح سمت نہیں جانتا تحری اور کوشش کے بعد کسی خاص سمت کو سمت قبلہ سمجھ کر نماز ادا کرتا ہے، سو وہ جس سمت کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے گا اس کی نماز صحیح ہوگی اور نماز کی تکمیل کے بعد صحیح سمت قبلہ معلوم ہونے کے باوجود نماز کا اعادہ نہیں کرے گا۔ معلوم ہوا یہ آیت عمومی حکم پر مشتمل نہیں بلکہ اس کا تعلق صرف اس شخص سے ہے جس کو صحیح سمت قبلہ معلوم نہیں ہے۔

آیت کریمہ کی تفہیم کے لئے اسباب نزول کی معرفت کی اہمیت کی دوسری مثال یہ ارشادِ ربانی ہے:

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکے اس میں ان پر کچھ گناہ نہیں جبکہ وہ (آئندہ) پرہیز گار ہو گئے اور ایمان لائے اور وہ نیک کام کرنے لگے۔ پھر وہ ڈرتے رہے اور ایمان پر (قائم) رہے۔ پھر وہ پرہیز گار اور نیک ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نیکوں سے محبت رکھتا ہے۔ (۲)

یہ آیت کریمہ شراب سے متعلق ہے، اس آیت سے شراب نوشی کی اباحت معلوم ہوتی ہے بعض جہلا نے اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے شراب کے مباح ہونے کا قول کیا ہے۔ اگر یہ لوگ اس آیت کریمہ کے سبب نزول سے واقف ہوتے تو قرآن پر ایسا بہتان نہ باندھتے۔ مروی ہے جب شراب کی حرمت کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور پانسے محض گندے اور شیطانی کام ہیں۔ پس تم ان سے بچتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (۳)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ ان لوگوں کا کیا ہوگا جو اس حکم سے قبل شراب پیتے تھے اور وہ راہِ خدا میں شہید ہو گئے؟ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس کی وضاحت فرمائی گئی کہ جس نے تحریم خمر کے حکم سے قبل اسے نوش کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرما دیا اس پر کوئی گناہ اور جواب دہی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قبل از اسلام یا قبل از حکمِ تحریم اعمال پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔

سبب نزول سے واقفیت آیت کریمہ کے مفہوم کو واضح کر رہی ہے اور شراب نوشی کی حرمت پر نص قطعی کا حکم باقی اور برقرار رہتا ہے۔

اسباب نزول کی معرفت کے فوائد

بعض لوگوں کا خیال ہے اس فن کو بہت زیادہ اہمیت دینے اور اس موضوع پر زیادہ بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تاریخ اور قصص و واقعات میں یہ علم چنداں مؤثر نہیں ہے، ان کی رائے میں کتاب اللہ کی تفسیر میں یہ علم ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ خیال فاسد یہ رائے باطل اور یہ قول مردود ہے، کتاب اللہ کا عالم اور مفسرین کے اقوال سے واقف ایسی غلط بات کبھی نہیں کہہ سکتا، یہاں ہم پہلے بعض علماء کی آراء نقل کریں گے پھر اسباب نزول کے فوائد پر ایک نظر ڈالیں گے۔

واحدی کے بقول جب تک واقعے کے بارے میں آگاہی اور نزول کا سبب معلوم نہ ہو آیت کی تفسیر ناممکن ہے۔

ابن دقیق العید کے بقول قرآن کے معانی کی تفہیم کے لئے سبب نزول کا بیان قوی راستہ ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ سبب نزول کی معرفت آیت کے مفہوم کو متعین کرتی ہے کیونکہ سبب کے علم سے مسبّب کا علم ہوتا ہے۔

ان جلیل القدر علماء کی آراء سے آپ علوم قرآن میں اسباب نزول کے علم کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اسباب نزول کے فوائد کو مختصر طور پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

ا: کسی حکم کے مشروع ہونے کی حکمت اور سبب کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

ب: سبب کے ساتھ حکم کی تخصیص (ان لوگوں کے لئے جو خصوص سبب کا اعتبار کرتے ہیں)

ج: بظاہر حصر معلوم ہونے کے وہم کا دفعیہ۔

د: اس شخص کے نام کا تعین جس کے بارے میں آیت نازل ہوئی اور مبہم کی تعیین۔ وغیرہ

اسبابِ نزول کی معرفت کے فوائد کی مثالیں

۱۔ مروان بن الحکم پر اس آیت کریمہ کا مفہوم مشکل ہو گیا:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

(اے محمد ﷺ) آپ یہ نہ سمجھیں کہ جو لوگ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں اور جو کام انہوں نے نہیں کیا اس پر وہ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے (تو اللہ ان کو چھوڑ دے گا) آپ ہرگز یہ خیال نہ فرمائیں کہ وہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے اور ان کے لئے تو دردناک عذاب ہے۔ (۴)

اس نے اپنے خادم کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ دریافت کرنے کو بھیجا کہ: اگر ہر فرد کی اس پر گرفت ہوگی کہ وہ کسی عطا پر خوش ہوا اور ناکردہ فعل پر اپنی تعریف چاہی تو پھر تو ہم سب عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا کہ یہ آیت اہل کتاب یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کسی چیز کے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے اسے چھپایا اور دوسری بات بتادی اور تاثر یہ دیا کہ انہوں نے آپ کو مسئولہ بات کا جواب دیا ہے اور اس پر حمد کی، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (۵)

۲۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر اس آیت کریمہ کی تفہیم دشوار ہوگئی:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ

(۴) آل عمران: ۱۸۸۔ (۵) بخاری ج ۴، ص ۱۶۶۵، رقم ۴۲۹۲۔ مسلم/ ج ۴، ص ۲۱۴۳، رقم ۲۷۷۸،

أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا

بیشک صفا اور مروہ، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر ان دونوں (پہاڑوں کے درمیان) طواف (سعی) کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔(۶)

کیونکہ آیت کریمہ کا ظاہر صفا و مروہ کے درمیان سعی کے عدم وجوب کا اشارہ کر رہا ہے، عروہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فلا جناح علیه ان یطوف بهما** اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صفا و مروہ کی سعی ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بھانجے! تو نے غلط کہا اگر اس کا وہی مفہوم ہوتا جو تو نے بیان کیا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا: **فلا جناح علیه الا یطوف بهما** پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ کو بتایا کہ دورِ جاہلیت میں لوگ صفا اور مروہ کے درمیان دو بتوں کے لئے سعی کرتے تھے ان میں اساف نامی بت صفا اور نائلہ نامی بت مروہ پر تھا، جب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تو بعض صحابہ نے دور جاہلیت کی عبادت کے التباس سے بچنے کے لئے اس میں حرج سمجھا، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس نے ان سے گناہ اور حرج کے تصور کو ختم کر دیا اور بتوں کے بجائے اللہ کے لئے سعی کو واجب قرار دیا۔

حضرت عائشہؓ نے آیت کے سبب نزول سے ہی حضرت عروہ کے خیالات کی تردید فرمائی۔

۳۔ بعض ائمہ پر اس آیت کریمہ میں شرط کے مفہوم پر اشکال پیدا ہوا:

وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ

اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے ناامید ہو چکی ہیں اگر (ان کی عدت کے متعلق) تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔(۷)

اس سے ظاہریہ نے یہ کہا کہ آئسہ (بوڑھی خاتون، بڑھاپے کی وجہ سے جس کو حیض نہ آتا ہو) پر عدت نہیں ہے کیونکہ اس میں شک ہی نہیں ہے، ان کے فہم کی یہ غلطی سبب نزول سے

(۶) البقرہ:۱۵۸۔ (۷) الطلاق:۴

عدم واقفیت کا شاخسانہ ہے، اس لئے کہ آیت میں اس شخص سے خطاب ہے جوان کی عدت کے حکم سے ناواقف ہے، اور اس شک میں مبتلا ہے کہ ان پر عدت ہے یا نہیں؟ اب ان ارتبتم کا معنیٰ ہوگا کہ اگر تم کو ان کی عدت کا حکم معلوم نہیں اور تم ان کی عدت کے بارے میں مشکل میں پڑ گئے ہو تو ان کے لئے یہ حکم ہے۔

یہ آیت کریمہ بعض صحابہ کے اس قول کے بعد نازل ہوئی کہ قرآن مجید میں بعض عورتوں کی عدت کا ذکر نہیں ہے اور وہ کم سن لڑکیاں اور آئسہ خواتین ہیں، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس میں تمام خواتین کی عدت کا حکم بیان فرمایا گیا۔ واللہ اعلم۔

۴۔ سبب نزول کے فوائد میں حصر کے وہم کا خاتمہ بھی شامل ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے اس آیت کریمہ کے متعلق مروی ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ میری طرف وحی کیا گیا ہے، میں اس (قرآن) میں کھانے والے کے لئے کوئی چیز حرام نہیں پاتا، سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو، کیونکہ یہ بالکل ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے۔ (۸)

آپ نے فرمایا کہ کفار نے جب اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو حرام اور اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال قرار دیا اور وہ ضد، ہٹ دھرمی اور عداوت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ تو یہ آیت کریمہ ان کی غرض فاسد کے توڑ کے لئے نازل ہوئی، گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حلال ہے جس کو تم نے حرام کر دیا ہے اور وہ حرام ہے جسے تم نے حلال قرار دیا ہے، مقصود اس سے علاوہ کو حلال قرار دینا نہیں بلکہ مقصود تحریم کا اثبات ہے، حلال قرار دینے کا اثبات نہیں۔

امام الحرمین کہتے ہیں یہ نہایت حسین توجیہ ہے اگر امام شافعیؒ اس مفہوم کی طرف سبقت

(۸) الانعام: ۱۴۵

نہ فرماتے تو ہم امام مالکؒ کے اس آیت کے تحت ذکر کردہ محرمات کے حصر کی مخالفت کو جائز نہ سمجھتے۔

آیت کریمہ کے مفہوم کی وضاحت

مذکور الصدر آیت کریمہ کی روشنی میں بطور وضاحت عرض ہے کہ بظاہر آیت کریمہ سے صرف مذکورہ اشیاء کی حرمت ہی ثابت ہوتی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ ان اشیاء کے علاوہ بھی دیگر حرام کردہ اشیاء ہیں، آیت میں صورۃً حصر ہے معناً حصر نہیں ہے، اس میں مشرکوں کا رد ہے، جو اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دیتے تھے۔

۵۔ سبب نزول کے فوائد کی ایک مثال اس شخص کے نام کی معرفت ہے جس کے بارے میں آیت کریمہ نازل ہوئی تاکہ التباس اور ابہام کا خاتمہ ہو، مروان کا خیال تھا کہ آیت کریمہ:

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ میں تم سے بیزار ہوں کیا تم مجھے یہی کہتے رہو گے کہ میں (قبر سے زندہ کر کے) نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں، (کوئی بھی زندہ نہیں کیا گیا) اور وہ دونوں (ماں باپ) اللہ سے فریاد کرتے ہیں اور (اپنے لڑکے سے کہتے ہیں کہ) تجھ پر افسوس! تو ایمان لے آ بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے، پھر وہ (لڑکا) کہتا ہے کہ یہ تو محض اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ (۹)

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے اس زعم باطل کی تردید کی اور اس آیت کا سبب نزول بیان فرمایا، صحیح البخاری میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ مروان مدینہ کا گورنر تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا تو اس بارے میں مروان کو لکھا، مروان نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب

(۹) الاحقاف: ۱۷

کیا اس نے یزید کا تذکرہ کیا اور اس کی بیعت کی دعوت دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین کو یزید کے بارے میں حسنِ رائے سے نوازا ہے۔ اور یہ کہ آپ یزید کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں جس طرح حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا اپنا خلیفہ مقرر کیا، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو قیصر کا طریق کار ہے۔ مروان نے کہا کہ یہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی سنت ہے، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ یہ قیصر کا طریق کار ہے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے بخدا اپنے کسی بیٹے یا گھر کے کسی فرد کو خلیفہ نہیں بنایا، معاویہ صرف اپنے بیٹے کی عزت افزائی اور مرتبہ چاہتا ہے، مروان نے کہا کہ اس کو پکڑ لو، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ (اپنی بہن ام المؤمنین) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے اور لوگ آپ کو پکڑ نہ سکے۔ مروان نے کہا کہ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے:

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَ قَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ میں تم سے بیزار ہوں کیا تم مجھے یہی کہتے رہو گے کہ میں (قبر سے زندہ کر کے) نکالا جاؤں گا۔ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں (کوئی بھی زندہ نہیں کیا گیا)۔ (۱۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردے کے پیچھے سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری برأت کے سواء قرآن میں ہمارے بارے میں کچھ نازل نہیں فرمایا، اگر میں چاہوں تو اس کا نام بتا دوں جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے''۔ (۱۱)

سببِ نزول کی تعریف

کبھی کوئی واقعہ یا حادثہ وقوع پذیر ہوتا ہے جس کے بارے میں ایک آیت یا متعدد آیات نازل ہوتی ہیں اس کو سبب نزول کہا جاتا ہے، کبھی کسی شرعی حکم کی تفہیم اور معرفت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، یا آپ سے کسی دینی امر کے بارے میں دریافت کیا گیا اور

(۱۰) الاحقاف: ۱۷، (۱۱) بخاری، ج ۲، ص ۱۸۲۷، رقم ۴۵۵۰

جواب میں بعض آیات کریمہ کا نزول ہوا۔ اس کو سبب نزول کہا جاتا ہے۔

حادثے کی مثال صحیح البخاری میں مروی حضرت خباب بن الأرت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ میں لوہار تھا میرا عاص بن وائل پر قرض تھا، میں اس سے اپنے قرض کا تقاضا کرنے گیا تو اس نے مجھے کہا کہ میں تجھے تیرا قرض واپس نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کفر کرے اور لات وعزیٰ کی پرستش کرے، میں نے کہا کہ میں کفر نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھے مارنے کے بعد زندہ کردے (یعنی کبھی بھی کفر نہیں کرونگا)۔ عاص نے کہا کہ اگر مرنے کے بعد مجھے زندہ ہونا ہے تو پھر تو مجھے اس دن تک مہلت دے، پھر اس دن مجھے مال اور اولاد دیئے جائیں گے تو میں تمہارا قرضہ ادا کردوں گا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: (۱۲)

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝

بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیتوں کا منکر ہو گیا اور کہتا ہے کہ مجھے مال اور اولاد مل کر رہے گا۔ کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا یا اس نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے۔ ہرگز نہیں، جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اسے لکھتے جاتے ہیں اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے جاتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اس کے وارث ہو جائیں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔ (۱۳)

سوال کی مثال حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہود ہم سے بکثرت چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہلال باریک نظر آتا ہے پھر چاند مسلسل بڑھتا رہتا ہے اور گول (بدر) نظر آتا ہے پھر کم ہونے لگتا ہے اور یہاں تک کہ پھر پہلے کی طرح باریک ہو جاتا ہے، ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ

(اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپ سے نئے چاند کے نکلنے کے بارے میں

---

(۱۲) بخاری/ ج ۲، ص ۶۳۷، رقم ۱۹۸۵۔ مسلم/ ج ۴، ص ۲۱۵۳، رقم ۲۷۹۵۔ (۱۳) مریم: ۷۷ تا ۸۰

پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اوقات بتانے کا آلہ ہے۔ (۱۴)

سببِ نزول کی معرفت کا طریقہ

گذشتہ سطور سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اسباب نزول کا رائے اور خیال سے ادراک ناممکن ہے، بلکہ ایسے افراد سے صحیح روایت اور سماع ضروری ہے جو نزول آیت کے وقت موجود تھے یا وہ ان اسباب سے واقف تھے جو آیت کے نزول کا باعث بنے، اور انہوں نے صحابہ کرام اور تابعین وغیرہ سے اس بارے میں تحقیق کی جن سے ثقہ علماء نے حصول علم کی سعادت حاصل کی ہے۔ ابن سیرین کہتے ہیں میں نے عبیدہ سے قرآن کریم کی کسی آیت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''اللہ سے ڈرو اور حق و سچ کہو، وہ لوگ (اس دنیا سے) چلے گئے جو اس بات کو جانتے تھے کہ قرآن کریم کس کے بارے میں نازل ہوا ہے''۔

سبب نزول کی معرفت میں نقل صحیح پر اعتماد کیا جائے گا، جب راوی لفظ سبب سے تصریح کردے تو وہ نص صریح ہوگی مثلاً راوی کہے کہ اس آیت کا سبب نزول اس اس طرح ہے۔

اسی طرح جب راوی فائے تعقیب کے ساتھ نازل شدہ آیت کا ذکر کرے مثلاً یوں کہے کہ ایسا واقعہ ہوا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کے متعلق دریافت کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی (فنزلت) یہ جملہ بھی سبب نزول کے بارے میں نص صریح ہوگا۔

بعض اوقات خود جملہ ہی سبب نزول کے لئے بطور نص ہوتا ہے، مثلاً ان کا یہ کہنا کہ یہ آیت فلاں چیز کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس سے سبب نزول ہی مراد ہوتا ہے، کبھی اس سے وہ احکام مراد ہوتے ہیں جو آیت کریمہ کے ضمن میں موجود ہوتے ہیں مثلاً اس آیت سے یہ مراد ہے۔ علامہ زرکشی نے البرھان میں کہا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کی یہ عادت معروفہ ہے جب وہ یہ کہیں کہ یہ آیت فلاں چیز کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس سے وہ حکم مراد ہوتا ہے جس کی آیت کریمہ متضمن ہے، اس سے سبب نزول مراد نہیں ہوتا۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ان کا یہ قول کہ یہ آیت فلاں

---

(۱۴) البقرۃ: ۱۸۹

معاملہ میں نازل ہوئی، کبھی اس سے سبب نزول مراد ہوتا ہے اور کبھی اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اگر چہ یہ سبب نزول نہیں ہے تاہم یہ امر بھی اس آیت میں داخل ہے۔

سبب نزول کا تعدد

مفسرین ایک آیت کے عموماً متعدد اسباب نزول ذکر کرتے ہیں، اس صورت میں ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مفسرین کے ذکر کردہ اقوال میں غور وخوض کریں، جس کا ماحصل یہ ہے:

۱۔ اگر ہر راوی یہ کہتا ہے یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی ہے اور دونوں کا قول ایک دوسرے سے مختلف ہے تو اس کا احتمال ہے کہ دونوں نے استنباط حکم مراد لیا ہے اور آیت کے مفہوم کی تفسیر کی ہے۔ اس صورت میں ان کے اقوال میں منافات نہیں کیونکہ اس سے سبب نزول مراد نہیں ہے۔

۲۔ دونوں راوی اپنے اپنے قول سے سبب نزول ہی مراد لے رہے ہیں، اس صورت میں اس راوی کے قول پر اعتماد کیا جائے گا جو صراحتاً سبب نزول بیان کر رہا ہے، اس کی مثال صحیح البخاری کی یہ روایت ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (۱۵) عورتوں سے پس پشت دخول کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جو شخص عورتوں کی پشت سے قُبل میں جماع کرے گا اس کی اولاد بھینگی ہوگی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (۱۶)

یہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت معتمد علیہ ہے کیونکہ یہ سبب نزول کے بارے میں نص ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نص نہیں، سو ممکن ہے ان کا قول اس آیت کے حکم کا استنباط اور تفسیر ہو۔

۳۔ دونوں راوی صراحتاً ایک دوسرے سے مختلف سبب نزول بیان کر رہے ہیں، ایسی حالت میں صحیح قول کو ضعیف پر ترجیح ہوگی اور صحیح پر اعتماد کیا جائے گا۔ اس کی مثال صحیحین کی یہ

(۱۵) البقرہ ۲۲۳۔ (۱۶) مسلم ج ۲ ص ۱۰۵۹ [illegible]

حدیث ہے۔ جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور آپ نے ایک یا دو راتیں قیام لیل نہیں کیا تو ایک عورت نے آ کر کہا کہ اے محمد! میرا خیال ہے تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: (۱۷)

وَالضُّحٰی ۙ۝۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰی ۙ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۝۳

اور قسم ہے روشن دن کی، اور رات کی جب وہ چھا جائے، (اے رسول) نہ تو آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ (۱۸)

اور طبرانی نے روایت کیا ہے کہ کتے کا پلاّ (کتے کا چھوٹا بچہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہوا اور چارپائی کے نیچے گھس کر مر گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چار دن تک وحی کا نزول نہیں ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے خولہ! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں کیا حادثہ ہوا ہے کہ میرے پاس جبریل نہیں آ رہے؟ (خولہ کہتی ہیں) میں نے اپنے دل میں سوچا میں گھر کی جھاڑ پونچھ کر دوں میں نے چارپائی کے نیچے جھاڑو لگائی تو کتے کا پلاّ نکلا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں تشریف لائے کہ آپ کی ریش مبارک تھرتھرا رہی تھی، نزول وحی کے وقت آپ پر یہی کیفیت طاری ہوتی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَالضُّحٰی ۙ۝۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰی ۙ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۝۳
وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝۴ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝۵

اور قسم ہے روشن دن کی، اور رات کی جب وہ چھا جائے، (اے رسول) نہ تو آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا، اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے، اور عن قریب آپ کا رب آپ کو (اتنا) دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ (۱۹)

ہم اول الذکر روایت پر اعتماد کریں گے، کیونکہ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں کہ کتے کے پلے کے سبب جبریل کے نہ آنے کا قصہ مشہور ہے لیکن

(۱۷) [illegible] (۱۸) [illegible] (۱۹) الضحیٰ: ۵

اس کا آیت کریمہ کا سبب نزول ہونا غریب ہے، اور اس روایت کے اسناد میں غیر معروف راوی ہے۔ معتمد علیہ روایت صحیحین کی ہے۔ (۲۰)

۴۔ سبب نزول کے بارے میں دونوں روایات از روئے اسناد صحت میں یکساں ہوں، اس صورت میں ہم بعض ترجیحات کے پیش نظر ایک روایت کو ترجیح دیں گے مثلاً ایک راوی وقوعہ کے وقت اپنا موجود ہونا بیان کرتا ہے وغیرہ۔

اس کی مثال صحیح البخاری میں مروی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ میں مدینہ طیبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ کھجور کی شاخ کی لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ کا یہودیوں کے بعض افراد پر گزر ہوا، ان میں سے بعض نے کہا کہ اگر تم ان سے سوال کرو، تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں روح کے بارے میں بتایئے، آپ گھڑی بھر کو کھڑے ہوئے اور اپنا سر اٹھایا، میں نے نزول وحی کی کیفیت کو پہچان لیا، جب وحی کا سلسلہ منقطع ہوا تو آپ نے فرمایا: (۲۱)

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۝

آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور (اس کے بارے میں) تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ (۲۲)

ترمذی نے صحیح قرار دیتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ قریش نے یہود سے کہا کہ ہمیں کچھ سوال بتاؤ جن کے متعلق ہم آپ سے دریافت کریں، انہوں نے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں پوچھو، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ (۲۳) اس روایت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مذکور الصدر آیت کریمہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے جبکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس آیت کا مدینہ منورہ میں نزول ثابت ہوتا ہے، اس صورت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت راجح ہوگی کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں خود حاضر تھے۔ نیز صحیح البخاری کی روایت کو دیگر ائمہ کی روایت پر ترجیح حاصل ہے۔

۵۔ دونوں روایتیں صحیح الاسناد ہوں، اور ان کی درمیانی مدت قریب قریب ہو۔ اس صورت

(۲۰) تفسیر قرطبی [illegible] (۲۱) [illegible]

میں ایک آیت یا متعدد آیات کا نزول دونوں اسباب کی بنیاد پر ہوگا، اور ہم دونوں روایات میں جمع اور تطبیق کریں گے۔

اس کی مثال صحیح البخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شریک بن سحماء کو اپنی بیوی سے متہم کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گواہ لاؤ یا پھر تمہاری پشت پر حد لگے گی، ہلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو دیکھے تو وہ گواہ تلاش کرنے جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ گواہ لاؤ یا پھر تمہاری پشت پر حد لگے گی۔ انہوں نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں یقیناً سچا ہوں، اللہ تعالیٰ ایسا حکم نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو حد سے بچائے گا، تب جبریل نازل ہوئے اور یہ آیات اتریں: (۲۴)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں اور ان کے پاس خود اپنی ذات کے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے شخص کی گواہی کی صورت یہ ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچا ہے اور پانچویں بارہ وہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو، اور عورت سے (زنا کی) سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ بھی چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ بے شک اس (مجھ) پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ سچا ہے۔ (۲۵)

اور بخاری و مسلم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عویمر بن

(۲۴) بخاری، رقم ۴۷۴۷ (۲۵) النور: ۶، ۹

نصر رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے آکر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرو، ایک آدمی اپنی بیوی کے پاس کسی شخص کو دیکھتا ہے کیا وہ اس کو قتل کر کے (قصاص میں) خود قتل کر دیا جائے یا کیا کرے؟ عاصم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے سائل کے سوال کو اچھا نہ سمجھا، عاصم رضی اللہ عنہ نے عویمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی تو اس نے کہا کہ بخدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر ضرور سوال کروں گا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیری بیوی کے بارے میں قرآن نازل فرمایا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیات تلاوت کیں وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الخ

ان روایات میں جمع اور تطبیق اس طرح ہے کہ پہلے یہ حادثہ ہلال رضی اللہ عنہ کو اور بعد ازاں عویمر رضی اللہ عنہ کو پیش آیا، درمیانی مدت قریب تھی سو دونوں واقعات کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں کسی آیت کے متعدد اسباب نزول میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔

۶۔ اگر سبب نزول کے متعلق روایات صحیحہ میں جمع ناممکن ہو تو پھر اس کو تعدد اور تکرار نزول پر محمول کیا جائے گا جب کہ درمیانی مدت نزول بہت زیادہ ہو۔

اس کی مثال صحیحین میں مروی مسیّب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے، اس وقت وہاں ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے چچا! کہو لا الہ الا اللہ، میں اللہ کے ہاں آپ کے لئے اس کلمے سے حجت پکڑوں گا۔ ابو جہل اور عبداللہ نے کہا کہ کیا تم عبد المطلب کی ملّت سے روگردانی کرو گے، وہ برابر یہی بات دہراتے رہے یہاں تک کہ ابو طالب نے کہا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس وقت تک آپ کے لئے مغفرت طلب کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: (۲۶)

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾

(۲۶) بخاری ج ۳ ص ۱۴۰۶، رقم ۳۶۷۱، نسائی ج ۴ ص ۹۰، رقم ۲۰۳۵

نبی اور مومنوں کو زیب نہیں کہ مشرکوں کے لئے بخشش طلب کریں اگر چہ وہ
ان کے قرابت دار ہی ہوں جب کہ ان پر ظاہر ہو چکا ہو کہ یہ لوگ دوزخی
ہیں۔ (۲۷)

اور ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک شخص سے سنا وہ اپنے مشرک والدین کے لئے مغفرت کی دعا کر رہا تھا، میں نے کہا کہ تم اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کر رہے ہو؟ اس نے کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی اپنے مشرک والد کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو یہ آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا الخ نازل ہوئی: (۲۸)

نیز یہ بھی مروی ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان کی طرف تشریف لے گئے، آپ ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور طویل دعا مانگی پھر رونے لگے، پھر ارشاد فرمایا کہ میں جس قبر کے پاس بیٹھا تھا وہ میری ماں کی قبر تھی، میں نے اپنے پروردگار سے ان کے لئے دعا کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہیں ملی، اور مجھ پر یہ آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا الخ نازل ہوئی۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں ان احادیث کو تعدد نزول سے جمع کیا جائے گا۔

عمومِ لفظ کا اعتبار ہوتا ہے یا خصوصِ سبب کا؟

علماء اصول کا اس دقیق مسئلے میں اختلاف ہے کہ عموم لفظ معتبر ہوتا ہے یا خصوص سبب؟ یعنی جب کسی خاص معاملہ میں آیت کریمہ نازل ہو تو کیا اس کا حکم اس واقعہ، حادثہ یا شخص تک خاص ہوگا یا یہ حکم سب کو شامل ہوگا؟

جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوگا خصوص سبب کا نہیں۔ یہی رائے صحیح ہے، ایک رائے یہ ہے کہ خصوص سبب معتبر ہوگا۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ اپنی تالیف ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں کہتے ہیں عموم لفظ کے معتبر ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل صحابہ اور تابعین وغیرہم کا بعض واقعات میں نازل ہونے والی آیات سے استدلال ہے اگر چہ ان آیات کے نزول

[illegible]

کا سبب خاص تھا تاہم ان میں عموم لفظ کا اعتبار کیا گیا مثلاً آیت ظِہار سلمہ بن صخر کے بارے میں نازل ہوئی، آیتِ لعان ہلال بن امیہ کے بارے میں اور حد قذف کا نزول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے بارے میں ہوا، پھر عمومِ لفظ کی وجہ سے یہ حکم دوسروں تک متعدی ہوا۔ (سب کے لئے ایسی حالت میں یہی حکم برقرار رہا)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسی روایت ہے جو عموم لفظ کے معتبر ہونے پر دلالت کرتی ہے، انہوں نے آیت سرقہ کے بارے میں یہی ارشاد فرمایا حالانکہ اس آیت کا نزول ایک خاص عورت کے بارے میں تھا۔ چنانچہ نجدۃ الحنفی سے مروی ہے اس نے حضرت ابن عباس سے آیت کریمہ: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا۔ (۲۹) کے متعلق دریافت کیا یہ حکم خاص ہے یا عام؟ انہوں نے فرمایا: بلکہ عام ہے۔ (ہر چور کی یہی سزا ہے)۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں اس باب میں بکثرت یہی منقول ہے کہ یہ آیت فلاں کے متعلق نازل ہوئی۔ خصوصاً جب سبب نزول کوئی شخص ہو، جیسے آیتِ ظہار ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے متعلق نازل ہوئی، آیت کلالہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی۔ سورۃ المائدہ کی آیت وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (۳۰) بنونضیر اور بنوقریظہ کے بارے میں نازل ہوئی، وغیرہ۔ جن علماء نے یہ کہا ہے کہ اس کا حکم خاص ہے ان کا یہ مطلب نہیں کہ آیت کا حکم صرف معین افراد سے خاص ہے دوسرے اس سے مستثنیٰ ہیں، ایسا تو کوئی مسلمان بقائمی ہوش و حواس اور عقل و خرد نہیں کہہ سکتا۔ علامہ زمخشری سورۃ الہمزہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ جائز ہے کہ سبب نزول خاص ہو اور وعید عام ہو اور ایسی بری خصلت والے ہر فرد کو شامل ہو اور تعریض کے قائم مقام ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۹) المائدہ: ۳۸۔ (۳۰) المائدہ: ۴۹۔

فصل سوئم

قرآن کریم کے تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کی حکمت

نزول قرآن کریم

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو یہ شرف بخشا ہے کہ اس پر اپنی آخری آسمانی معجزانہ کتاب نازل فرمائی ہے، تاکہ یہ بے مثال کتاب ان کا دستور حیات، ان کی مشکلات کا مداوا، ان کے لاعلاج امراض کا شافی علاج، ان کے شرف ومجد کا نشان، ان کے خیر الامم ہونے کی دلیل اور ان کے پاکیزہ ترین آسمانی پیغامات کے حامل ہونے کی علامت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس اشرف الکتب کے نزول کے لئے اپنی مخلوق کے اشرف فرد حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختص فرمایا، اور قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ہی آسمانی پیغامات کا سلسلہ پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا، عالم پر نور و ضیا چھا گئے، کون و مکان جگمگانے لگے اور مخلوق تک ہدایت ربانی آ گئی۔ نزول قرآن آسمانوں کے امین جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے قلبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ وحی الٰہی کی اسی تبلیغ کے متعلق ارشادِ ربانی ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾

اس کو روح الامین لے کر آپ کے دل پر اترا تاکہ آپ ڈرانے والوں میں
سے ہو جائیں (یہ قرآن) صاف عربی زبان میں ہے۔ (۱)

نزول قرآن کی کیفیت

نزول قرآن دو مرتبہ ہوا ہے:

(۱) [illegible] ۱۹۳ [illegible] ۱۹۵

۱۔ شبِ قدر میں لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا تک مکمل نزول۔

۲۔ آسمانِ دنیا سے حسب ضرورت وحکمت تیئس سال کے عرصے میں زمین تک نزول۔

نزول اول

قرآن کریم کا پہلا نزول تمام راتوں سے بابرکت رات شبِ قدر میں ہوا، یہ نزول بیت العزت سے آسمان دنیا کی طرف تھا، متعدد آیات اس پر دلالت کرتی ہیں:

ا: حٰمٓ ۚ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝

حٰم، قسم ہے اس واضح کتاب کی، یقیناً ہم نے اس کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے، بیشک ہم (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں۔ (۲)

ب: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝

بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ (۳)

ج: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں لوگوں کی ہدایت کے لئے قرآن نازل کیا گیا اور اس (قرآن) میں کھلی نشانیاں ہیں اور وہ حق و باطل میں فرق کرتا ہے۔ (۴)

یہ تینوں آیات اس پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کریم ایک ہی رات میں نازل ہوا ہے وہ رات بڑی برکت اور قدر و منزلت والی ہے اور یہ رمضان المبارک کی ایک رات تھی۔ اس سے یہ بھی متعین ہو گیا کہ اس سے نزول اول مراد ہے اس سے نزول ثانی مراد لینا درست نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا نزول ایک ہی رات اور ایک ہی مہینہ میں نہیں ہوا بلکہ تقریباً تیئس برس تک قرآن مجید نازل ہوتا رہا، اور رمضان المبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں بھی نزول قرآن ہوا ہے۔ احادیث صحیحہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مثلاً:

(۲) سورۃ الدخان: ۱۔۳، (۳) القدر: ۱۔۲، (۴) البقرۃ: ۱۸۵

ا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قرآن ذکر سے جدا کر کے آسمان دنیا کے بیت العزۃ میں رکھا گیا، پھر جبریل اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرنے لگے۔(۵)

ب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ قرآن یک بارگی آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا، اور اللہ تعالیٰ گرنے والے ستاروں کی طرح اس کے بعض حصوں کو بعض حصوں کے پیچھے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرماتا رہا۔(۶)

ج: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ قرآن ماہِ رمضان میں شب قدر میں یک بارگی آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا پھر بتدریج تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔(۷)

یہ تینوں روایات علامہ سیوطی نے ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں نقل کی ہیں اور ان کو صحیح کہا ہے۔ علامہ سیوطی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ عطیہ بن الاسود نے ان سے کہا کہ میرا دل ان آیات کے بارے میں شک میں مبتلا ہے: شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ اور اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ حالانکہ قرآن کریم شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، صفر اور ربیع ہر مہینہ میں نازل ہوا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن کریم یک بارگی رمضان کے مہینے میں شب قدر میں نازل ہوا ہے، پھر حسب موقع بتدریج تھوڑا تھوڑا مختلف مہینوں اور دنوں میں نازل ہوتا رہا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں رِسلا اور مواقع النجوم کے الفاظ آئے ہیں، جن کا مطلب ہے تھوڑا تھوڑا، رفتہ رفتہ، نرم روی کے ساتھ یکے بعد دیگرے آیات نازل ہوتی رہیں۔ علامہ سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ علامہ قرطبی نے قرآن کریم کے یک بارگی لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا کے بیت العزت میں نزول پر اجماع نقل کیا ہے۔ شاید اس طرح نزول کی حکمت قرآن کی عظمتِ شان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت قدر کا اظہار ہے، تاکہ ساتوں آسمانوں کے مکینوں کو خوب معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اس کے آخری رسول پر بہترین امت کے

---

(۵) حاکم، ج ۲، ص ۲۲۲، رقم ۲۸۸۱ (۶) حاکم، ایضا، رقم ۲۸۷۸ (۷) طبرانی [illegible] ج ۳، ص ۱۳۱، رقم ۱۲۷۹.

لئے آگئی ہے اور ہم نے اس باعظمت کتاب کو نزول کے لئے ان سے قریب کر دیا ہے۔

علامہ سیوطی کہتے ہیں، کہ اگر حکمتِ الٰہی کا یہ تقاضا نہ ہوتا کہ امت مسلمہ تک اس مقدس کتاب کو رفتہ رفتہ تھوڑا تھوڑا نازل کیا جائے تو اسے بھی دیگر کتب سماوی کی طرح یک بارگی نازل کر دیا جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے نزول کو ان کتب کے نزول سے مختلف رکھا اور منزل علیہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی عزت افزائی کے لئے اسے دو مرتبہ یک بارگی اور بتدریج نازل فرمایا۔ (۸)

نزول ثانی

قرآن کریم کا نزول ثانی آسمانِ دنیا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر بتدریج تھوڑا تھوڑا ہوا، یہ مدت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے آپ کے وصال تک تیئس سال پر مشتمل ہے، اس کی دلیل کہ قرآن بتدریج اور تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے یہ ارشاداتِ ربانی ہیں:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝

اور ہم نے قرآن کو جزو جزو کر کے نازل کیا ہے، تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں، اور اسی لئے ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا ہے۔ (۹)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝

اور کافر کہنے لگے کہ اس (نبی) پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ نازل کر دیا گیا۔ اسی طرح (نازل ہونا چاہئے تھا)، تاکہ ہم اس سے آپ کے دل کو تسکین دیتے رہیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سنایا۔ (۱۰)

مروی ہے کہ یہود اور مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بتدریج نزول قرآن کی وجہ سے اعتراض کیا اور اسے نئی روش قرار دیا کہ آخر قرآن یک بارگی کیوں نہیں نازل ہوا، یہود نے

(۸) الاتقان/ص ۴۲، (۹) الاسراء:۱۰۶، (۱۰) الفرقان:۳۲

آپ سے یہ کہا کہ یہ قرآن آپ پر اس طرح یک بارگی کیوں نہیں نازل ہوا جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں مذکورالصدر دو آیات نازل فرمائیں۔

جیسا کہ علامہ زرقانی نے کہا ہے اس رد سے دو پہلو نمایاں ہوتے ہیں:

۱۔ قرآن کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بتدریج تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے۔

۲۔ پہلی آسمانی کتب یک بارگی نازل ہوئیں ہیں۔ جمہور علماء میں یہی مشہور ہے اور یہ قول اجماع کے قریب ہے۔

ان دو امور پر دلالت بایں طور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کی تردید نہیں فرمائی کہ سابقہ کتب سماوی کا نزول یک بارگی ہوا ہے۔ بلکہ قرآن کریم کے بتدریج نزول کی حکمت بیان فرمائی ہے، اگر سابقہ کتب بھی بتدریج نازل ہوتیں تو قرآن ان کے دعویٰ کی تکذیب کرتا اور بتاتا کہ بتدریج نزولِ کتب کی سنت سابقہ انبیاء کرام میں بھی رہی ہے۔ جیسا کہ مشرکین کے اس طعنے کے جواب میں کہ:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔(۱۱)

یہ ارشاد فرمایا گیا:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ

اور (اے نبی ﷺ) آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے تھے۔(۱۲)

قرآن کریم کے بتدریج نزول میں حکمت

قرآن کریم کے بتدریج تھوڑا تھوڑا نازل ہونے میں عظیم حکمتیں اور متعدد اسرار پنہاں

---

(۱۱) الفرقان: ۷ (۱۲) الفرقان: ۲۰

ہیں۔ صاحب علم ان سے واقف اور جاہل ان حکمتوں اور رموز سے تہی دامن ہیں۔ یہاں ہم اختصار کے ساتھ ان حکمتوں کا ذکر کر رہے ہیں:

۱۔ مشرکوں کی اذیتوں کے مقابلے میں نبی ﷺ کی تثبیتِ قلب (آپ کے دل کو قوی رکھنا)

۲۔ نزول وحی کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہارِ لطف و کرم۔

۳۔ آسمانی احکام تشریع میں تدریجی عمل۔

۴۔ مسلمانوں کے لئے قرآن کے حفظ اور فہم میں سہولت۔

۵۔ حوادث اور وقائع پر بروقت رہنمائی اور انتباہ۔

۶۔ قرآن کے سرچشمے کی طرف رہنمائی کہ یہ حکمت والے قابل تعریف رب کا نازل کردہ ہے

اب ہم بعونہٖ تعالیٰ ان مجمل حکمتوں کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

۱۔ پہلی حکمت یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور کو مشرکین کی اذیتوں کے مقابلے میں قوی رکھنا۔ اس کا بیان سابقہ آیت میں آچکا ہے۔ مشرکوں کے اس اعتراض کے جواب میں کہ یہ قرآن یک بارگی کیوں نہیں اترا، جیسا کہ سابقہ کتب سماویہ نازل ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝

اسی طرح (نازل ہونا چاہئے تھا) تاکہ ہم اس سے آپ کے دل کو تسکین دیتے رہیں، اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سنایا۔ (۱۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی اور تثبیتِ قلب اللہ تعالیٰ کی تائید ہے، تاکہ آپ دشمنوں کی تکذیب اور ان کی شدید اذیتوں سے حوصلہ نہ ہاریں، نیز آپ کے متبعین ان حالات سے دل برداشتہ نہ ہوں، ناسازگار حالات اور شدائد و مصائب سے نہ گھبرائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر تسلی دی جاتی رہی اور آپ کے قلب اطہر کو تقویت فراہم کی جاتی رہی اور برابر آگاہ کیا جاتا رہا کہ یہ مصائب و آلام عن قریب ختم ہوں گے اور اللہ کی فتح و نصرت اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ نما ہوگی۔ جب بھی کسی جانب سے اذیتوں کا سامنا ہوتا فوراً بطور تسلی وحی کا نزول ہوتا

(۱۳) الفرقان: ۳۲

تا کہ دکھوں کا مداوا ہو اور قلب انور انوار ربانی سے شاد کام ہو، کبھی یہ تسلی انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کے تذکروں پر مشتمل ہوتی تا کہ آپ بھی صبر و تحمل میں ان کی اقتدا کریں اور اس جہاد میں ان کے اسوہ کی پیروی کریں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ

اور آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں پس وہ جھٹلائے جانے پر اور ایذا دیئے جانے پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی۔ (۱۴)

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ

(اے رسول) آپ (بھی) صبر کیجئے جیسا کہ اولوا العزم رسولوں نے صبر کیا۔ (۱۵)

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا

آپ اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لیجئے، بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ (۱۶)

اللہ جل مجدہ الکریم نے انبیائے کرام علیہم السلام کے قصص اور واقعات کی حکمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور پیغمبروں کے یہ قصے ہم اس لئے آپ سے بیان کرتے ہیں تا کہ ہم ان سے آپ کے دل کو مضبوط کر دیں اور ان واقعات کے ساتھ ساتھ آپ کے پاس حق بات بھی پہنچ جائے گی اور ایمانداروں کے لئے نصیحت و یاد

(۱۴) الانعام: ۳۴۔ (۱۵) الاحقاف: ۳۵۔ (۱۶) الطور: ۴۸

دہانی بھی ہو جائے گی۔(۱۷)

بعض اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نصرت اور تائید کے وعدوں سے تسلی دی گئی، ارشاد ربانی ہے:

وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝

اور اللہ آپ کی ایسی مدد کرے جس میں عزت اور غلبہ ہو۔(۱۸)

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

البتہ ہمارے رسولوں کے حق میں ہمارا حکم پہلے ہی (صادر) ہو چکا کہ بیشک انہیں کی مدد کی جائے گی، اور ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا۔(۱۹)

کبھی رسول علیہ السلام کے دشمنوں کی شکست اور ناکامی و نامرادی کی خبروں سے آپ کو تسلی دی گئی، ارشاد فرمایا:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝

عن قریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔(۲۰)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

(اے نبی ﷺ) ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عن قریب مغلوب کئے جاؤ گے اور (مرنے کے بعد) جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ (دوزخ) بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔(۲۱)

یہ اور اس طرح کے دوسرے ذرائع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی کی گئی۔ آپ کو کامیابی اور شادکامی کی بشارت دی گئی۔ بلاشبہ بار بار نزول وحی اور آیات بینات کے ساتھ جبریل کا اترنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث طمانیت تھا، نصرت و تائید کے وعدے اور حفظ جسم

(۱۷) ہود:۱۲۰۔ (۱۸) الفتح:۳۔ (۱۹) الصّٰفّٰت ۱۷۱،۱۷۲۔۱۷۳۔ (۲۰) القمر ۴۵۔ (۲۱) آل عمران ۱۲۔

وجاں کا عہد ان تمام امور کا حاصل یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری دل جمعی اور صبر وتحمل سے تبلیغ ودعوت کا کام برابر جاری رکھیں کہ اللہ کی تائید وحمایت آپ کو حاصل ہے، دشمن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود آپ کا بال بیکا نہیں کرسکیں گے۔ اندازہ لگائیں جس عظیم المرتبت فرد کو اللہ کی عنایات نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہو اور اللہ کی چشمِ رحمت جس کی نگران ہو وہ کبھی ناکامی اور نامرادی کا تصور کرسکتا ہے؟

۲۔ نزول وحی کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار لطف وکرم کا سبب یہ تھا کہ نزولِ وحی کے وقت آپ پر گھبراہٹ اور ہیبت طاری ہو جاتی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۝

بلاشبہ ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری کلام (قرآن) نازل کریں گے (۲۲)

قرآن یقیناً اللہ تعالیٰ کا معجز کلام ہے، اس میں جلال و وقار ہے، ہیبت وخوف ہے، یہ ایسی باعظمت کتاب ہے کہ اگر اس کو پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو پہاڑ بھی اس کی ہیبت اور جلال سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کی ہیبت سے دب جاتا، پاش پاش ہو جاتا۔ (۲۳)

کہاں پہاڑ کی سختی اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رقت ونرم دلی، کیا یہ ممکن تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی اضطراب اور گھبراہٹ کے مکمل قرآن حاصل کر لیتے اور قرآن کے ہیبت و جلال سے متاثر نہ ہوتے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نزول وحی کے وقت کی شدت اور خوف کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتی ہیں کہ میں نے شدید سردی کے دن آپ پر وحی کا نزول دیکھا ہے، وحی منقطع ہوتی اور آپ کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا ہوتا تھا۔ (۲۴)

۳۔ تیسری حکمت تشریع احکام میں تدریج ہے۔ یہ حکمت واضح ہے، قرآن کریم نے بنی

(۲۲) المزمل: ۵۔ (۲۳) سورۃ الحشر، آیت: ۲۱۔ (۲۴) بخاری، رقم ۲، مسلم، رقم ۲۳۳۳

نوع بشر خصوصاً اہل عرب سے حکمت کا انداز اپنایا ہے۔ان کو شرک سے بچایا ان کے قلوب واذہان کو نور ایمان سے منور کیا، ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا بیج بویا، بعث بعد الموت اور سزا و جزا پر ان کو ایمان کی دولت بخشی۔ان مراحل کے بعد یعنی ایمانیات پر ان کو رسوخ عطاء کرنے کے بعد ان کو عبادات کی طرف منتقل کیا۔قبل از ہجرت صرف نماز، بعد ازاں ۲ھ میں روزہ اور زکوۃ اور ۶ھ میں حج کی فرضیت، اسی طرح ان سے نسل در نسل منتقل ہونے والی بری عادات چھڑوائیں۔پہلے ان کو کبائر پر زجر و توبیخ کی پھر نرمی اور ملاطفت سے کام لیتے ہوئے ان کو صغائر کے ارتکاب سے منع فرمایا۔ان کی پختہ عادات و خصائل کو بتدریج حرام کیا مثلاً شراب نوشی، سود خوری اور جوا بازی، حکیمانہ انداز میں بتدریج ایک ایک کر کے تمام عادات بد کی مکمل بیخ کنی فرمادی اور شر و فساد کا کلیتاً خاتمہ کر دیا۔

اس سلسلے میں ہم بعض مثالیں ذکر کرنا چاہتے ہیں تاکہ تشریع احکام کی حکمتیں اور اسرار واضح ہوں، قرآنی منہاج کی کامیابیاں عیاں ہوں۔سب سے پہلے شراب نوشی جیسی معاشرتی برائی کا جائزہ لیتے ہیں کہ اہل عرب کی نس نس میں رچی بسی اس برائی کا قرآن نے کس حکمت سے خاتمہ کیا اور اس کو کس طرح تدریجاً بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا اور ابدی حرمت فرمادی۔

قرآن کریم نے اس کی تحریم چار مراحل میں فرمائی۔یہی حالت سود خوری کے معاملے میں ہوئی، قرآن نے شراب کو پہلے مرحلہ میں حرام نہیں قرار دیا، کیونکہ اہل عرب شراب کے اسی طرح عادی تھے جیسے ہم لوگ صاف پانی پینے کے عادی ہیں، سو پہلے مرحلے میں شراب کو حرام قرار دینا حکمت کا تقاضا نہ تھا، قرآن کریم نے اس کو بتدریج حرام فرمایا، پہلے مرحلے میں قرآن مجید نے غیر محسوس انداز میں اس سے متنفر فرمایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا
وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ

اور کھجوروں اور انگور کے پھلوں میں بھی (تمہارے لئے عبرت ہے) جن سے
تم نشہ بھی بناتے ہو اور جن کو تم عمدہ روزی بھی قرار دیتے ہو۔(۲۵)

---

(۲۵) النحل: ۶۷

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے لوگوں کو دو درختوں کھجور اور انگور کی نعمت بخشی ہے، جن سے لوگ شراب اور رزق حسن یعنی نفع بخش کھانے پینے کی اشیا حاصل کرتے ہیں، یہاں دوسرے وصف کو رزق حسن فرمایا اور پہلے وصف کو صرف ''سکر'' فرمایا یعنی نشہ آور چیز جو انسان کی عقل و شعور کو ختم کر دیتی ہے، دونوں اوصاف کے متضاد ہونے کی وجہ سے عاقل انسان ان میں سے اچھے اور برے کو بآسانی پہچان سکتا ہے۔

دوسرے مرحلے میں دونوں چیزوں میں عملی طور پر موجود فرق کو بیان فرما کر ان سے متنفر کیا گیا، یعنی ایک چیز میں حقیر سا مادی نفع ہے اور دوسری چیز میں جسم اور عقل کا نقصان ہے۔ صحت کی تباہی ہے، اس کے علاوہ بطور گناہ ان کے ارتکاب میں انسان کا ضرر عظیم اور ہلاکت ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا

(اے پیغمبر ﷺ) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔ (۲۶)

یہاں منافع سے وہ مادی منافع مراد ہے جو تجارت اور شراب فروشی سے حاصل ہوتا تھا، وہ لوگ شام سے سستے داموں شراب خریدتے اور حجاز میں مہنگی قیمت پر فروخت کرتے تھے، منافع کی تعیین میں یہی قول اصح ہے، ان دونوں چیزوں کے باہم ملا کر ذکر کرنے سے اسلام کی مراد جسمانی طور پر ضرر رساں چیز شراب سے متنفر کرنا ہے اس کو حرام قرار دینا نہیں۔

اس آیت کریمہ کے سبب نزول میں مروی ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں شراب کے متعلق ارشاد فرمائیں، یہ عقل سے بیگانہ کرنے والی، مال کو برباد کرنے والی اور جسم کو کمزور کرنے والی چیز ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

(۲۶) البقرہ: ۲۱۹

یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ

تیسرے مرحلے میں شراب کی جزوی تحریم نازل ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ (نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو) یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم منہ سے کیا کہتے ہو۔(۲۷)

اللہ تعالیٰ نے صرف نماز کے وقت شراب نوشی کو حرام فرمادیا، اور مدہوشی کے عالم میں نماز پڑھنے کی ممانعت فرمادی، مسلمان رات میں اور اوقاتِ نماز کے علاوہ شراب پیتے تھے، اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ کرام کی دعوت کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اس دعوت میں ہمیں بلایا اور ہمیں شراب پلائی، شراب نے اپنا اثر دکھایا اس دوران نماز کا وقت ہوگیا، انہوں نے مجھے امامت کے لئے آگے بڑھادیا میں نے سورۃ الکٰفرون کی قرأت میں لا اعبد ماتعبدون کی بجائے اعبد ماتعبدون ونحن نعبد ما عبدتم آخر تک پڑھ دیا، مدہوشی کی وجہ سے مجھے خیال ہی نہ رہا۔اس پر مذکور الصدر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

چوتھے مرحلے میں جو تحریم شراب کا آخری اور قطعی مرحلہ تھا شراب کی تحریم نازل ہوئی اور سورۃ المائدہ کی یہ آیات نازل ہوئیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝

(۲۷) النساء: ۴۳

اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور پانسے محض گندے اور
شیطانی کام ہیں۔ پس تم ان سے بچتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ بے شک
شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تم میں باہم عداوت اور
بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے (اب بھی)
تم باز (نہیں) آؤ گے۔ (۲۸)

مفسرین کی تصریح کے مطابق ان آیات کا سبب نزول یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام نے نماز عشاء کے بعد شراب نوشی اور قصہ گوئی کی مجلس سجائی، ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، شراب نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا، کم سن مغنیہ نے مجلس میں نغمہ سرائی کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

اے حمزہ! قریب موجود اونٹنیوں کا ارادہ کر اور صحن میں ان کے گھٹنے بندھے ہوئے ہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نشہ کی حالت میں گھر کے قریب موجود اونٹوں کے پاس گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دو اونٹنیوں کی کوہانیں کاٹ ڈالیں اور ان کی کوکھیں پھاڑ دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو ان کو بہت دکھ ہوا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شکایت لے کر گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ کے اس فعل پر ان کو ڈانٹنے اور ملامت کرنے کے لئے تشریف لے آئے۔ حضرت حمزہ (نشے کی حالت میں) عجیب وغریب نظروں سے دیکھنے لگے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہیوں سے کہنے لگے کہ تم سب میرے والد کے غلام ہی ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مدہوشی کو ملاحظہ کیا تو انؓ کا مؤاخذہ نہیں فرمایا، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے التجا کی کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمیں شافی حکم مرحمت فرما۔ تب مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں۔ اور تحریم شراب کا حکم بتدریج اختتام پذیر ہوا۔ اسلام نے تمام معاشرتی بیماریوں کا اسی حکمت سے علاج کیا اور بتدریج ان تمام امراض کا مکمل خاتمہ کر دیا۔

علامہ زرقانی اپنی کتاب ''مناہل العرفان'' میں لکھتے ہیں کہ اسلام نے شراب نوشی وغیرہ جیسی عادتوں سے ان کے تعلق کو بتدریج حکیمانہ انداز سے ختم کیا۔ اور آخر کار اس کی تحریم

(۲۸) المائدہ: ۹۰، ۹۱

بیان کر دی، اسلام نے بے مثال انداز اپنانے کی اعلیٰ اقدار قائم کیں، اعلیٰ راہوں کی ہدایت دی، کامیاب ترین تشریعِ احکام فرمائی، آج کے دور کی متمدن اقوام اس کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ تحریم شراب کے معاملے میں خود ساختہ متمدن اقوام ذہنی افلاس اور پست ہمتی کا شکار ہیں۔ دورِ حاضر کی عظیم قوت امریکہ کی شراب پر پابندی اور پھر پسپائی زیادہ دور کی بات نہیں، کیا یہ اسلام کا اعجاز نہیں کہ اس نے قومی سیاست اور معاشرتی تہذیب وتمدن میں ایسی اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں جن کی مثال انسانیت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یقیناً ایسا ہی ہے اور تاریخ کے صفحات پکار پکار کر اس کی گواہی دے رہے ہیں۔

۴۔ بتدریج نزول قرآن کی چوتھی حکمت مسلمانوں کو حفظ قرآن اور قرآن کے مفاہیم و معانی میں تفکر و تدبر کی سہولت کی بہم رسانی تھی۔ اہل عرب عمومی طور پر ان پڑھ تھے، قرآن کریم ان کی اس حالت کو یوں بیان فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ

وہی تو ہے جس میں ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس (اللہ تعالی) کی آیات پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ یہ لوگ اس سے قبل صریح گمراہی میں تھے۔ (۲۹)

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے، ارشادِ ربانی ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ

جو لوگ اس رسول نبی امی کی پیروی کریں گے۔ (۳۰)

سو حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ اس باعظمت کتاب کو بتدریج تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا جائے تاکہ اہل اسلام پر اس کا حفظ آسان ہو، کیونکہ وہ یادداشت پر بھروسہ کرتے تھے اور ان کے

سینے ہی ان کی انجیلیں تھے، جیسا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں بیان ہوا ہے، ان کے پاس کتابت کے لئے مطلوبہ وسائل نہ تھے نہ ہی اتنے کاتب مہیا کر سکتے تھے۔ ایسی حالت میں اگر قرآن کریم یک بارگی نازل ہوتا تو وہ اس کے حفظ سے اور اس میں فہم وتدبر سے یقیناً عاجز رہتے۔

۵۔ بتدریج نزول قرآن کی پانچویں حکمت حوادث اور وقائع پر بروقت رہنمائی اور انتباہ تھے کیونکہ بروقت تنبیہ عملی طور پر زیادہ مؤثر ہوتی ہے، اس سے انسان نصیحت اور عبرت حاصل کرتا ہے، جب کوئی نیا معاملہ پیش آتا قرآن کریم مناسب رہنمائی فراہم فرما دیتا، اگر کبھی خطا یا انحراف صادر ہوتے قرآن کریم تنبیہ فرماتا اور ایسے امور سے مجتنب رہنے کی تلقین کی جاتی اور ان اغلاط کے اعادہ سے بچے رہنے کا حکم فرمایا جاتا۔ چنانچہ جب غزوۂ حنین میں بعض مسلمان فریب کا شکار ہوئے اور اسلامی لشکر کی کثرت تعداد اور مشرکوں کی کم تعداد کو دیکھ کر فخر وغرور کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہنے لگے کہ آج ہم کم تعداد ہونے کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہ ہوں گے (ہماری تعداد زیادہ ہے، دشمن ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا) نتیجتاً مسلمان پہلے حملہ میں پسپا ہوگئے، ان کے قدم اکھڑ گئے اور ان میں واضح طور پر شکست کے آثار نظر آنے لگے۔ قرآن کریم اس بارے میں فرماتا ہے:

وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝

اور (جنگ) حنین کے دن بھی جب تم اپنی کثرت پر خوش تھے۔ پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور اپنی فراخی کے باوجود تم پر زمین تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ (۳۱)

اگر قرآن کریم یک بارگی نازل ہوتا تو غزوۂ حنین میں بروقت تنبیہ ممکن نہ تھی، بلکہ اس کا تصور نہ ہوتا کیونکہ یہ غزوہ اور یہ واقعہ وقوع پذیر نہ ہوا ہوتا تو قبل از وقت مسلمانوں کو یہ تنبیہ کیا معنیٰ رکھتی، اسی طرح بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کا معاملہ ہے، اس کے متعلق یہ آسمانی ہدایت نازل ہوئی:

---

(۳۱) التوبہ ۹: ۲۵

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قبضہ میں قیدی رہیں جب تک کہ وہ (نبی) زمین پر اچھی طرح خون ریزی نہ کرلیں۔تم تو دنیا کا مال ومتاع چاہتے ہو اور اللہ (تمہیں) آخرت (دینا) چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔(۳۲)

٦۔ بتدریج نزول قرآن کی چھٹی حکمت قرآن کے سرچشمہ کی طرف رہنمائی ہے کہ قرآن حکمت والے قابل تعریف رب کا نازل فرمودہ ہے، یہاں ہم عالم وفاضل شیخ محمد عبدالعظیم الزرقانی کی کتاب ''مناھل العرفان'' سے ان کی تقریر نقل کرنا چاہتے ہیں۔علامہ زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قرآن کے سرچشمہ کی طرف رہنمائی کہ یہ اللہ واحد کا کلام ہے، یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے علاوہ مخلوق کے کسی فرد کا کلام نہیں ہوسکتا، کیونکہ جب ہم از اول تا آخر قرآن کریم کو پڑھتے ہیں اس کا محکم انداز بیان، دقیق نکتہ آفرینی، باوقار اسلوب، باہم مربوط عبارت، موتیوں کی لڑی جیسے سورتوں، آیات اور جملوں میں ربط وتعلق ہر چیز معجز ہے، الف سے یاء تک، شروع سے آخر تک ایک تسلسل رواں دواں ہے جس کے اجزا میں انقطاع ہے نہ تفریق، گویا موتیوں کی ایک لڑی ہے جس کا ہر موتی اپنی اپنی جگہ پر کامل رعنائی اور زیبائی سے جلوہ فگن ہے، اس کے حروف وکلمات کی تنظیم نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے اور اس کے کلمات اور جملوں کی ترتیب دامنِ دل کو کھینچتی ہے۔ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں یہ معجزانہ ترتیب کہاں سے اور کیسے آئی، حیران کن اور ہوش وحواس سے بیگانہ کرنے والی یک جہتی اور یکسانیت کی صورت گری کس نے کی جبکہ اس کا نزول یک بارگی نہیں ہوا بلکہ متفرق طور پر وقائع اور حوادث کے ساتھ ساتھ تقریباً تئیس سال میں مکمل ہوا۔

جواباً ہم قرآنی اعجاز کے اسرار سے ایک نئے راز کی پردہ کشائی کرتے ہیں، منفرد جواب دینا چاہتے ہیں اور قرآن مجید کے سرچشمہ کے بارے میں خود قرآن سے یہ عظیم دلیل پڑھتے ہیں کہ

(۳۲) الانفال۔٦٧

قرآن واحد دیّان رب کا کلام ہے اس لئے یہ ہر قسم کے اختلاف سے مبرا اور منزہ ہے، ارشاد ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۝

اور اگر وہ (قرآن) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ (۴۳)

بخدا تم کہو کیا تم ایسا کر سکتے ہو یا پوری مخلوقات مل کر ایسی محکم اور مربوط کتاب لا سکتی ہے، جس کی ترتیب میں تسلسل ہے جس کی ابتدا اور انتہا باہم مربوط ہے، بشر جس کی مثال لانے سے عاجز ہے، جو تالیفِ کتاب میں انسان کے مقدور خارجی عوامل سے بے نیاز ہے، اس میں ہر ہر واقعہ اور حادثہ پر رہنمائی یا انتباہ ہے، حالانکہ یہ واقعات اور نزول کے یہ اسباب یک بارگی سامنے نہیں آئے بلکہ مختلف اوقات میں یہ واقعات اور اسباب وقوع پذیر ہوئے، ان کے محرکات جدا گانہ تھے، ان کے اسباب میں تغایر تھا، ان کا درمیانی عرصہ کم زیادہ ہوتا تھا، اور یہ نزول تقریباً تئیس برس کے عرصے پر محیط و مشتمل رہا، یقیناً یہ ایسے اسباب اور دواعی ہیں کہ عادتاً ایسی حالت میں کلام میں عدم ترتیب اور عدم تسلسل ہونا لازمی ہے، باہم ربط و اتصال ناممکن ہے کہ اسباب کے اختلاف اور بُعد زمانی کے باعث کلام میں تسلسل نہیں رہتا، لیکن قرآن کریم کی عجب شان ہے معجزانہ طور پر یہ باہم مربوط ہے، حالانکہ اس کا نزول الگ الگ اور بتدریج ہوا ہے، تاہم اس کی سورتوں اور آیات میں عدم ربط اور عدم ترتیب کا شائبہ تک نہیں، کیا یہ اس کی روشن تر اور عظیم تر دلیل نہیں کہ قرآن تقدیر کے خالق، اسباب اور مسببات کے مالک، مخلوق اور کائنات کے مدبّر، آسمان و زمین کے قیوم، ماکان اور ما یکون کے علیم، زمان و مکان کی ہر ایک چیز سے باخبر اللہ واحد کا کلام ہے؟

مزید برآں غور کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کسی آیت یا آیتوں کا نزول ہوتا ہے آپ فرماتے ہیں اس کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر رکھو۔ حالانکہ آپ بحیثیت بشر کے اس پر مطلع نہیں کہ آئندہ کیا ہوگا اور عرصۂ دہر میں کیا کچھ رونما ہونے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان حوادث کے بارے میں کیا نازل فرمانا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سالہا سال اسی روش پر کاربند رہے، تھوڑا تھوڑا قرآن نازل ہوتا رہا اور اس کی ترتیب مکمل ہوتی رہی، یکے بعد دیگرے نازل ہونے والی آیات کو ان کے مقررہ مقامات پر ثبت کیا جاتا رہا، سورتوں کی تکمیل ہوتی رہی اور یہ طویل عرصہ قرآن کے نظم و ترتیب، ربط و تسلسل میں مطلقاً اثر انداز نہیں ہوا۔ اس میں کہیں ڈھیلے پن نے راہ نہیں پائی، بلکہ اس نے مخلوق کو اپنی مثل لانے سے عاجز اور درماندہ کر دیا۔ کون ہے جو ایسا جامع ربط، تسلسل اور ترتیب لا سکے!

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍۙ

الٓـرٰ. یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں ایک حکیم (اور) باخبر کی طرف سے مستحکم کی گئی ہیں اور پھر مفصل بیان کی گئی ہیں۔ (۳۴)

اس اعجاز کی پردہ کشائی سے آپ یقیناً یہ بھی جان لیں گے کہ ایسی جامعیت اور حسن ترتیب کسی کے کلام میں ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے قریب تر پہنچنا بھی ناممکن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہو یا آپ کے علاوہ دیگر بلغا اور غیر بلغا کا کلام کسی کے کلام کی قرآن کے مرتبۂ کلام تک رسائی ممکن نہیں۔

قرآن کریم کا حسن و جمال، شان و شوکت، فصاحت و بلاغت، پاکیزگی و طہارت، عالی مرتبہ اور علو شان دیکھیں، یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان پر مختلف اوقات میں مختلف محرکات و دواعی کے پیش نظر طویل عرصے تک جاری رہا، کیا آپ کی یا کسی بشر کی استطاعت میں ہے کہ وہ ایسا مثالی نظم و ترتیب والا کلام منظم کر سکے جس کے دواعی، محرکات اور اسباب مختلف اور متعدد ہوں مگر سب کا ایک ہی جواب ہو، جسے وحدت و ترتیب نے صیقل کیا ہو، اس میں کمی بیشی اور تصرف ناممکن ہو۔ نہیں ہرگز نہیں، نہ ایسا ہوا نہ ایسا ہو سکتا ہے، جو ایسی کوشش کرتا ہے وہ بیکار مشغلہ میں جان کھپاتا ہے، پیوند زدہ پوشاک سامنے لاتا ہے، لاحاصل کلام کرتا ہے، نظم و ترتیب کے اعتبار سے ناقص اور وحدت و یگانگت کا محتاج کلام لاتا ہے اور ناحق سمع خراشی اور دماغ سوزی کرتا ہے۔ لیکن قرآن کریم کا رفتہ رفتہ نزول اعلان کرتا ہے کہ وہ اللہ واحد کا کلام ہے، اس کی یہ جلیل القدر حکمت مخلوق پر قرآن کریم کے سرچشمے کے برحق ہونے کے دریچے وا کر رہی ہے۔

(۳۴) ہود: ۱

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝

آپ کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو تو اس ذات نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی مخفی باتیں جانتی ہے۔ بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔(۳۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عطائے قرآن کی کیفیت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امین وحی جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے قرآن دیا گیا، جبریل نے اسے رب العزۃ جل جلالہ سے حاصل کیا، جبریل امین کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف کلامِ الٰہی کا پہنچانا تھا، اللہ جل مجدہ الکریم نے اپنی کتاب مقدس امین وحی جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ جبریل امین نے رسول اللہ تک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت تک اس کتاب کو پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو وحی پر امین قرار دیا ہے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ۙ۝ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ۙ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ؕ۝

یقیناً یہ (قرآن) ایک معزز فرشتے کی زبانی (پیغام) ہے، جو قوت والا ہے، (اور) عرش والے کے نزدیک ذی عزت ہے، سردار ہے پھر امانت دار ہے۔(۳۶)

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۙ۝ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۙ۝

اس کو روح الامین لے کر آپ کے دل پر اترا تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔(۳۷)

اس کلام کی حقیقت اور اس کلام کے نازل فرمانے والے کی حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام اللہ

[illegible]

ہے اور رب العلمین کا نازل فرمودہ ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ۝

اور (اے رسول ﷺ) بے شک آپ کو تو ایک حکیم اور علم والے کی طرف سے قرآن سکھایا جارہا ہے۔ (۳۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن کے وقت شدت کا سامنا فرماتے اور قرآن کریم کو بوقت نزول حفظ کرنے میں اپنی جان کو تکلیف میں ڈالتے تھے، بھولنے یا اس وحی میں بعض الفاظ ضائع ہوجانے کے خوف سے آپ جبریل کے ساتھ ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ جبریل کی قراءت کے وقت آپ خاموش اور پرسکون رہیں اور یہ اطمینان دلایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے سینے میں اس قرآن کو محفوظ فرمادے گا لہٰذا وحی کے حصول اور حفظ میں آپ جلدی نہ کریں اور اپنی جان کو تنگی میں نہ ڈالیں:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۝

اور اے نبی (ﷺ) جب تک اس کی پوری وحی آپ کی طرف نازل نہ ہو جائے آپ قرآن (پڑھنے) میں جلدی نہ کیجئے اور دعا کرتے رہئے کہ اے میرے رب مجھے زیادہ علم دے۔ (۳۹)

حفظ پر اللہ تعالیٰ کی کفالت کی دلیل درج ذیل آیات میں آئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝

(اے پیغمبر ﷺ) آپ اسے جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں اسے جمع کردینا اور اسے پڑھوانا ہمارے ذمے ہے، پس جب ہم اس کو پڑھا کریں تو آپ (بھی) اس کو اسی طرح پڑھا کریں، پھر اس کا بیان کرنا ہمارے ہی ذمہ ہے۔ (۴۰)

(۳۸) النمل ۶:، (۳۹) طٰہٰ ۱۱۴:، (۴۰) القیامۃ ۱۶-۱۹

جبریل علیہ السلام رمضان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کا دور کرتے تھے، جبریل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سنتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کرتے، پھر جبریل امین تلاوت کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سماعت فرماتے تھے، یہ معمول ہر رمضان میں رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے قبل جبریل امین رمضان میں دو مرتبہ دور کرنے آئے، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندازہ ہوگیا کہ آپ کا وصال قریب ہے، اور آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جبریل رمضان میں ہمیشہ ایک بار میرے ساتھ قرآن کریم کا دور کرنے کے لئے نازل ہوتے تھے اس سال دو مرتبہ آئے ہیں، میرا خیال ہے کہ میرا وقت وصال قریب ہے۔ اور اسی طرح ہوا اسی سال آپ رب ذوالجلال کے جوار رحمت میں منتقل ہوئے اور آپ کی وفات سے وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

جبریل کی اللہ عزوجل سے قرآن حاصل کرنے کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک قرآن پہنچانے کی کیا کیفیت تھی، قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ جبریل امین اللہ تعالیٰ سے سماع کرتے اور پھر سماعت کردہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر سناتے تھے۔ امام بیہقی نے آیت کریمہ:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِيۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝۱

بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ (۴۱)

کے تحت لکھتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ ہم نے فرشتہ کو سنوایا اس کا مفہوم اسے سمجھایا اور سماعت کردہ آیات کے ساتھ اس کو نازل فرمایا۔ واللہ اعلم۔ یعنی جبریل نے اللہ تعالیٰ سے سن کر قرآن حاصل کیا، اس کی تائید اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی سے کلام فرماتا ہے خوفِ الٰہی سے آسمان پر زبردست لرزہ طاری ہوجاتا ہے، آسمان کے فرشتے بے ہوش ہوکر سجدہ میں گر جاتے ہیں، پھر سب سے پہلے جبریل اپنا سر اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر وحی فرماتا ہے وہ اس کی ملائکہ کو خبر دیتے ہیں، جب وہ کسی آسمان سے گزرتے ہیں وہاں کے مکین سوال کرتے ہیں کہ ہمارے رب نے کیا ارشاد فرمایا؟ جبریل کہتے ہیں، حق فرمایا، پھر وہ وحی لے کر وہاں آتے ہیں جہاں آنے کا ان کو حکم دیا گیا۔ (۴۲)

(۴۱) [illegible] (۴۲) [illegible]

علامہ زرقانی اپنی تالیف ''مناہل العرفان'' میں کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کا یہ احمقانہ خیال ہے کہ جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن کریم کا مفہوم لے کر نازل ہوتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو عربی زبان میں منتقل کر کے بیان کرتے، جبکہ بعض کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مفہوم وحی کیا جاتا تھا الفاظ جبریل کے ہوتے تھے، یہ دونوں قول باطل ہیں سراسر گناہ ہیں، قرآن، سنت، اجماع امت سے متصادم ہیں، سیاہی کے ایک قطرے جیسی وقعت نہیں رکھتے، میرا عقیدہ ہے کہ اسے فریب کاری اور عیاری سے اہل اسلام کی کتب میں داخل کیا گیا ہے ورنہ قرآن کا معجز ہونا کیسے ممکن ہوگا جب کہ اس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے وحی فرمودہ نہ ہوں بلکہ یہ جبریل امین یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہوں؟ پھر ان الفاظ کی اللہ کی طرف نسبت کیسے صحیح ہوگی جبکہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے نہ ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ (یہاں تک کہ وہ اللہ کلام سن لے) (۴۳) اس کے علاوہ دیگر دلائل بھی ہیں طوالت سے بچنے کے لیے ہم ان سے صرفِ نظر کر رہے ہیں۔

کیا سنت نبوی بھی وحی الٰہی ہے؟

یہ بات واضح ہو چکی کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے، یعنی اس کے الفاظ اور مفہوم اللہ کی جانب سے ہیں، تبلیغ کے سوا اس میں جبریل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دخل نہیں ہے، رہی سنت نبویہ (احادیث شریفہ) یہ بھی وحی الٰہی سے ہے، لیکن اس میں الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور مفہوم و معنیٰ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝

اور آپ خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتے، یہ تو وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ (۴۴)

علامہ سیوطی نے علامہ جوینی کی یہ تقریر نقل کی ہے کہ اللہ کا نازل کردہ کلام دو طرح ہے پہلی قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل سے فرمایا کہ تم اس پیغمبر سے کہو جس کی طرف تمہیں بھیجا گیا

(۴۳) التوبہ ۶ (۴۴) النجم ۳،۴

ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ اس طرح اس طرح کریں اور فلاں، فلاں چیز کا حکم دیں، جبریل نے حکم الٰہی کو سمجھا اور نبی علیہ السلام کے پاس نازل ہو کر رب کے فرمودات کو اپنے الفاظ میں پہنچا دیا، جس طرح بادشاہ اپنے کسی با اعتماد خادم کو کہے کہ فلاں سے جا کر کہو بادشاہ آپ سے کہتا ہے: خدمت میں کوشش کرو اور اپنا لشکر جنگ کے لئے جمع کرو، اب اگر پیغام لانے والا یہ کہے: بادشاہ آپ سے کہہ رہا ہے: میری خدمت میں سستی نہ کرو، لشکر کو متفرق نہ کرو اور ان کو جنگ پر برانگیختہ کرو۔ ظاہر ہے اس پیغام کو کوتاہی یا جھوٹ نہیں کہا جائے گا، اور دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل سے فرمایا: نبی علیہ السلام پر میرا یہ مکتوب پڑھو، جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ مکتوب لے کر آئے اور بغیر تغیر و تبدل کے اسے بعینہٖ نبی علیہ السلام کو سنا دے، جس طرح بادشاہ اپنے کسی با اعتماد امانت دار آدمی کو خط دے اور کہے فلاں کو جا کر سناؤ۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں قرآن کریم قسم ثانی اور سنت نبویہ قسم اول ہے، اسی لیے قرآن کریم کے برعکس سنت کی بالمعنیٰ روایت جائز ہے۔

فصل چہارم

جمعِ قرآن

عہدِ نبوی میں جمع قرآن

قرآن کریم کو دو مرتبہ جمع کیا گیا، ۱۔عہد نبوت میں، ۲۔عہد خلفائے راشدین میں۔
ہر مرتبہ جمع قرآن میں بعض خصوصیات اور امتیازی اوصاف تھے۔جمع کا لفظ کبھی حفظ اور لوگوں کے قلوب واذہان میں یاد رہنے کے مفہوم میں آتا ہے۔اور کبھی اس سے کتابت اور صحائف اور اوراق میں اس کی حفاظت مراد ہوتی ہے۔عصرِ نبوت میں جمعِ قرآن کی دونوں صورتیں تھیں:

۱۔ حفظ اور تحفیظ سے سینوں میں جمع کرنا۔

۲۔ کتابت اور نقوش کے طور پر اوراق اور سطور میں جمع کرنا۔

ہم بالتفصیل دونوں طرح کے جمع کرنے میں گفتگو کریں گے تاکہ قرآن کی حفاظت، کتابت اور تدوین میں اس بے مثال توجہ اور اہتمام کا اندازہ ہو جس سے سابقہ کتب سماوی محروم رہیں، سابقہ کتب کو وہ توجہ، رعایت اور اہتمام نہیں ملا جو اللہ کی باعظمت کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ابدی معجزہ قرآن کریم کو ملا ہے۔

سینوں میں قرآن کریم کی حفاظت

قرآن کریم نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، آپ کی پوری توجہ اس پر مرکوز رہتی کہ جس طرح قرآن کا نزول ہوا اسے اسی صورت میں محفوظ اور یاد کرلیا جائے، پھر آپ قرآن کریم کی لوگوں کے سامنے تلاوت فرماتے تاکہ وہ بھی اس مقدس کلام کو زبانی یاد کرلیں اور اپنے سینوں میں محفوظ کرلیں، یہ اس نبی کی امت کی ضرورت تھی جس کو اللہ نے امی عربوں کی طرف مبعوث کیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ

وہی تو ہے جس میں ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس (اللہ تعالیٰ) کی آیات پڑھ کر سناتا اوران کو پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، (۱)

امّی (ناخواندہ) کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے حافظہ اور یادداشت پر بھروسہ کرتا ہے کیونکہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا، امت مسلمہ نزول قرآن کے دور میں مکمل طور پر عربوں کے تمام تر اوصاف سے متصف تھی، ان کی یادداشت زبردست تھی، بہت جلد حفظ کر لیتے تھے، ذہن ایسا پایا تھا کہ ہزاروں لاکھوں اشعار ان کے حافظے میں موجود رہتے تھے، وہ ایک دوسرے کے حسب و نسب کے شناسا تھے، دل و جان سے اپنی معلومات کی حفاظت کرتے تھے، تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی، ایسے لوگ نہ ہونے کے برابر تھے جو ماہر نسب وحسب نہ ہوتے یا جن کو معلقات عشر کے اکثر اشعار حفظ نہ ہوتے حالانکہ ان کے اشعار کا حفظ کرنا چنداں آسان نہ تھا۔

پھر ان کے پاس قرآن کریم آ گیا، جس نے اپنے زور بیان سے ان کو مبہوت وحیران کر دیا، جس کے احکام نے ان کو مرعوب کر دیا اور جس کے جلال وعظمت نے ان کے دل ودماغ کو اپنی گرفت میں لے لیا، ان کے افکار اور عقول قرآن کے مطیع ہو گئے۔ ان کی ہمتیں کتاب مجید کی طرف لگ گئیں، وہ سرتاپا اسی کے ہو کر رہ گئے، اس کے حفظ وحفاظت میں جی جان سے منہمک ہو گئے، اس کی ایات اور سورتیں ان کے وردِ زبان ہو گئیں۔ قرآن کریم میں روح حیات پاتے ہی وہ اشعار سے لاتعلق ہو گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفظ قرآن میں رغبت اور انہماک کا یہ عالم تھا کہ راتوں کو نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے، اس کی آیات میں تفکر وتدبر کرتے، پوری رات یونہی گذر جاتی یہاں تک کہ آپ کے مبارک قدموں پر کثرتِ قیام اور حکمِ خداوندی کی بجا آوری میں ورم آ جاتا تھا۔

(۱) [illegible]

يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ ٱلَّيۡلَ إِلَّا قَلِيلٗا ۝٢ نِّصۡفَهُۥٓ أَوِ ٱنقُصۡ مِنۡهُ قَلِيلًا ۝٣ أَوۡ زِدۡ عَلَيۡهِ وَرَتِّلِ ٱلۡقُرۡءَانَ تَرۡتِيلًا ۝٤

اے کپڑے میں لپٹنے والے آپ رات کو قیام فرمایا کیجئے، مگر تھوڑی رات، آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کیجئے۔ (۲)

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سید الحفاظ تھے، قرآن کریم آپ کے قلب اطہر میں جمع تھا، اور قرآن کریم سے متعلق ہر معاملے میں آپ اہل اسلام کا مرجع تھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی قرآن کریم کی تلاوت اور درس و تدریس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے تھے۔ پوری جدوجہد سے قرآن کریم کو یاد کرتے اور اس کی حفاظت کرتے، گھروں میں اہل خانہ بیویوں اور اولاد کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے، اگر کوئی رات کی تاریکی میں صحابہ کرام کے گھروں کے پاس سے گزرتا تو وہاں سے مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح قرآن کریم پڑھنے کی آوازیں سنائی دیتیں تھیں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے بعض گھرانوں کے پاس سے گزرتے اور رات کی تاریکی میں کھڑے ہوکر وہاں بعض لوگوں کا قرآن کریم سنتے تھے۔

صحیح البخاری میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کاش تم مجھے رات کو دیکھتے جب میں تمہاری قرأت سن رہا تھا، تمہیں تو آلِ داؤد کی بانسریوں میں سے ایک بانسری (خوش آوازی) دی گئی ہے۔ (۳)

صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بخدا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ میری قرأت کو سماعت فرما رہے ہیں تو میں آپ کے لیے اور زیادہ خوش الحانی اور آراستگی سے پڑھتا۔ (۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں رات کے وقت اپنے اشعری ساتھیوں کے قرآن پڑھنے کی آوازوں کو پہچانتا ہوں اور رات کے وقت ان کے قرآن پڑھنے کی آوازوں سے میں

ان کے ٹھکانوں کو جان لیتا ہوں اگر چہ میں نے دن کے وقت ان کے ٹھکانوں کو نہ دیکھا ہو۔ (۵)

صحابہ کرام کی کثیر تعداد حفظ قرآن میں مشہور تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حفظ قرآن کے باعث ان پر خصوصی لطف وعنایت فرماتے، ان کو مختلف بستیوں، قبائل اور شہروں میں لوگوں کی تعلیم اور تدریس کے لئے روانہ فرماتے، ہجرت سے پہلے آپ نے حضرت مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کو اہل مدینہ کی طرف بھیجا، یہ حضرات اہل مدینہ کو اسلام کی تعلیم دیتے اور ان کو قرآن پڑھاتے تھے، اسی طرح فتح مکہ کے بعد آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کے پاس قرآن کریم کی تحفیظ اور تعلیم کے لیے روانہ فرمایا۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ہم میں سے کسی شخص کے حوالے فرماتے تاکہ وہ اس کو قرآن کی تعلیم دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تلاوت قرآن کے باعث شور برپا رہتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پست آواز سے تلاوت کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ ایک دوسرے کو مغالطے میں نہ ڈالیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بے شمار حفاظ قرآن تھے، ان کی کثرتِ تعداد کا ہم اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صرف جنگ یمامہ میں ستر سے زائد عظیم حفاظِ قرآن شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بیر معونہ کے واقعہ میں بھی تقریباً اتنے حفاظِ قرآن شہید ہوئے، صرف ان دو واقعات میں ایک سو چالیس حفاظ قرآن شہید ہوئے ہیں۔

امت محمدیہ کی بے مثال خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ مقدس کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہے۔ اور اس کو آگے منتقل کرنے میں انہوں نے اپنے سینوں اور قلوب واذہان پر اعتماد کیا ہے، مصاحف اور سطور و اوراق میں اس کی کتابت پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھے۔ دیگر کتب سماوی کے پیروکاروں میں ہمیں تورات یا انجیل کے حافظ نظر نہیں آتے۔ وہ لکھے ہوئے پر اعتماد کرتے ہیں، حافظے کے بجائے کتاب سے پڑھتے ہیں، اس لیے ان کی کتب میں تحریف اور تبدیلی نے راہ پالی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے قرآن کریم کی حفاظت کی خود ذمہ داری لی ہے، اس کے حفظ کو آسان

(۵) [illegible]

فرمادیا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⓾

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے، پھر کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔(٦)

اسے سینوں میں محفوظ فرما کر ہر قسم کی تحریف اور تبدیلی سے محفوظ فرما دیا ہے۔ارشاد فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۞

بے شک ہم ہی نے ذکر (قرآن) اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(٧)

یقیناً قرآن مجید کے لئے یہ اللہ کی خاص عنایت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس شرف عظیم سے امت محمد یہ کو خاص فرمالیا ہے، ان کے سینوں کو اناجیل بنا کر ان میں اپنی کتاب نازل فرمادی جسے پانی نہیں دھوسکتا۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اللہ اکبر، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اور آپ کی کتاب قوی تر اور خوب سیدھی بات ہے۔اس کے مقابلے میں سابقہ کتب کا ذکر نہ کرو، صبح طلوع ہوئی تو قندیلیں بجھ گئیں۔

بطورِ کتابت جمع قرآن

قرآن کریم کا دوسرا امتیازی وصف یہ ہے کہ اسے جمع کیا گیا اور مصاحف میں لکھا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کے کاتب تھے، جب بھی قرآن کریم میں سے کچھ نازل ہوتا آپ اس کے لکھنے کا حکم دیتے تا کہ اس کی زیادہ سے زیادہ حفاظت ہو، ضبطِ تحریر میں لا کر اس کو مزید قابل اعتماد کیا جائے، یہ کتاب اللہ کے بارے میں زبردست احتیاط تھی تا کہ کتابت، حفظ اور یادداشت مکتوب کے معاون ومددگار رہوں۔

کاتبینِ وحی منتخب صحابہ کرام تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی کتابت کے لیے

(٦) [illegible]

ایسے بااعتماد عظیم المرتبت صحابہ کرام کا انتخاب فرمایا جو اس مہتم بالشان کام کو پوری ذمے داری سے سر انجام دینے کی صلاحیت رکھتے تھے، حضرت زید بن ثابت، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، معاویہ بن ابی سفیان اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم وغیرہ جیسے عظیم القدر صحابہ مشہور کاتبین وحی میں سے ہیں۔

امام بخاری اور مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چار صحابہ نے قرآن جمع کیا اور وہ چاروں انصار تھے۔ ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید رضی اللہ عنہم، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ابوزید کون ہے؟ کہا میرا ایک چچا۔ (۸) مذکور الصدر حضرات مشہور کاتبین وحی ہیں، ورنہ صحابہ کرام کی بڑی تعداد قرآن کریم کو لکھتی تھی، بہت سوں کے پاس اپنے خاص مصاحف تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے یا حفظ کرتے اس کو لکھ لیتے تھے، جیسے حضرت ابن مسعود، حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے مصاحف۔

کتابت کا طریق کار

کتابت کا طریقہ یہ تھا کہ صحابہ کرام کھجور کی شاخوں، باریک پتھروں اور چمڑے یا کاغذ کے ٹکڑوں اور شانے کی ہڈیوں وغیرہ پر قرآن کریم لکھا کرتے تھے، اہل عرب میں کاغذ کا استعمال عام نہ تھا اگرچہ فارس و روم میں اس کا استعمال شروع ہو چکا تھا تاہم عرب میں یہ نادر تھا۔ اہل عرب کتابت میں کام آنے والی دوسری دستیاب اشیا کو استعمال میں لایا کرتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں چمڑے کے باریک ٹکڑوں پر قرآن کریم لکھتے تھے۔ آیات کی ترتیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتی تھی۔ اس لیے اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ جمع قرآن توقیفی ہے، یعنی آیات اور سورتوں کی موجودہ ترتیب اللہ تعالیٰ کے حکم اور وحی کے مطابق ہے۔ جبریل علیہ السلام ایک یا متعدد آیات لے کر نازل ہوتے اور کہتے کہ اے اللہ کے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ اس آیت یا آیات کو فلاں سورت کے فلاں مقام پر رکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو فرماتے کہ اس کو فلاں مقام پر رکھ دو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع قرآن

حق رسالت ادا کرنے، امانت پہنچانے، امت کی خیر خواہی فرمانے اور لوگوں کو دین قویم کی طرف رہنمائی فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے جوارِ رحمت میں منتقل ہوگئے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ آپ کو اپنی خلافت کے دوران عظیم خطرات، شدید مصائب اور کمر توڑ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مرتدوں سے جنگیں خصوصاً اہل اسلام اور مسیلمہ کذاب کے پیروکاروں کے درمیان یمامہ میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ اس جنگ میں کثیر تعداد میں حفاظ قرآن صحابہ کرام شہید ہوئے۔ جن کی تعداد ستر سے زائد تھی۔ اتنی بڑی تعداد میں حفاظ کی شہادت سے مسلمان گھبرا گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ بات نہایت گراں گزری۔ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے دیکھا ابوبکر رضی اللہ عنہ شدید رنج وغم میں مبتلا ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ قرآن کریم کو جمع کیا جائے۔ اتنی بڑی تعداد میں حفاظ کی شہادت سے کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے۔ شروع میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس تجویز پر عمل درآمد کرنے میں متردد رہے۔ پھر مصلحت واضح ہو جانے پر اس کام کے لیے تیار ہو گئے اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کام کی انجام دہی کے لیے آپ کا شرح صدر فرما دیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلوا کر یہ معاملہ ان کے سامنے رکھا اور ان کو ایک مصحف میں قرآن کریم جمع کرنے کو کہا، لیکن زید رضی اللہ عنہ بھی تردد کا شکار ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی طرح ان کا شرح صدر فرما دیا اور جمع قرآن کی حکمت اور مصلحت ان پر آشکار ہو گئی۔ صحیح بخاری میں یہ قصہ مروی ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم اسے یہاں نقل کر رہے ہیں۔

صحیح البخاری کی روایت

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں ستر حفاظ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمر میرے پاس آئے ہیں ان کا کہنا ہے جنگ

یمامہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے اگر ہر معرکے میں اسی طرح قراء شہید ہوتے رہے تو قرآن کریم کا کثیر حصہ چلا جائے گا، میرا خیال ہے آپ کسی کو جمع قرآن کا حکم دیں، میں نے ان سے کہا کہ میں وہ کام کیسے کروں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام نہیں دیا؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کام اللہ کی قسم بہتر ہے، عمر برابر مجھ سے بحث کرتے رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے عمر کے شرحِ صدر کی طرح میرا بھی شرحِ صدر فرمایا، (اس کی حکمت اور مصلحت میری سمجھ میں آ گئی) اور میں نے ان کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ تم عقل مند، جوان اور دیانت دار آدمی ہو، وحی کی کتابت کرتے رہے ہو قرآن کریم کو تلاش کرو اور اس کو جمع کرو۔ زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بخدا اگر وہ مجھے پہاڑ کو اپنی جگہ سے منتقل کرنے کا کہتے تو وہ کام میرے لیے اس سے زیادہ بھاری نہ ہوتا، میں نے کہا کہ آپ حضرات ایسا کام کیوں کرنا چاہتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ بخدا بہتر کام ہے، وہ برابر مجھے آمادہ کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے سینوں کی طرح میرے سینے کو بھی اس مصلحت اور حکمت کے لیے کھول دیا۔ پھر میں قرآن کریم کو باریک پتھروں، کھجور کی ٹہنیوں اور لوگوں کے سینوں سے تلاش کر کے جمع کرنے لگا، یہاں تک کہ سورۃ التوبۃ کی یہ آخری دو آیات مجھے صرف ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے ملیں اور کسی کے پاس سے نہ ملیں:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آ گیا جس پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے جو تمہاری بھلائی کا بڑا خواہش مند ہے۔ وہ مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔ پھر بھی اگر یہ لوگ روگردانی کریں

تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے تو اللہ کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے تو اسی پر بھروسہ کر لیا ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔(۹)

یہ صحیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا پھر ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔ یہ روایت جمع قرآن کے سبب کی دلیل ہے۔(۱۰)

جمع قرآن سے متعلق سوالات

یہاں بعض جواب طلب سوالات پیدا ہوتے ہیں، ہم تفصیل کو نظر انداز کرتے ہوئے مختصراً ان کے جوابات ذکر کر رہے ہیں۔

۱۔　حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جمعِ قرآن میں تردد کیوں تھا حالانکہ یہ بہترین کام تھا اور اسلام ایسے کاموں کا حکم دیتا ہے؟

جواباً عرض ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا کہ لوگ مصاحف کی موجودگی میں کہیں تساہل میں نہ پڑیں اور حفظ وتحفیظ سے غافل نہ ہو جائیں، مصاحف کی موجودگی سے ان میں کاہلی اور سستی راہ نہ پائے۔ وہ اپنی یادداشت سے زیادہ موجود مصاحف پر اعتماد کرنے لگیں اور مصاحف میں دیکھ کر قراءت کو ترجیح نہ دینے لگیں، جبکہ مصاحف میں قرآن کریم کے مکتوب ہونے سے قبل وہ حفظ قرآن میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حدودِ شرع کے نہایت پابند تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے دل وجان سے شیدائی تھے، ان کو یہ خدشہ تھا کہ ان کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناپسندیدہ بدعت نہ ہو، اسی لیے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں وہ کام کس طرح کروں جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ شاید ان کو یہ اندیشہ ہو کہ اس طرح کا اختراع اور غفلت ان کو شریعت کی مخالفت اور بدعت میں مبتلا نہ کردے۔ لیکن جب انہوں نے اس رائے کو مہتم بالشان اور اللہ کی کتاب کی حفاظت اور حفظ کے

(۹) [illegible] ۱۲۸،۱۲۹ [illegible]

لیے نہایت عمدہ پایا اور یہ کہ اس طرح قرآن کریم کے ضیاع اور تحریف کا اندیشہ نہیں رہے گا، اور ان کو یہ یقین ہو گیا کہ ایسا عمل نہ تو بدعت ہے نہ ہی کوئی غیر ضروری کام، تو انہوں نے جمع قرآن کا پختہ ارادہ کر لیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو برابر اطمینان دلاتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا شرحِ صدر فرمایا اور وہ اس عظیم اور مہتم بالشان کام کو کرنے پر راضی ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ اس عظیم الشان کام کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ کرام میں سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیوں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ میں قرآن کریم کے جمع کرنے کے لیے ایسی متعدد خداداد صلاحیتیں موجود تھیں جو دوسروں میں یکجا نہ تھیں، آپ حافظ قرآن تھے، کاتب وحی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری لمحات تک نزول قرآن کے شاہد تھے۔ اس کے ساتھ آپ کا تقویٰ اور پرہیز گاری مثالی تھے، بڑے امانت دار تھے، کمال اخلاق سے متصف تھے، دین میں استقامت سے مالا مال تھے، باصلاحیت اور ذہن رسا کے مالک تھے، صحیح البخاری کی روایت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ کہ ''تم عقل مند، جوان اور دیانت دار آدمی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی رہے ہو'' آپ کے انہیں اوصاف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ انہیں اوصاف حمیدہ اور امتیازی خصائل کے پیش نظر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نگاہِ انتخاب حضرت زید رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے تقویٰ اور پرہیز گاری کا ان کے ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

> اللہ کی قسم! اگر وہ کسی پہاڑ کے اس کی جگہ سے منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا گراں یہ کام تھا۔

۳۔ صحیح البخاری میں مروی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اس جملے کا کیا مطلب ہے کہ میں نے سورۃ التوبہ کی آخری آیات صرف ابو خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پائیں۔ مجھے کسی اور کے پاس سے نہ ملیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یہ آیات کسی اور صحابی کے پاس

مکتوبہ حالت میں نہ پائیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابوخزیمہ انصاری کے علاوہ کسی کے پاس یہ آیات محفوظ نہ تھیں، خود حضرت زید رضی اللہ عنہ قرآن کے حافظ تھے، ان کے علاوہ بھی صحابہ کرام کی کثیر تعداد کو قرآن حفظ تھا، لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ زیادہ احتیاط کے پیش نظر حفظ اور کتابت دونوں سے کام لے رہے تھے (یعنی لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہو اور مکتوب حالت میں بھی موجود ہو) انشاء اللہ اس موضوع پر ہم مزید گفتگو کریں گے۔ بہر حال اس عمدہ اور مثالی نہج پر جمعِ قرآن کا کام تکمیل پذیر ہوا۔

جمع قرآن میں بہترین طریقِ کار

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن میں نہایت عمدہ طریق کار اپنایا، نہایت باریک بینی اور پختگی سے یہ کام سرانجام دیا، اس باعظمت کتاب کو حفاظت کی ضمانت فراہم کرنے میں مناسب ترین نہج پر کاربند رہے، صرف اپنی یادداشت، کتابت اور سماعت کے بل بوتے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قرآنی آیات کی تلاش اور قرآن کو جمع کرنے میں دو مصادر کا خیال رکھا۔

ا۔ لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہو۔

ب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا ہو۔

حفظ اور کتابت دونوں ایک دوسرے کے مددگار اور پشتی بان تھے۔ ان کی انتہائی احتیاط اور شدت حرص کا یہ عالم تھا کہ مکتوبہ آیت کو اس وقت تک قبول نہ کرتے جب تک دو عادل گواہ یہ گواہی نہ دیتے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا ہے۔ سننِ ابی داؤد میں مروی یہ حدیث اسی پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کا کوئی جز سیکھا ہو وہ اسے لے آئے۔ لوگ صحائف تختیوں اور کھجور کی شاخوں پر لکھتے تھے، آپ اس وقت تک کسی کا لایا ہوا قبول نہ کرتے جب تک دو گواہ اس پر گواہی نہ دیتے تھے۔ سنن ابی داؤد ہی کی ایک اور روایت میں ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر اور حضرت زید رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ تم دونوں مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ، جو شخص اپنے لکھے ہوئے پر دو گواہ لائے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اس کو لکھ لو، علامہ ابن حجر نے کہا ہے دو گواہوں سے

مراد حفظ اور کتابت ہے، علامہ سخاوی کا کہنا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ دو آدمی یہ گواہی دیں کہ یہ آیت یا سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی ہے۔ اعلیٰ درجے کی اس احتیاط اور دقتِ نظر کی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تلقین فرمائی تھی اور اس کام میں ان کے لیے یہی راہِ عمل تجویز کی تھی۔ رضی اللہ عنہم۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مصحف کے امتیازات

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع کردہ مصحف متعدد امتیازات کا حامل تھا۔ ان میں بعض اہم امتیازات درج ذیل ہیں:

۱۔ مکمل گہری چھان بین اور پوری تحقیق

۲۔ منسوخ التلاوت ثابت نہ ہونے پر مصحف میں آیت کی کتابت۔

۳۔ اس پر اجماع امت، اور اس مصحف میں درج آیات کا بالتواتر نقل ہونا۔

۴۔ نقل ثابت وصحیح سے منقول قراءات سبعہ پر اس مصحف کا مشتمل ہونا۔

یہ ایسے امتیازات ہیں جو صحابہ کرام کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رکھتے تھے کہ انہوں نے قرآن کریم کو ضائع نہیں ہونے دیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد ہی سے ممکن ہوا۔ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ مصحف میں اجر کے اعتبار سے ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے بڑھ کر ہیں کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے کتاب اللہ کو جمع کیا۔

جمع قرآن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہمیشہ باقی رہنے والا کارنامہ ہے اس توجہ اور عمل پر تاریخ ہمیشہ آپ کو سراہتی رہے گی، آپ کی منقبت اور ذکر جمیل جاری وساری رہے گا، اسی طرح تاریخ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے عملی اقدام اور کاوشوں کی داد دیتی رہے گی۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صحابہ کے پاس اپنے مصاحف نہ تھے جن میں قبل ازیں قرآن تحریر کیا گیا ہو، بلکہ بعض صحابہ کے پاس خاص مصحف موجود تھے لیکن تحقیق، تدقیق، منسوخ التلاوت آیات سے مبرا

ہونے، حدتواتر تک رسائی، اس پر اجماع امت ہونے اور اس کے قرأ آت سبعہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے دوسرے مصحف اس مرتبے کو نہیں پہنچے جس مرتبے اور مقام پر مصحف صدیقی فائز ہوا۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاص مصحف تھا، جس کو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں تحریر کیا تھا اور یہ عزم ظاہر کیا تھا کہ وہ اس مصحف کی کتابت مکمل ہونے تک صرف نماز کے لیے باہر نکلیں گے۔ علامہ سیوطی نے از محمد بن سیرین از عکرمہ روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ انہوں نے آپ کی بیعت کو ناپسند کیا ہے، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلوا کر پوچھا کہ کیا آپ نے میری بیعت کو ناپسند کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا کتاب اللہ میں زیادہ کیا جا رہا ہے سو میں نے طے کیا کہ میں جب تک اس کو جمع نہ کرلوں نماز کے علاوہ اپنی چادر نہیں پہنوں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ نے بہتر سوچا ہے۔ (۱۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاص مصحف تھا، لیکن جیسا کہ ابن سیرین سے مروی ہے اس میں ناسخ اور منسوخ دونوں قسم کی آیات تھیں وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مصحف کی طرح (منسوخ التلاوت آیات سے مبرا) نہ تھا۔

قرآن مصحف واحد میں کیوں نہیں جمع کیا گیا؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن ایک مصحف میں کیوں نہیں جمع کیا گیا؟ اس سوال کے متعدد جوابات ہیں:

۱۔ قرآن کریم یک بارگی نازل نہیں ہوا بلکہ الگ الگ تھوڑے تھوڑے حصوں میں نازل ہوا، سو اس کے مکمل نزول تک اس کو جمع کرنا ممکن نہ تھا۔

۲۔ بعض آیات سے بعض آیات اور احکام منسوخ ہو رہے تھے، ابھی نسخ جاری تھا سو ایسی حالت میں قرآن کریم کا ایک مصحف میں جمع کرنا کس طرح ممکن تھا۔

۳۔ آیات اور سورتوں کی ترتیب نزول کے اعتبار سے نہ تھی، بلکہ بعض آیات کا نزول وحی کے اواخر میں ہوا لیکن ترتیب میں ان کو اولین سورتوں میں جگہ دی گئی اس سے مکتوب

(۱۱) الاتقان۔ علامہ سیوطی

مصحف میں تغیر پیدا ہوتا۔

۴۔ آخری آیات کے نزول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے درمیان بہت کم مدت تھی، چنانچہ فصل اول میں گزر چکا ہے کہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت یہ ہے:

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾

اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو وہ پورا پورا دیا جائے گا جو اس نے کمایا تھا۔ اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔ (۱۲)

اس آیت کریمہ کے نزول کے صرف نو راتیں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں منتقل ہوگئے اس قلیل مدت میں جمع قرآن ممکن نہ تھا۔

۵۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع قرآن کے جو محرکات اور دواعی سامنے آئے وہ اس سے قبل موجود نہ تھے، مسلمان خیر سے تھے، قراء بکثرت تھے۔ فتنے سے امن تھا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس قدر حفاظ قرآن شہید ہوئے کہ قرآن کریم کے ضیاع کا اندیشہ پیدا ہوا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر سابقہ حالات میں قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کیا جاتا تو قرآن تغییر و تبدیل کا ہدف اور نشانہ بن جاتا، جب بھی ناسخ آیت نازل ہوتی یا کوئی اور سبب سامنے آتا تبدیلی ناگزیر ہو جاتی، حالانکہ مسلمانوں کو کتابت کے وسائل بہت کم دستیاب تھے اور ہر مرتبہ پہلے والے مصحف کی تبدیلی اور نئے مصحف کی کتابت ان کے لیے آسان نہ تھی، اور ہر مرتبہ نیا مصحف ترتیب دینا یا ہر ماہ یا ہر روز ایسا مصحف تیار کرنا ممکن نہ تھا جس میں نازل شدہ تمام قرآن مرقوم ہوتا، جب معاملہ تنزیل کے اختتام تک پہنچا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، نسخ کا امکان باقی نہ رہا، ترتیب مکمل ہوگئی تو قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنا ممکن ہوگیا اور خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر

(۱۲) البقرۃ ۲۸۱

صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری بہ طریق احسن نبھائی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور قرآن واہل اسلام کی طرف سے ان کو بہترین جزا سے نوازے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع قرآن

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جمع قرآن کا سبب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے مختلف تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتوحاتِ اسلامیہ میں وسعت آگئی تھی مسلمان مختلف شہروں اور علاقوں میں پھیل چکے تھے، ہر اسلامی علاقے میں اس صحابی کی قرأت مشہور تھی جس نے ان کو قرآن کی تعلیم دی تھی، چنانچہ اہل شام حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت میں، اہل کوفہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں اور دوسرے لوگ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قرأت میں قرآن کریم پڑھتے تھے۔ ان قرأتوں میں حروف کی ادائیگی اور وجوہ قرأآت کا اختلاف تھا، یہاں تک کہ معاملہ باہمی نزاع اور اختلاف تک منتج ہوا۔ اختلاف قرأت کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے۔

حضرت ابوقلابہ سے مروی ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مختلف قرأ مختلف انداز میں قرآن کریم کی تعلیم دیتے تھے (اپنی پسندیدہ قرأت کے مطابق تعلیم دیتے تھے) لڑکے باہم ملتے تو ایک دوسرے سے مختلف قرأت کرتے اور پھر معاملہ اپنے معلّمین تک لے جاتے، یہاں تک کہ ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس رہتے ہوئے اختلاف کر رہے ہو، جو لوگ مجھ سے دور، دور دراز علاقوں میں مقیم ہیں ان کا اختلاف کتنا شدید ہوگا؟

یہ اسباب اور واقعات تھے جن کے پیش نظر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی عمدہ رائے اور نگاہِ دوربین سے یہ اندازہ لگایا کہ اس معاملے کے قابو سے باہر ہونے اور اس مرض کے لا علاج ہونے سے پہلے اس کا علاج ضروری ہے۔ آپ نے عظیم القدر صحابہ کرام اور اصحاب بصیرت ارباب رائے لوگوں کا اجتماع منعقد کیا اور اس فتنے کے علاج کے لیے مشورہ طلب کیا، متفقہ طور پر یہ رائے قرار پائی کہ امیر المؤمنین مصاحف کے متعدد نسخے تیار کرائیں، اور ہر قابل ذکر شہر اور

علاقہ میں ان کی نقول فراہم کردیں اور لوگوں کو ان مصاحف کے علاوہ دیگر مصاحف کو نذرِ آتش کرنے کا حکم فرمائیں۔تاکہ وجوہ قرأت میں اختلاف اور جھگڑوں کا مکمل استیصال اور بیخ کنی ہو، آپ نے اس دانش مندانہ فیصلے پر عملدر آمد شروع کیا اور ان چار عظیم القدر ثقہ حفاظ حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن ہشام رضی اللہ عنہم کو یہ ذمہ داری سونپی۔ان میں سے تین کا تعلق قریش سے اور ایک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تعلق انصار سے تھا، یہ جلیل الشان کام چوبیس ہجری میں سرانجام پایا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ اگر وجوہ قرأت میں تمہارا اختلاف ہو تو اس کو لغت قریش کے مطابق لکھو، کیونکہ قرآن کا نزول لغت قریش میں ہوا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ مصحف طلب کیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جمع کردہ تھا اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو بتادیا کہ اس کی نقول تیار کرنے کے بعد یہ نسخہ آپ کو واپس کردیا جائے گا۔اور ایسا ہی ہوا۔

دورِ عثمانی میں جمعِ قرآن کا سبب

صحیح البخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔آپ ان شامی مجاہدین میں شامل تھے جو آرمینیہ اور آذربائیجان کی فتوحات میں اہل عراق کے ہمراہ تھے۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے قرأت میں اختلاف سے گھبرا گئے تھے۔انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المؤمنین! قبل اس کے کہ یہ امت بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف کرنے لگے، اس امت کی خبر لیں۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا آپ ہمارے پاس مصحف بھیج دیں، ہم مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس کردیں گے۔حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مصحف بھیج دیا، آپ نے حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو اس مصحف کی نقول تیار کرنے کا حکم دیا، آپ نے مؤخر الذکر تین قریشی جوانوں سے کہا کہ جب تمہارا اور زید بن ثابت کا کسی لفظ کی قرأت میں اختلاف ہو تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو، کیونکہ قرآن قریش کی

زبان میں اترا ہے، انہوں نے ایسا ہی کیا، جب مصاحف تیار ہو گئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا اور ہر طرف تیار کردہ ایک مصحف بھیج دیا اور یہ حکم دیا کہ اس مصحف کے علاوہ دیگر تمام مصاحف کو نذرِ آتش کر دیا جائے۔ (۱۳)

حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے جمع قرآن میں فرق

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ قرآن میں کیا فرق تھا؟ اس کو ہم سابقہ بحث کی روشنی میں اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن کو ترتیب وار آیات کے ساتھ پتھر کی سلوں، کھجور کی شاخوں اور چمڑے کی باریک جھلیوں سے جمع کر کے ایک مصحف میں نقل کیا گیا۔ اس کا سبب حفاظ کی موت تھا۔

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ مصحف سے متعدد نسخے تیار کرائے تاکہ ان کو اسلامی مفتوحہ علاقوں میں بھیجا جائے، اس جمع کا سبب قرأت قرآن میں اختلافِ قرأت کا خاتمہ تھا۔ واللہ اعلم۔

وصلى الله على سيدنا محمد و آله وصحبه وسلم

---

(۱۳) بخاری، باب جمع القرآن، رقم [illegible]

فصل پنجم

تفسیر اور مفسرین

اللہ تعالیٰ نے اپنی باعظمت کتاب کو اس لیے نازل فرمایا، تا کہ مسلمان اسے دستور العمل بنائیں اس کی روشنی میں زندگی کا سفر جاری رکھیں، اس کی ہدایت سے فیض یاب ہوں، اس کی رشد و ہدایت پر مبنی تعلیمات سے استفادہ کریں اور اوج سعادت اور عزت وعظمت سے نصیب پائیں، اس کی رہنمائی میں مجد و کمال کی بلندیوں تک رسائی حاصل کریں، کاروانِ انسانیت کی قیادت کا تاج سر پر رکھیں، اس زندگی میں قیادت وسیادت سے نوازے جائیں، قوموں میں عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جائیں اور انسانیت کے لیے امن، استحکام اور سلامتی کے پیغامبر ہوں۔

اس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ آج انسانیت بدبختی اور جاہلیت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں حیران وسرگرداں ہے، ظاہرداری کے سمندروں میں غوطہ زن اور مال کی عبادت میں مستغرق ہے، اسلام کے سوا اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے، قرآن کی راہِ رشد و ہدایت اور اس کا عطا کردہ حکیمانہ نظام ہی اس کے تمام دکھوں کا مداوا اور اس کی تمام مشکلات کا حل ہے۔ کیونکہ قرآن ہی میں نوع بشر کی تمام سعادتوں کی رعایت ہے کہ اس کی بنیاد خالق اور حکمت والے رب کے علم پر ہے۔ظاہر ہے کہ ان تعلیمات پر عمل اس صورت میں ہوگا جب قرآن کریم میں تفکر و تدبر کیا جائے اور اس کے نصائح اور ارشادات سے واقفیت ہو، اور یہ اس طرح ممکن ہے جب ان امور کی گرہ کشائی ہو اس کا واضح بیان پیش نظر ہو اور آیات قرآن کی دلالت عیاں ہو، اسی کا نام علم تفسیر ہے۔

آج کے دور میں اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ عربی زبان کے فہم کا ملکہ ختم ہو رہا ہے، عربوں خصوصاً اصل عربی خاندانوں میں بھی عربیت کے اوصاف ناپید ہو رہے ہیں، سو تفسیر ہی ان تمام خزینوں دفینوں تک رسائی کی کلید ہے، اسی سے اس محترم کتاب کے مضامین عالیہ سمجھ میں آتے

ہیں، اس کے بغیر ان خزانوں، ذخائر اور ہیرے موتیوں تک پہنچنا ناممکن ہے، خواہ لوگ صبح و شام قرآنی آیات کو دہراتے رہیں اور قرآنی الفاظ کو وردِ زبان بنالیں (قرآن کی تفہیم صرف الفاظ دہرانے سے نہیں بلکہ تفاسیر کی روشنی میں غور وفکر سے ہی ہوگی)۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے صرف قرآن کریم کے الفاظ دہرانے اور اس کو نغمگی کے لحن میں اموات کے مواقع اور مقابر میں پڑھنے پر اکتفا کرلیا، سرکاری، غیر سرکاری تقریبات اور مجالس میں اس کی تلاوت کرلی، قرآن کریم سے ان کا نصیب اور حصہ صرف تلاوت سے تبرک کا حصول اور خوش نغمگی سے لطف اندوز ہونا رہ گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''لوگ قرآن کو مزامیر (گانا) بنالیں گے''۔ مسلمان اس حقیقت کو فراموش کر چکے ہیں یا ان کو یہ حقیقت بھلا دی گئی ہے کہ قرآن کریم کی عظیم برکات اس میں تفکر و تدبر، اس کی ہدایات سے رہنمائی حاصل کرنے، اس کی تعلیمات سے استفادہ کرنے اور اس کے نقطۂ نظر سے متفق ہونے میں ہیں۔ اس کے اوامر و مرضیات پر کار بند رہنا اور اس کے موانع اور منہیات سے باز رہنا ہی صلاح و فلاح کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝۲۹

یہ (قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ عقلمند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ (۱)

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝۲۴

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں (۲)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۝۱۷

اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے، پھر ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے۔ (۳)

---

(۱) ص: ۲۹ (۲) محمد: ۲۴ (۳) القمر: ۱۷

آج مسلمانوں کی حالت ایسی ہے جیسے کوئی شخص پانی ہاتھ میں رکھتے ہوئے پیاس سے مرجائے، یا اس جانور جیسی ہے جس کی پیٹھ پر چارہ اور پانی موجود ہو اور وہ بھوک اور پیاس سے مرجائے۔ بقول کسے:

میدان میں بھورے رنگ کے اونٹوں کی طرح جو پیاس سے مرجائیں
حالانکہ ان کی پیٹھوں پر پانی لدا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً سچ اور حق فرمایا ہے:

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، اگر تم نے ان کو تھامے رکھا تو میرے بعد کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور میری سنت۔ (۴)

ہم قرآن کریم کی تفسیر کیوں کرتے ہیں؟

یہاں ہر انسان کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم قرآن کریم کی تفسیر کیوں کرتے ہیں، تفسیر قرآن کی ضرورت کیا ہے؟ تاکہ اس کی قراءت میں نکھار پیدا ہو اور اس کی تلاوت خوب سے خوب تر ہو۔ یا اس کی معنوی گہرائیوں کی پردہ کشائی ہو؟ یا اس کے اسرار سامنے آئیں اور اس کے محاسن عیاں ہوں؟

نہیں۔ نہیں۔ ان میں سے کوئی چیز مقصود نہیں، بلکہ قرآن فہمی سے مقصود انسانوں کی پرستش سے احتراز اور بشر کی غلامی سے اللہ جل وعلا کی عبادت کی طرف رہنمائی کا حصول ہے، تاکہ ہم فرد اور جماعت کا عالمین کے خالق، کائنات کے مدبّر، آسمانوں اور زمین کے رب اور عرش عظیم کے مالک سے رشتہ استوار کردیں۔

قرآن کریم امت کا دستور، خالق کی ہدایت، اہل زمین کے لیے اللہ کی شریعت ہے۔ ربانی نور، آسمانی ہدایت، تا قیامت باقی رہنے والا ایسا قانون ہے جو دینی اور دنیوی تمام ضروری امور میں انسانیت کی رہنمائی فرماتا ہے، کیونکہ یہ کامل کتاب اور ایسا نظام ہے جو عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے، سیاست وحکمرانی ہو، صلح اور جنگ ہو، اقتصادی

[illegible]

مسائل ہوں یا قومی اور بین الاقوامی تعلقات، اللہ تعالیٰ کی یہ جامع کتاب ایمان والوں کے لیے ہر مسئلہ میں رہنمائی فراہم کرتی ہے ان کے لیے سراپا رحمت ہے۔ اس نے ہر مسئلے کا ایسا حکیمانہ حل پیش فرمایا ہے جو ہر قسم کے خلل اور اختلاف سے پاک ہے، یقیناً یہ سعادت اس کی ہدایت کے تحت زندگی گذارنے اور اس کے فرمودات پر عمل کرنے میں ہے کہ یہ دل و دماغ کی بیماریوں کے لیے شفا ہے اور تا قیامت معاشرتی بیماریوں کا شافی علاج اور معاشرے پر نازل ہونے والے مصائب کا دفعیہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا۝

اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہیں اور ظالموں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔ (۵)

تفسیر اور تاویل میں فرق

لغت میں تفسیر شرح اور وضاحت کو کہتے ہیں، ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا۝

اور یہ لوگ آپ کے پاس کیسا ہی سوال لائیں ہم آپ کو اس کا ٹھیک جواب اور عمدہ توجیہ دیں گے۔ (۶)

فَسَّرَ کے معنیٰ ہیں وضاحت کی اور تشریح کی، کلام مفسر کا معنیٰ ہے واضح اور ظاہر کلام، اصطلاح میں تفسیر کا معنیٰ ہے ایسا علم جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ اللہ کی کتاب کا فہم حاصل ہو، اس کے معانی کا بیان ہو اور اس سے احکام اور حکمتوں کا استخراج ہو۔ (۷) بعض علماء نے علم تفسیر کی یہ تعریف کی ہے:

ایسا علم جس میں بشری طاقت کے مطابق قرآن کریم سے اللہ تعالیٰ کی مراد کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ (۸)

(۵) الاسراء ۸۲:۱۷ (۶) الفرقان ۳۳:۲۵ (۷) [illegible]
(۸) [illegible]

تاویل کے معنیٰ

لغت میں تاویل لفظ اول سے مشتق ہے، جس کا معنیٰ رجوع ہے، گویا کہ مفسر ان معانی کی طرف رجوع کرتا ہے جو کسی آیت سے مراد ہو سکتے ہیں۔ بعض علماء کے بقول تاویل اور تفسیر مرادف الفاظ ہیں، حتیٰ کہ صاحب القاموس نے کہا ہے کہ اوّل الکلام تاویلاً، و تاوّلہٗ کا مطلب ہے: غور وفکر کیا، اندازہ لگایا اور اس کی تفسیر کی۔ اسی سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ

فتنہ ڈھونڈتے ہوئے اور تاویل تلاش کرتے ہوئے۔ (۹)

متقدمین کی اصطلاح میں تاویل بمعنیٰ تفسیر ہے، کبھی تاویل قرآن اور کبھی تفسیر قرآن کہا جاتا ہے، دونوں بطور ہم معنیٰ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ امام ابن جریر الطبری اپنی تفسیر میں کہتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تاویل میں یہ قول ہے''...... ''اہل تاویل کے اس آیت میں مختلف اقوال ہیں'' ان دونوں صورتوں میں ان کی مراد اہل تفسیر ہوتے ہیں۔

حضرت مجاہد کا قول ہے کہ علماء اس قرآن کی تاویل (یعنی اس کی تفسیر) جانتے ہیں۔

علماء کے ایک طبقے کا مذہب ہے کہ تاویل اور تفسیر میں واضح فرق ہے، متاخرین علماء کے ہاں یہی نقطۂ نظر مشہور ہے۔ ان کی تشریح کے مطابق تفسیر آیت کریمہ کا ظاہری معنیٰ ہے۔ اور تاویل کسی آیت کے متعدد ممکنہ معانی میں سے کسی ایک مفہوم اور معنیٰ کی ترجیح ہے۔

علامہ سیوطی نے الاتقان فی علوم القرآن میں اس پر گراں قدر بحث کی ہے اور علمائے کرام کے کثیر اقوال نقل کیے ہیں، جن کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ تفسیر قرآن کے ظاہر معانی کی پردہ کشائی ہے اور تاویل ان خفیہ معانی اور ان لطیف اسرار ربانی کا بیان ہے جو عارفین نے آیت کریمہ سے مستنبط کیے ہیں۔

ہمارا اختیار کردہ یہ مفہوم علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی اختیار کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

مؤلفین سے بغیر اعتراض کے معروف ہے کہ تاویل ایسے قدسی مفاہیم اور

---

(۹) آل عمران ۔

معارف ربانیہ کا نام ہے جو عارفوں کے قلوب پر غیب سے وارد ہوتے ہیں، اور تفسیر اس کے علاوہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر اللہ تعالیٰ کی مراد پر واضح الدلالت اور ظاہر معانی ہیں اور تاویل آیات کریمہ کے ایسے مخفی معانی ہیں جو تامل، تفکر اور استنباط سے حاصل ہوتے ہیں۔ جب ایک آیت کریمہ متعدد مفاہیم کی متحمل ہوتی ہے تو مفسر اس میں سے اس مفہوم کو ترجیح دیتا ہے جو نظر و استدلال کے طور پر قوی تر ہو۔ یہ ترجیح قطعی نہیں ہوتی بلکہ اظہر اور اقوی کی ترجیح ہوتی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قطعی مراد کو کوئی نہیں جان سکتا، اور کسی قول کو قطعی قرار دینا اللہ کی کتاب میں خود رائے ہونا اور من مانی کرنا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ

اور اس کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (۱۰)

تفسیر کے اقسام

علمی اصطلاح میں تفسیر کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ تفسیر بالروایۃ۔ اس کو تفسیر بالنقل یا تفسیر بالماثور بھی کہتے ہیں۔

۲۔ تفسیر بالدرایۃ۔ اس کو تفسیر بالرائے بھی کہا جاتا ہے۔

۳۔ تفسیر بالاشارہ۔ علماء نے اس کو تفسیر اشارہ کا نام دیا ہے۔

اب ہم انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر کی ان اقسام کو بالتفصیل بیان کرتے ہیں۔

---

(۱۰) آل عمران ۷

قسم اول

تفسیر بالروایۃ

آیات کی وہ تفسیر جو قرآن، سنت یا کلام صحابہ میں اللہ تعالیٰ کی مراد کے بیان میں آئی ہے، اس کو تفسیر بالروایۃ کہتے ہیں، یا تو قرآن کی قرآن کے ساتھ تفسیر ہو یا قرآن کی سنت نبویہ سے تفسیر ہو یا قرآن کی صحابہ سے منقول تفسیر ہو۔

الف۔ قرآن کی قرآن ہی سے تفسیر کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ ارشاد باری ہے:

أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ

تمہارے لئے چوپائے مواشی حلال کر دیئے گئے، سوائے ان کے جن کا حکم آگے سنایا جائے گا۔ (۱۱)

الا مایتلیٰ علیکم کی دوسری آیت کریمہ میں یہ تفسیر آئی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ

تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور (وہ جانور) جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو حرام ہیں۔ (۱۲)

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝۱

قسم ہے آسمان اور رات میں نمودار ہونے والے کی۔ (۱۳)

الطارق کی تفسیر اسی سورت میں آئی ہے:

النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝۳

وہ روشن ستارہ ہے۔ (۱۴)

---

(۱۱) المائدہ: ۱ (۱۲) المائدہ: ۳ (۱۳) الطارق: ۱ (۱۴) الطارق: ۳

ج۔ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا:

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ

پھر آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمات سیکھ لئے اور اللہ نے اس کی توبہ قبول کی۔ (۱۵)

قرآن کریم ہی میں دوسرے مقام پر ان کلمات کی تفسیر آئی ہے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞

ان دونوں نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا، اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم یقیناً تباہ ہو جائیں گے۔ (۱۶)

۴۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے (۱۷)

برکت والی رات کی تفسیر شب قدر سے کی گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۞

بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے، (۱۸)

ب۔ سنت مطہرہ میں قرآن کریم کی شرح اور تفسیر کی بعض مثالیں حسب ذیل ہیں۔

ا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمانِ الٰہی میں ظلم کی تفسیر شرک سے فرمائی ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۞

جو لوگ ایمان لائے اور وہ اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملاتے، انہی کے لئے امن و دلجمعی ہے اور وہی سیدھی راہ پر ہیں۔ (۱۹)

اور اپنی تفسیر کو اس ارشاد الٰہی سے مؤید فرمایا:

(۱۵) البقرہ ۲:۳۷ (۱۶) الاعراف ۷:۲۳ (۱۷) الدخان ۴۴:۳ (۱۸) القدر ۹۷:۱ (۱۹) الانعام ۶:۸۲

اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۳﴾

بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (۲۰)

۲۔ آسان حساب (حساب یسیر) کی تفسیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن پر اعمال پیش کئے جائیں گے اور اسے صرف یاد دلایا جائے گا، جس سے حساب لیا جائے گا اسے عذاب دیا جائے گا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے:

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ ﴿۷﴾ فَسَوۡفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيۡرًا ﴿۸﴾ وَّيَنۡقَلِبُ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ﴿۹﴾

پس (اس وقت) جس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا، تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا، اور وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش واپس آئے گا۔ (۲۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حساب یسیر کا بیان ہے لیکن جس سے حساب لیا جائے گا وہ مبتلائے عذاب ہوگا۔ (۲۲)

۳۔ صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

حَافِظُوۡا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰى ۚ

نمازوں کی حفاظت کیا کرو اور (خاص کر) بیچ کی نماز کی۔ (۲۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے نماز عصر مراد ہے۔

۴۔ **المغضوب علیھم** اور **الضالین** کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

۵۔ آیت کریمہ:

لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ

نیکوں کے لئے نیک بدلہ ہے اور کچھ زیادہ بھی۔ (۲۴)

میں لفظ زیادہ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے رب کریم کا دیدار مراد ہے۔

---

(۲۰) لقمان ۱۳ (۲۱) الانشقاق ... (۲۲) ...

۶۔ آیت کریمہ:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ

اور جہاں تک تم سے ہو سکے کافروں کے مقابلے کے لئے قوت مہیا کرو۔(۲۵)

کی تفسیر میں تین بار ارشاد فرمایا کہ سنو قوت تیر اندازی ہے باخبر رہو قوت تیر اندازی ہے۔(۲۶)

۷۔ ارشادِ ربانی:

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝

اس دن (زمین) یہ اپنی تمام خبریں بیان کر دے گی۔(۲۷)

کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو اس کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ وہ ہر مرد یا عورت کے ان اعمال کی گواہی دے گی جو اس کی پشت پر کئے ہیں، زمین کہے گی کہ تم نے فلاں فلاں دن ایسا ایسا کیا تھا۔

سنت نبویہ سے تفسیر قرآن کی بہت سی مثالیں ہیں۔ علامہ سیوطی نے الاتقان فی علوم القرآن میں ان کی بڑی تعداد کو جمع کر دیا ہے، وہاں رجوع فرمائیے۔

تفسیر قرآن بالقرآن اور تفسیر قرآن بالسنۃ بلاشبہ تفسیر کی اعلیٰ قسم ہیں، ان کی قبولیت شک و شبہ سے بالاتر ہے، تفسیر قرآن بالقرآن کو تسلیم اور قبول کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مراد کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے، کتاب اللہ سب سے سچی بات ہے کہ باطل اس کے سامنے سے یا اس کے پیچھے سے نہیں آ سکتا۔ (یہ ہر ریب اور شک سے بالاتر اور صادق ترین ارشادات کا مجموعہ ہے)۔

تفسیر قرآن بالسنۃ پر سر تسلیم خم کرنا بھی لازم ہے کیونکہ قرآن کریم کے مشکل امور کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں تھا۔ قرآن کریم میں آپ کی اس ذمہ داری کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

(۲۵) الانفال:۶۰ (۲۶) الترمذی رقم ۳۰۸۳ (۲۷) الزلزال:۴

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور (اے رسول) ہم نے آپ پر بھی قرآن نازل کیا ہے تاکہ جو کچھ ان کے لئے نازل کیا گیا آپ اس کو لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کردیں اور تاکہ لوگ (اس میں) غور کریں۔ (۲۸)

سو سند صحیح اور ثابت سے قرآن کریم کی تشریح اور بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ منقول ہے اس کے حق اور قابل اعتماد ہونے میں قطعاً کوئی کلام نہیں ہے اور وہ ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

ج۔ تفسیر ماثور کی تیسری قسم تفسیر صحابہ ہے، یہ بھی معتمد اور مقبول تفسیر ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نشین تھے، آپ سے براہِ راست استفادہ کرنے والے تھے، وحی اور تنزیل کے شاہد تھے۔ اسباب نزول کے عارف تھے، صفائے باطن سے متصف تھے، فطرتاً سلامتی کی راہوں کے راہی تھے، فصاحت اور بیان کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے، عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم سے کلام اللہ کو سمجھتے تھے، ہر انسان سے بڑھ کر اس قرآن کریم کے اسرار تک رسائی رکھتے تھے۔

حاکم کہتے ہیں کہ وحی اور تنزیل کے شاہد صحابی کی تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ گویا اس صحابی نے اس کو براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

تابعی کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض علماء اس کو بھی ماثور تفسیر کہتے ہیں کہ غالباً تابعی نے کسی صحابی ہی سے یہ تفسیر نقل کی ہوگی۔ جبکہ بعض علماء نے اس کو تفسیر بالرائے کہا ہے۔ یعنی اس کا حکم بھی ان دیگر مفسرین کی طرح ہے جنہوں نے ماثور کا التزام نہیں کیا بلکہ لغت عربیہ کے قواعد کے مطابق تفسیر کی ہے۔

تنبیہ

تفسیر بالماثور جب سند صحیح کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے مروی

(۲۸) النحل ۴۴:

ہو تو یہ قرآن کی سب سے عمدہ تفسیر ہے، البتہ تفسیر میں منقول روایت کی تحقیق کرنا اور غور وفکر سے کام لینا نہایت ضروری ہے، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے تفسیر ماثور میں بدنہاد بے دین یہودیوں ایرانیوں اور نومسلم اہل کتاب کی روایات ہیں، ان میں سے اکثر روایات میں رسولوں کے اپنی اقوام سے متعلق واقعات، ان کی کتب اور معجزات کا بیان ہے، یا پھر دیگر قصے جیسے اصحاب کہف وغیرہ کے متعلق روایات ہیں۔ اس لیے تفسیر قرآن کریم سے متعلق روایات کے بارے میں احتیاط ضروری ہے اوران کے راویوں کے بارے میں تحقیق اور روایت کے الفاظ میں غور وخوض لازم ہے۔

روایت بالماثور میں ضعف کے اسباب

گزشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالسنۃ الصحیحۃ المرفوعۃ کی قبولیت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ یہ اعلیٰ مرتبے کی تفسیر ہے۔ البتہ صحابہ کرام اور تابعین سے ماثور تفسیر میں چند وجوہ سے ضعف پیدا ہوتا ہے:

۱۔ صحیح اور غیر صحیح کا باہم اختلاط۔ صحابہ کرام یا تابعین کی طرف بلا اسناد اور تحقیق ایسے کثیر اقوال منسوب کر دیئے گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے حق کو باطل سے الگ کرنا مشکل ہو جاتا ہے سچ اور جھوٹ باہم گڈمڈ ہو گئے ہیں۔

۲۔ یہ روایات اسرائیلیات سے لبریز ہیں، ان میں ایسی بہت سی خرافات موجود ہیں جو اسلامی عقیدے کے خلاف ہیں، اسلام میں ان کے باطل ہونے پر دلائل موجود ہیں، یہ روایات اہل کتاب کے ذریعے مسلمانوں میں داخل ہوئی ہیں۔

۳۔ بعض انتہا پسند فرقوں نے خود ساختہ روایات گھڑیں اور اپنے باطل اقوال کو صحابہ کرام کی طرف منسوب کر دیا، جیسے شیعان علی رضی اللہ عنہ ہیں، ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ایسی روایات منسوب کر دی ہیں جن سے آپ یقیناً بری ہیں، اسی طرح بنو عباس کے طفیلی مصاحب ہیں انہوں نے ہر روایت کی نسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کر دی ہے حالانکہ اس نسبت میں صحت نام کو نہیں، وجہ صرف حکام کی چاپلوسی اور کاسہ لیسی تھی۔

۴۔ بعض بے دین دشمنانِ اسلام نے مکر وفریب سے کام لیتے ہوئے بطور سازش صحابہ اور تابعین کی طرف جھوٹی روایات منسوب کر دیں، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ میں یہ دسیسہ کاری کی گئی ہے۔ ان کے پیش نظر سازش اور مکر و فریب کے ذریعے دین کی عمارت کو منہدم کرنا تھا۔

مذکورہ بالا وجوہ کے تحت ضروری ہے کہ صحابہ کرام یا تابعین سے منسوب اقوال کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے، مکمل احتیاط اور تحقیق سے کام لیا جائے اور احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

مناهل العرفان میں علامہ زرقانی کی رائے

علامہ زرقانی نے اپنی کتاب مناہل العرفان میں تفسیر کے متعلق امام احمد اور ابن تیمیہ رحمہما اللہ کے خیالات ذکر کرنے کے بعد نہایت نفیس گفتگو ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس موضوع پر انصاف کی بات یہ ہے کہ تفسیر بالماثور کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایسی روایات جن کی صحت اور قبولیت پر بکثرت دلائل موجود ہیں، ان میں سے کسی روایت کا رد کسی کے لیے بھی مناسب نہیں، ایسی روایات سے صرف نظر یا چشم پوشی ناجائز ہے، اس قسم کی روایات قرآنی ہدایت سے روگردانی کرنے والی نہیں ہوتیں بلکہ یہ قرآنی ہدایت کے حصول میں قوی ترین عامل کا مقام رکھتی ہیں۔

۲۔ مذکور الصدر اسباب میں سے کسی سبب یا کسی اور وجہ سے وہ درجۂ صحت کو نہ پہنچتی ہوں ایسی روایات کا رد کرنا واجب ہے، ان کو قبول کرنا اور ان میں توجہ دینا اور مشغول ہونا جائز نہیں ہے۔

بیدار مغز مفسرین کی کثیر تعداد مثلاً ابن کثیر وغیرہ ہمیشہ روایات میں صحت کی متلاشی رہی ہے، وہ اپنی تفاسیر میں ایسی روایات نقل کرتے ہیں جو صحیح ہوں، وہ باطل یا ضعیف روایات کو الگ کرتے چلے جاتے ہیں

مشہور مفسرین صحابہ کرام

علامہ سیوطی نے الاتقان میں کہا ہے کہ مشہور مفسرین صحابہ دس ہیں، چاروں خلفاء راشدین، ابن مسعود، ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔ خلفائے راشدین میں سب سے زیادہ تفسیری روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ باقی تین خلفاء کی روایات نہایت قلیل ہیں، اس کی وجہ ان کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے قبل وفات ہے۔ خلفاء ثلاثہ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم سے قلت روایت کا سبب جیسا کہ علامہ سیوطی نے واضح کیا ہے ان کی خلافت کی مدت کا کم ہونا اور ان کی وفات کا مقدم ہونا ہے، اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کا دورِ خلافت ایسے عہد پر مشتمل تھا جس میں لوگوں کی غالب اکثریت کتاب اللہ کی عالم تھی، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی تھی وہ تنزیل کے اسرار سے واقف اور قرآن کریم کے معانی اور احکام کے عارف تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ کے بعد اس وقت سریرآرائے خلافت ہوئے جب اسلام کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو چکا تھا اور اہل عجم کی کثیر تعداد اس نئے دین کے پرچم تلے آگئی تھی۔ صحابہ کرام کی اولادوں میں سے بڑی تعداد قرآن سیکھنے اور اس کے اسرار اور حکمتوں کے جاننے کی ضرورت مند تھی۔ اسی لیے خلفائے ثلاثہ کے بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ تفسیری روایات منقول ہیں۔ اب ہم ان بعض صحابہ کرام کا بالتفصیل ذکر کریں گے جن کی تفسیر قرآن کے سلسلے میں بڑی شہرت ہے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حبر الامت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے ان الفاظ میں دعا کی کہ "اے اللہ! اس کو دین میں سمجھ دے اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما" (۲۹)۔ آپ کو ترجمان القرآن کہا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عبداللہ بن عباس بہترین ترجمان القرآن ہیں، آپ صحابہ کرام میں سب سے بڑھ کر قرآن کریم کی تفسیر کے عالم تھے، کم سنی اور عنفوان شباب ہی میں تھے کہ

(۲۹) احمد، ج ۱ ص ۲۶۶ رقم ۲۳۹۷

کبیر السن صحابہ ان پر رشک کرتے اور ان کے علم کو بنظرِ استحسان دیکھا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو جلیل القدر صحابہ کرام کے ساتھ مجلس شوریٰ میں شریک رکھتے تھے اور ان سے مشورہ طلب کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قدر و منزلت بعض صحابہ کو کھٹکتی تھی یہاں تک کہ ان میں سے کسی صحابی نے کہا کہ اس جوان کو ہمارے ساتھ نہ بٹھایا کرو حالانکہ ہماری اولاد میں سے بعض ان سے بڑی عمر کے ہیں، امام بخاری نے یہ واقعہ نقل کیا ہے، جس سے آپ کے بے پایاں علم، اسرار قرآن کی دقیقہ سنجی اور قرآن میں غور و خوض کے اعلیٰ مراتب کا اظہار ہوتا ہے۔

صحیح البخاری کی روایت

صحیح البخاری میں از طریق سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے شیوخ بدر کے ساتھ اپنے ہاں آنے کا موقع فراہم کیا کرتے تھے، ان میں سے کسی کے دل میں اس بات کا خیال آیا اور انہوں نے کہا کہ اس کو ہمارے ساتھ نہ آنے دیا کرو کیونکہ ہمارے بیٹے درجے میں اس کے برابر ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہیں اس کی ذہانت اور علم معلوم ہے، ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شیوخ بدر کے ساتھ مجھے طلب فرمایا میں سمجھ گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آج ان حضرات کو کچھ دکھانا چاہتے ہیں اس لیے مجھے ان کے ساتھ بلایا ہے، آپ نے شیوخ بدر کو مخاطب بنا کر دریافت کیا آپ ارشادِ باری تعالیٰ:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ ①

جب اللہ کی مدد اور فتح آ چکی۔ (۳۰)

کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ بعض نے کہا کہ ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جب ہمیں فتح و نصرت حاصل ہو ہم اللہ کی حمد کریں اور اس سے استغفار کریں، اور بعض حضرات خاموش رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ ابن عباس! تم بھی اسی طرح کہتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں، فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت

(۳۰) النصر ۱

ہے، جس کی آپ کو خبر دی گئی ہے، فرمایا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور یہ آپ کے سفر آخرت کی علامت ہے تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، بے شک وہ بڑا توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بخدا میں بھی اس آیت کے بارے میں یہی جانتا ہوں جو تم نے کہا ہے۔ (۳۱)

یہ واقعہ آپ کے فہم وفراست کی قوت کی وسعت اور ارشادات قرآنیہ سے ایسے استنباط پر اصابت رائے اور دقت نظر پر دلالت کرتا ہے جس کا ادراک ماہرین علم ہی کا حصہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اسرارِ قرآن کے فہم میں اس عالی مرتبہ کو حاصل کرنا باعثِ تعجب اور حیرت کی بات نہیں کیونکہ متفق علیہ روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دین میں فہم اور سمجھ عطا کئے جانے کی دعا فرمائی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور دعا کی کہ اے اللہ! اس کو دین میں سمجھ دے اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما۔ اور ایک روایت میں ہے اے اللہ! اس کو حکمت تعلیم فرما۔ (۳۲)

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے کثرت علم کی وجہ سے بحر (سمندر) کہے جاتے تھے۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آکر اس آیت کریمہ کے متعلق سوال کیا:

> اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ

> کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان وزمین (پہلے) ملے ہوئے تھے پھر ہم نے (اپنی قدرت سے) دونوں کو جدا کر دیا۔ (۳۳)

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ابن عباس کے پاس جا کر پوچھو، پھر واپس آکر مجھے بتاؤ، اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جا کر سوال کیا انہوں نے جواب دیا کہ آسمان جُڑے ہوئے تھے بارش نہیں ہوتی تھی زمین جڑی ہوئی تھی نباتات نہیں اگتے تھے، اللہ تعالیٰ

(۳۱) بخاری [illegible] (۳۲) بخاری، ج [illegible] (۳۳) [illegible]

نے آسمانوں کو بارش کے ساتھ اور زمین کو روئیدگی کے ساتھ کشادہ کیا، سائل نے واپس آکر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جواب سنایا، انہوں نے کہا کہ میں کہتا تھا مجھے ابن عباس کی تفسیر قرآن پر جرأت پر تعجب ہوتا ہے، اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کو اللہ کی طرف سے علم عطا فرمایا گیا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز صحابہ کرام سے دریافت کیا یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے:

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی ایسا باغ ہو جس میں نہریں بہتی ہوں۔ (۳۴)

انہوں نے جواب دیا کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے، حضرت عمر نے جھنجھلا کر کہا کہ صاف کہو ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے، حضرت ابن عباس نے کہا کہ میرے دل میں اس کی بابت کچھ ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ بھتیجے تم کہو اور اپنے نفس کو حقیر نہ جانو، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس میں عمل کی مثال دی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کس عمل کی؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما بولے کہ یہ ایک متمول شخص کی مثال ہے جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے پھر شیطان کے تسلط اور ورغلانے سے گناہوں میں مبتلا ہو کر اپنے نیک اعمال کو گناہوں میں ڈبو دیتا ہے۔ (۳۵)

اس طرح کی کثیر مثالیں ہیں جو نوعمری کے باوجود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی علمی رسائی، ان کے فہم ثاقب پر دلالت کرتی ہیں، آپ جلیل القدر شیوخ صحابہ کے ہم نشین تھے اور صحابہ کرام ہی کی شہادت کے مطابق حبر الامت تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شیوخ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جن شیوخ کے علوم سے استفادہ کیا، اپنی علمی پیاس بجھائی اور ان کے علوم وفنون پر جن کی گہری چھاپ اور اثر تھا وہ حضرت عمر بن الخطاب، ابی بن کعب، علی بن ابی طالب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم ہیں، یہ

پانچوں حضرات آپ کے ایسے اہم شیوخ ہیں جن سے آپ نے اکثر علم اور تربیت حاصل کی، اور ابن عباس کی علمی گہرائی اور گیرائی میں ان حضرات کی رہنمائی اور ذہن سازی نمایاں اثر رکھتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تلامذہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تابعین کی بڑی تعداد نے علم حاصل کیا، ان سے علم تفسیر حاصل کرنے والے مشہور تلامذہ حسب ذیل ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر، مجاہد بن جبر الخزرمی، طاوس بن کیسان الیمانی، عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہم۔ یہ حضرات تفسیر میں مدرسۂ ابن عباس کے وہ عظیم شاگرد ہیں جن کے توسط سے ہم تک ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تفسیری علم منتقل ہوا ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

علم تفسیر میں مشہور اور عظیم المرتبت صحابہ میں سے جنہوں نے ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور اقوال پہنچائے ہیں ایک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کا شمار سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں ہوتا ہے، قبولِ اسلام میں آپ چھٹے شخص تھے، روئے زمین پر ان چھ حضرات کے علاوہ کوئی مسلمان نہ تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہے، آپ کو جوتیاں پہناتے تھے، آپ کے ہمراہ آپ کے آگے آگے (بطور خادم) چلتے تھے، نبی ﷺ سے اس قریبی تعلق کی وجہ سے آپ نہایت مؤدب، شائستہ اور مہذب انسان تھے، اسی لیے آپ کا شمار کتاب اللہ کے سب سے زیادہ عالم، محکم و متشابہ کے عارف اور حلال و حرام سے واقف ترین صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔

علامہ سیوطی نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے زیادہ تفسیری روایات منقول ہیں، بخاری اور مسلم نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کتاب اللہ کی کوئی سورت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے یہ علم نہ ہو کہ یہ کہاں نازل ہوئی، اور کتاب اللہ میں ایسی کوئی آیت نہیں مگر میں اس کے متعلق جانتا ہوں کہ یہ آیت کس بارہ میں نازل ہوئی، اگر مجھے علم ہوتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم ہے وہاں تک اونٹ پہنچ سکتا تو میں سوار ہو کر اس کے پاس ضرور جاتا۔ تابعین کی کثیر تعداد نے آپ سے روایت کی ہے۔

فصل ششم

تابعین مفسرین

تابعین میں بڑی تعداد میں مفسرین گزرے ہیں، ان کی تعداد مفسرین صحابہ سے بہت زیادہ ہے، صحابہ کرام میں مفسرین صرف دس حضرات ہیں، جیسا کہ علامہ سیوطی نے الاتقان میں اس کی تصریح کی ہے، ان کے اسما اور مشہور حضرات کا مختصر تذکرہ گزر چکا ہے۔

تابعین میں بکثرت مفسرین نے بڑی شہرت پائی ہے اور ان میں ایسے باکمال نابغۂ روزگار حضرات گزرے ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کی تفسیر میں اہم کام کیا ہے، اور بعد میں آنے والے مفسرین نے ان کی آراسے اپنی تفاسیر کو آراستہ کیا ہے، تابعین مفسرین کے تین طبقات ہیں:

۱۔طبقۂ اہل مکہ ۲۔طبقۂ اہل مدینہ ۳۔طبقۂ اہل عراق

طبقۂ مفسرین اہل مکہ

اہل مکہ تابعین مفسرین نے شیخ المفسرین، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے علوم حاصل کئے، علامہ سیوطی نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگوں میں تفسیر کے سب سے زیادہ جاننے والے اہل مکہ ہیں، کیونکہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھی (شاگرد) ہیں۔ان مفسرین میں بکثرت حضرات نے شہرت وناموری حاصل کی ہے اور ان میں بڑے صاحب کمال لوگ ہوئے ہیں، ان کے سرخیل مجاہد، عطاء، عکرمہ، طاؤس اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم ہیں۔آئندہ سطور میں ہم ان علماء اعلام کے مختصر حالات پیش کررہے ہیں۔

حضرت مجاهد بن جبیر رضی الله عنه

نام مجاہد بن جبیر رضی اللہ عنہ، کنیت ابوالحجاج، مکی، ولادت ۲۱ھ، وفات ۱۰۳ھ۔مشہور

مفسر قرآن ہیں، بقول علامہ ذھبی بلا اختلاف شیخ القراء اور شیخ المفسرین ہیں، تفسیری علوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حاصل کیے۔(۱)

آپ حضرت ابن عباس کے مخصوص ترین طلبہ میں سے تھے، مفسرین نے ان کی مرویات پر سب سے زیادہ اعتماد کیا ہے، امام بخاری اور دیگر کثیر مفسرین آپ کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں اور انہیں اپنی کتب میں نقل کرتے ہیں، کوفہ میں اقامت پذیر ہوئے، جب بھی کسی حیرت انگیز نادر چیز کے بارے میں سنتے اس کو دیکھنے کے لیے جاتے۔

مجاہد نے کتاب اللہ کی تفسیر اپنے جلیل القدر شیخ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حاصل کی، اور فہم و تدبر کی خاطر قرآن کریم کی ہر آیت ان کے سامنے پڑھی اور ان کے مفاہیم سے آگاہی حاصل کی، ہر آیت کی قراءت کے بعد ٹھہرتے اس کے معنیٰ اور اس کے تفسیری اسرار دریافت کرتے تھے۔ چنانچہ فضیل بن میمون مجاہد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے تین بار ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے قرآن پڑھا میں ہر آیت پر رک کر ان سے دریافت کرتا تھا کہ یہ آیت کس کے بارے میں اور کیسے نازل ہوئی؟

مجاہد رضی اللہ عنہ نے اپنے جلیل القدر استاذ سے قرآنی آیات کی تفسیر اور اس کے اسرار اور دقائق کی معرفت کے حصول اور ان کی حکمتوں اور احکام کی تفہیم کے لیے بڑی کدو کاوش کی۔ اسی لیے امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب تمہارے پاس مجاہد کی تفسیری روایت آجائے تو تمہارے لئے اتنا کافی ہے، یعنی امام مجاہد سے مروی تفسیر تمہیں دوسروں کی تفاسیر سے بے نیاز کر دے گی۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ

عطاء بن ابی رباح ولادت ۲۷ھ۔ وفات ۱۱۴ھ، مکہ مکرمہ میں نشو ونما پائی۔ اہل مکہ کے مفتی اور محدث تھے۔ جلیل القدر فقیہ تابعی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے میں نہایت ثقہ اور قابل اعتماد راوی ہیں۔(۲) امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے عطاء بن ابی رباح سے افضل شخص نہیں ملا۔

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تابعین میں سے بڑے عالم چار ہیں، ان میں سے مناسک

(۱) الاعلام زرکلی ج ۶ ص ۱۶۱　(۲) الاعلام زرکلی ج ۵ ص ۲۹

کے سب سے بڑے عالم عطاء بن ابی رباح اور تفسیر کے سب سے بڑے عالم سعید بن جبیر ہیں۔

حضرت عطاء ستاسی برس عمر پاکر مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے اور اسی بابرکت شہر میں مدفون ہیں۔

حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت عکرمہ، ولادت ۲۵ھ، وفات ۱۰۵ھ، امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کے متعلق فرمایا کہ روئے زمین پر عکرمہ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم نہیں ہے۔

آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قرآن اور سنت کا علم حاصل کیا، عکرمہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مصحف کی جلد کے دونوں پٹھوں کے درمیان کی تفسیر کی ہے (پورے قرآن کریم کی تفسیر بیان کی ہے) میں قرآن کی تفسیر کے متعلق جو کچھ کہتا ہوں وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے کہتا ہوں۔

الاعلام میں آپ کے بارے میں تحریر ہے کہ ابوعبداللہ عکرمہ بن عبداللہ البربری المدنی مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما تابعی، تفسیر اور مغازی کے سب سے بڑے عالم ہیں، متعدد شہروں کی سیاحت کی، تین سو کے قریب لوگوں نے آپ سے روایت کی جن میں ستر سے زائد تابعی ہیں، بلاد مغرب (افریقی ممالک) میں گئے وہاں کے علماء سے علم حاصل کیا پھر مدینہ منورہ میں آگئے، امیر مدینہ نے اپنے ہاں بلوایا تو چھپ گئے یہاں تک کہ آپ فوت ہوئے۔ مدینہ منورہ میں آپ اور مشہور شاعر کثیر عزہ نے ایک ہی دن میں وفات پائی تو لوگوں نے کہا کہ آج سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے شاعر کی وفات ہوئی ہے۔(۳)

حضرت طاؤس بن کیسان الیمانی رضی اللہ عنہ

طاؤس بن کیسان ولادت ۳۳ھ، وفات ۱۰۶ھ۔ مشہور مفسر قرآن، حفظ و کمال، فہم و ذکاء، پرہیزگاری، زہد اور تقویٰ کا نشان تھے، تقریباً پچاس صحابہ کی زیارت کی، لوگوں نے بڑی تعداد میں آپ سے علم حاصل کیا، عابد و زاہد تھے، چالیس مرتبہ بیت اللہ شریف کا حج کیا، مستجاب

(۳) [illegible]

الدعاء تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں طاؤس کو اہل جنت میں سے سمجھتا ہوں

الاعلام میں آپ کے بارے میں مذکور ہے کہ ابوعبد الرحمٰن طاؤس بن کیسان الخولانی الھمدانی، عظیم المرتبت تابعی، تفقہ فی الدین، روایت حدیث، زاہدانہ زندگی اور خلفاء اور بادشاہوں کو بے دھڑک وعظ ونصیحت کرنے میں اعلیٰ مقام کے حامل تھے، ایرانی الاصل تھے، لیکن آپ کی ولادت اور نشو ونما یمن میں ہوئی، دوران حج مزدلفہ میں وفات پائی، اس سال ہشام بن عبدالملک (اموی خلیفہ) بھی حج کرنے آیا ہوا تھا، ہشام نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ امراء اور بادشاہوں کے قرب سے گریزاں رہتے تھے۔ ابن عیینہ کا قول ہے کہ حکمرانوں سے بچنے والے تین حضرات ہیں۔ حضرت ابوذر، طاؤس اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہم۔ (۴)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ

سعید بن جبیر۔ ولادت ۴۵ھ، وفات ۹۴ھ، علم اور تقویٰ میں اعلیٰ مقام کے حامل عظیم القدر تابعی اور کتاب اللہ کے مشہور مفسر، علم وعمل کے کوہ گراں اور روشن نشان، اہل علم نے ان کا علم ایک سے دوسرے تک منتقل کیا اور دور دراز کے رہنے والوں نے ان سے علمی استفادہ کیا۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ چار افراد سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ اور ضحاک سے تفسیر حاصل کرو۔

قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ سعید بن جبیر تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (۵)

حفظ میں کمال کے حامل تھے، جو کچھ سنتے ذہن نشین کر لیتے، خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے کمال حفظ کے قائل تھے یہاں تک کہ انہوں نے سعید سے فرمایا کہ خیال رکھنا تم مجھ سے کس طرح نقل کرتے ہو کیونکہ تم نے مجھ سے بہت سی احادیث حفظ کر لی ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نابینا ہونے کے بعد جب اہل کوفہ میں سے کوئی شخص ان سے مسئلہ دریافت کرتا تو آپ فرماتے کہ تم مجھ سے مسئلہ پوچھتے ہو حالانکہ تمہارے ہاں ابن ام دھماء یعنی سعید بن جبیر موجود ہیں۔

آپ کے زہد وعبادت کا یہ حال تھا کہ دو راتوں میں قرآن کریم ختم کرتے تھے، ایک

مرتبہ حرم کعبہ میں پورا قرآن ایک رکعت میں ختم کیا۔

الاعلام میں آپ کے تذکرے میں ہے کہ ''ابوعبداللہ سعید بن جبیر الاسدی الکوفی علی الاطلاق عالم ترین تابعی، اور حبشی الاصل تھے، حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا، عبدالملک بن مروان کے خلاف عبدالرحمٰن بن اشعث نے خروج کیا تو سعید بن جبیر نے عبدالرحمٰن کا ساتھ دیا، جب عبدالرحمٰن کو قتل کر دیا گیا تو حضرت سعید مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے۔ وہاں کے والی خالد القسری نے آپ کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا اور حجاج نے آپ کو قتل کر دیا، حجاج آپ کو سعید بن جبیر کے بجائے شقی بن کسیر کہتا تھا۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ حجاج نے سعید کو قتل کر دیا حالانکہ روئے زمین کا ہر شخص ان کے علم کا محتاج ہے۔

مروی ہے جب حجاج نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تو جلاد کو حکم دیا کہ آپ کو لے جائے اور آپ کی گردن اڑا دے، حضرت سعید نے جلاد سے کہا کہ مجھے دو رکعت ادا کرنے کی مہلت دو، حجاج نے جلاد سے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ کہا نماز پڑھنا چاہتا ہے، حجاج نے کہا اس کا منہ نصاریٰ کے قبلہ یعنی مشرق کی طرف کر دو (اسے کہو اگر نماز پڑھنی ہے تو مشرق کی طرف رخ کر کے پڑھو) اور حجاج نے حکم دیا غیر قبلہ کی طرف اس کے رخ کی حالت میں اس کو قتل کرو، لوگوں نے آپ کا چہرہ قبلے سے دوسری سمت پھیر دیا، اس وقت حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی:

فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ

سو جس طرف تم منہ کرو تو اللہ کا رخ بھی ادھر ہی ہے۔(۶)

اسی حالت میں آپ کا سر قلم کر دیا گیا اور آپ کی زبان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کر رہی تھی۔ آپ کی پاکیزہ روح حجاج کے ظلم پر شکوہ کناں بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہو گئی، آپ نے اپنے دین اور عقیدے پر اپنی جان قربان کر دی اور اللہ کی رحمت اور اس کی جنت میں جاگزیں ہو گئے۔(۷)

(۶) البقرۃ: ۱۱۵ (۷) [illegible]

طبقہ مفسرین اہل مدینہ

اہل مدینہ میں سے متعدد تابعی مفسر قرآن کی حیثیت سے مشہور ہیں، ان کے سرخیل محمد بن کعب القرظی، ابوالعالیہ الریاحی اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

ان صفحات میں ہم ان مشہور مفسر تابعین کا ذکر کریں گے، صحابہ کرام سے علم فقہ، حدیث یا تفسیر نقل کرنے میں ان حضرات نے عظیم کردار ادا کیا ہے۔ اگرچہ ان حضرات کے علاوہ دیگر مدنی تابعین بھی علم تفسیر میں شہرت کی بلندیوں تک پہنچے ہیں تاہم ان کی شہرت اور اثر سب سے زیادہ اور نمایاں رہا۔

حضرت محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ

علامہ عسقلانی تہذیب التہذیب میں محمد بن کعب رضی اللہ عنہ کے تذکرے میں رقم طراز ہیں:

> ابوحمزہ محمد بن کعب القرظی المدنی حلیف اوس، پہلے کوفہ میں اور بعد ازاں مدینہ میں سکونت اختیار کی، آپ نے صحابہ کرام کی کثیر تعداد اور خصوصاً حضرت علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ آپ ثقہ عالم، کثیر الحدیث اور صالح متقی انسان تھے۔ عون بن عبداللہ نے کہا کہ میں نے کسی کو ان سے بڑھ کر تفسیر قرآن کا عالم نہیں دیکھا۔ امام بخاری نے ان کے قرظی ہونے کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ کے والد ان لوگوں میں شامل تھے جو بنوقریظہ کے غداروں کے قتل کے روز نابالغ تھے، اس لیے ان کو چھوڑ دیا گیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لڑائی کے قابل لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، بچوں، لڑکوں اور عورتوں کو چھوڑ دیا گیا۔

آپ مدینہ طیبہ کے فاضل علماء وفقہاء کے سردار تھے۔ صرف مسجد میں حدیث بیان کرتے تھے، آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر چھت گر پڑی جس کے انہدام سے آپ کا انتقال ہوگیا۔ یہ ۱۱۷ھ کا واقعہ ہے، رضی اللہ عنہ۔ (۸)

(۸) تہذیب التہذیب/ ج ۵ ص ۴۲۱۔

حضرت ابو العالیه الریاحی رضی الله عنه

ان کا نام رفیع بن مہران اور کنیت ابوالعالیہ تھی، وہ بنو ریاح کی ایک خاتون کے آزاد کردہ غلام تھے، بصری ثقہ تابعی ہیں، فقہ اور تفسیر میں بڑی شہرت کے مالک ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ سے قرآن کریم پڑھا، حضرت عمر، ابن مسعود، علی اور عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث کی سماعت کی۔

ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دس سال کی عمر میں قرآن کریم پڑھا ہے۔ ابتدائے عمر ہی سے علم کی تلاش میں مگن رہے یہاں تک اپنے ہم عصروں سے سبقت لے گئے، تفسیر قرآن میں آپ خصوصی مہارت کے حامل تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کو اپنے پاس پلنگ پر بٹھاتے جب کہ قریش کے لوگ نیچے بیٹھے ہوتے اور فرماتے کہ علم اسی طرح باعزت کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور غلاموں کو تخت پر بٹھاتا ہے۔ تقریباً اسی سال کی عمر میں ۹۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن اسلم رضی الله عنه

ابواسامہ زید بن اسلم العدوی العمری، فقیہ ومحدثِ اہل مدینہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دورِ خلافت میں ان کے ساتھ تھے، ولید بن یزید نے فقہاء مدینہ کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کو کسی مسئلے کے باعث دمشق میں بلایا تھا، ثقہ اور کثیر الحدیث تھے، مسجد نبوی میں ان کا الگ حلقۂ درس تھا، تفسیر میں آپ کی کتاب ہے جس کو آپ کے صاحبزادے عبدالرحمن نے روایت کیا ہے۔ آپ رعب دار شخص تھے، ابن عجلان کہتے ہیں ''میں کبھی کسی سے اتنا مرعوب نہیں ہوا جتنا زید بن اسلم سے مرعوب ہوا''

ایک مرتبہ آپ نے بلا سند حدیث بیان کی تو ایک صاحب نے سوال کیا کہ ابواسامہ! یہ حدیث کس سے مروی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اے بھتیجے! ہم بے وقوفوں کی مجالس میں نہیں رہتے تھے۔

مسجد نبوی شریف میں آپ کا حلقۂ درس بڑا ہوتا تھا، حضرت علی بن حسین (امام زین

العابدین) رضی اللہ عنہ آپ کی مجلس میں آتے اور احادیث کی سماعت کرتے تھے۔ اپنی قوم کی مجلس میں نہ جاتے، ان سے اس بارے میں کہا گیا کہ آپ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے غلام کی خاطر اپنی قوم کے حلقے کو چھوڑ دیتے ہیں؟ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ آدمی اسی کی مجلس میں بیٹھتا ہے جس کی ہم نشینی اس کے دین میں نفع بخش ہو۔

۱۳۶ھ میں مدینہ طیبہ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۹)

طبقہ مفسرینِ اہل عراق

اس طبقہ کے مشہور مفسرین میں سرفہرست حضرت حسن بصری، مسروق بن الاجدع، قتادہ ابن دعامہ، عطاء بن ابی مسلم الخراسانی اور مرۃ الھمدانی رحمہم اللہ ہیں۔

رب لم یزل کی بارگاہ سے توفیق واعانت کی درخواست کرتے ہوئے اب ہم ان جلیل القدر مفسرین کا مختصر تذکرہ کرر ہے ہیں:

حضرت حسن بصری رضی الله عنه

امام اہل بصرہ اپنے دور کے حبر الامت، ابوسعید حسن بن یسار بصری رضی اللہ عنہ، عظیم عالم، فصیح، بہادر اور عبادت گزار شخصیت، مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیر سایہ پرورش پائی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں خراسان کے والی ربیع بن زیاد نے ان کو اپنا کاتب مقرر کیا تو آپ نے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی، لوگوں کے دلوں میں ان کی ہیبت اور رعب تھا، حکمرانوں کے پاس جاتے اور ان کو سمجھانے اور حق بات کہنے میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے، آپ نے ایک سوبیس صحابہ کرام کی زیارت کی۔ اہل بصرہ کے فصیح تر، فقیہ تر اور عظیم عبادت گزار انسان تھے۔

امام غزالی نے فرمایا کہ تمام لوگوں میں حسن بصری کا کلام انبیاء کرام کے مشابہ اور صحابہ کرام کی سیرت کے قریب تر تھا، نہایت فصیح انسان تھے آپ منہ سے حکمت کے موتی لٹاتے تھے۔

ایوب کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں دیکھا، آپ کا کلام پراز

(۹) تذکرۃ الحفاظ / ذھبی / ج:۱ص ۶۲۔

حکمت ہوتا تھا جب وعظ کرتے حاضرین زار و قطار روتے، ایسا محسوس ہوتا کہ آپ دار آخرت کا معائنہ کر کے آئے ہیں، آپ کا وعظ بہت مشہور تھا، نرم دل اور فصیح اللسان تھے، احادیث نبویہ بیان کرتے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے تو حجاج کی گرفت کے خوف سے آپ کا نام نہ لیتے، یونس بن عبید کہتے ہیں میں نے حضرت حسن بصری سے پوچھا کہ ابو سعید! آپ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرتے ہیں حالانکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا؟ آپ نے جواب دیا کہ بھتیجے! تم نے مجھ سے ایسی چیز کے متعلق سوال کیا ہے جس چیز کا تم سے پہلے کسی نے سوال نہیں کیا، اگر میرے ہاں تیرا مقام نہ ہوتا تو میں یہ بات نہ بتاتا، تمہیں معلوم ہے میں کس کی حکمرانی میں ہوں (حجاج یہاں کا گورنر ہے) جس حدیث کو میں براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کردوں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہوتی ہے، لیکن میں حالات کی نزاکت کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لے سکتا۔ (۱۰)

جب حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ منتخب ہوئے، تو انہوں نے آپ کو لکھا کہ میں اس ذمے داری میں مبتلا ہوگیا ہوں، مجھے کچھ مددگار عطاء کریں جو اس معاملے میں میری معاونت کریں، حسن بصری رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ دنیا دار آپ کو مطلوب نہیں، رہے آخرت کے طلب گار وہ آپ کے ہاں نہیں آنا چاہتے، اس معاملے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔ (۱۱) ۱۱۰ھ میں بصرہ میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حضرت مسروق بن الاجدع رضی اللہ عنہ

ابو عائشہ مسروق بن الاجدع الہمدانی کوفی عابد و فقیہ، ثقہ تابعی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے توسط سے ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش سیرت نقل کرتے ہیں۔ مشہور مفسر اور محدث ہیں۔ آپ کے والد یمن کے سب سے بڑے شہسوار تھے حضرت عمر بن معدیکرب رضی اللہ عنہ آپ کے ماموں تھے۔ قاضی مقرر کیے گئے، وظیفہ نہیں لیتے تھے، قناعت پسند، زاہد، راضی بہ تقسیم رب تھے، صاحبِ عیال تھے ایک دن ان کی بیوی نے آکر کہا کہ اے ابو عائشہ! آج آپ کے اہل خانہ کے پاس اشیائے خوردنی میں سے کچھ نہیں ہے، مسکرا دیئے اور کہا کہ بخدا اللہ

(۱۰) تہذیب التہذیب ج۲ ص۲۶۹ [illegible] (۱۱) [illegible] ج۲ ص۲۶۲

تعالیٰ ان کو ضرور رزق عطا فرمائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں وسعت عطا فرمادی۔

مروی ہے ان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا نام پوچھا، انہوں نے کہا کہ مسروق بن الاجدع، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اجدع شیطان ہے، تم مسروق بن عبدالرحمٰن ہو، اس کے بعد آپ اپنا نام مسروق بن عبدالرحمٰن بتاتے تھے۔

امام بخاری کے شیخ علی بن المدینی نے کہا کہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے کسی کو مسروق سے مقدم نہیں سمجھتا، مسروق نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی ہے۔

اپنے تین بھائیوں کے ساتھ جنگ قادسیہ میں شریک ہوئے، تینوں بھائی درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور مسروق زخمی ہوئے ان کا ہاتھ ناکارہ ہوگیا۔ وعظ و نصیحت میں انوکھے طریقے اپناتے تھے، ایک مرتبہ کوفہ میں اپنے بعض تلامذہ کے ساتھ کوڑا خانہ پر چڑھے اور کہا کہ کیا میں تم کو دنیا نہ دکھاؤں؟ یہ دنیا ہے، لوگوں نے جو کھایا وہ ختم ہوا جو پہنا وہ پرانا ہوا، وہ اس کی پیٹھ پر سوار ہوئے اور آہستہ آہستہ اگلی منزل کی طرف چل دیئے، اس میں انہوں نے ناحق خون بہائے، اللہ کی حرام کردہ اشیا کو حلال قرار دیا اور قطع رحمی کے مرتکب ہوئے۔ (۱۲)

ایک دن آپ سے کسی شعر کے مصرعے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ میرے نامۂ اعمال میں شعر ہو۔

حضرت قتادہ بن دعامہ رضی اللہ عنہ

ابوالخطاب قتادہ بن دعامہ السدوسی البصری، ولادت ۶۱ھ۔ وفات ۱۱۷ھ ولادت اور وفات دونوں بصرہ میں ہوئیں، بوقت وفات عمر ۵۵ سال تھی۔ حضرت انس بن مالک، سعید بن المسیب اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت سے حدیث روایت کی، قوی الحفظ اور نہایت ذہین تھے، ان سے یہ قول مروی ہے کہ میں نے کسی محدث سے کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ حدیث مجھے دوبارہ سنائیں، میرے کانوں نے جو کچھ سنا میرے دل نے اس کو محفوظ کرلیا۔

مروی ہے حضرت قتادہ حضرت سعید بن المسیب کے پاس کئی روز جاتے رہے اور ان

(۱۲) تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۸۲

سے سوالات کرتے رہے جب وہ بکثرت سوال کر چکے تو حضرت سعید بن المسیب نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے مجھ سے جتنے سوالات کئے وہ آپ کو یاد ہیں؟ کہا ہاں، سعید بن المسیب نے تعجب کا اظہار کیا، تو قتادہ نے ان سے کہا کہ میں نے آپ سے فلاں سوال کیا تو آپ نے اس کے متعلق یہ فرمایا، فلاں سوال کے جواب میں آپ نے یہ فرمایا، یہاں تک کہ تمام سوالات اور ان کے جوابات بیان کر دیئے، جناب سعید بن المسیب نے فرمایا میں نہیں سمجھتا اللہ تعالیٰ نے تم جیسا کوئی اور پیدا فرمایا ہے، ایک مرتبہ حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا کہ میرے پاس اہل عراق میں سے قتادہ سے زیادہ ذہین شخص نہیں آیا میں نے ایک مرتبہ اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفہ پڑھا تو اس نے حفظ کر لیا (۱۳)

حضرت قتادہ پیدائشی نابینا تھے لیکن حفظ ذکاوت اور ذہانت میں بے مثال تھے، امام احمد بن حنبل ان کے علم وفقہ کے مداح تھے اور ان کی بہت تعریف وتوصیف کرتے تھے۔ قتادہ تفسیر و فقہ کے امام تھے، ان میں یہ کمزوری تھی کہ ہر شخص سے روایت کرتے تھے، اور یہ ان کا عیب تھا اسی لیے شعبی نے ان کو حاطب لیل (یعنی ہر قسم کا رطب ویابس کلام کرنے والا) کہا ہے۔

پچپن برس کی عمر میں بصرہ میں فوت ہوئے، اہل بصرہ نے ان کی موت پر گریہ و زاری کی۔

حضرت عطاء الخراسانی رضی اللہ عنہ

ابو عثمان عطاء بن ابی مسلم الخراسانی، بقول حافظ اصبہانی ولادت ۵۰ھ، وفات ۱۳۵ھ، ثقہ، صدوق، عابد، زاہد، شب بیدار تابعی تھے۔

عبدالرحمٰن بن یزید سے مروی ہے کہ عطاء رات بھر نماز میں مصروف رہتے، جب ایک تہائی یا آدھی رات گزرتی ہمیں آواز دیتے اے فلاں! اے فلاں! اٹھو، وضو کرو اور نماز پڑھو کہ رات کا قیام اور دن کا روزہ دوزخیوں کی پیپ پینے سے آسان تر ہے۔ (۱۴)

علم کی نشر واشاعت سے محبت کرتے تھے جب کوئی طالب علم نہ ہوتا مساکین کے پاس جا کر ان کو حدیث سناتے تھے تا کہ علم کو چھپانے والی وعید سے محفوظ رہیں۔ آپ حدیث، فقہ، تفسیر

(۱۳) تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۱ (۱۴) تہذیب الکمال للمزی ج ۱۳ ص ۲۶۹۔

اور زہد وورع میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حضرت مرة الهمذانی رضی الله عنه

ابو اسماعیل مرہ بن شراحیل الہمذانی ثقہ تابعی المعروف مرۃ الطیب اور مرۃ الخیر، صحابہ کرام کی بڑی تعداد سے ملاقات کی، عبادت گزار، متقی، زاہد وصالح انسان تھے۔ العجلی نے کہا ہے:

> آپ شب و روز میں پانچ سو رکعات ادا کرتے تھے، ۷۶ھ میں فوت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت واسعہ سے نوازے اور جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے۔ (۱۵)

یہ وہ باکمال تابعین مفسرین ہیں جنہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اکتساب علم کیا اور ان کے معارف سے اقتباس فیض کیا ہے۔ ان حضرات سے تبع تابعین نے اور بعد میں آنے والے علماء عاملین نے علوم و معارف حاصل کیے اس طرح نسل در نسل اللہ کے دین، اس کی کتاب، اس کی شریعت اور اس کے علوم اور معارف کی مکمل منتقلی عمل میں آتی رہی، ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ اس ذمہ داری کو نبھاتا رہا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝
>
> بے شک ہم ہی نے ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (۱۶)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق صدق و حقیقت پر مبنی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

> اس علم کو بعد میں آنے والے لوگوں میں سے ایسے عادل لوگ حاصل کریں گے، جو اس سے غالیوں کی تحریف کو مٹائیں گے۔ باطل پرستوں کے علمی سرقے کو دور کریں گے، اور اسے جاہلوں کی تاویل سے محفوظ رکھیں گے۔ (۱۷)

---

(۱۵) تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۸۸۔ (۱۶) الحجر: ۹ (۱۷) الحدیث

بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب کی حفاظت فرمائی، جلیل القدر علماء ذی احترام، ثقہ اور فاضل ترین اشخاص نے اس کتاب کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا، انہوں نے علم اور دین کی خدمت کی بنیادیں فراہم کیں اور اپنی پوری سعی وکوشش سے اس کارخیر کو جاری وساری رکھا، **فجزاهم الله عن الاسلام و المسلمين خيرا۔**

تنبیہ

تابعین رضوان اللہ علیہم کی تفسیر میں بعض اسرائیلی روایات بھی داخل ہوگئی ہیں، بعض اوقات ان کے اقوال اور بے بنیاد اسرائیلی روایات کو خلط ملط کر دیا گیا ہے، اور ان کی زبانوں سے بعض غیر صحیح اور غیر ثابت روایات منقول ہیں، سو ان حضرات کے اقوال نقل کرتے وقت صحت کا خیال رکھنا ضروری ہے، اور قاری کو تفسیر ابن جریر وغیرہ جیسی بااعتماد تفاسیر سے رجوع کرنا چاہئے۔

علامہ سیوطی الاتقان میں مشہور مفسرین تابعین کا ذکر کر کے کہتے ہیں:

> یہ قدما مفسرین ہیں ان کے زیادہ تر اقوال صحابہ سے مروی ہیں۔ تابعین کے طبقہ کے بعد کی تفاسیر صحابہ اور تابعین کے تفسیری اقوال پر مشتمل ہیں۔ مثلاً سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، شعبہ بن الحجاج اور یزید بن ہارون وغیرہ کی تفاسیر۔ ان حضرات کے بعد ابن جریر الطبری ہیں۔ ان کی تفسیر سب سے عظیم اور مہتم بالشان تفسیر ہے۔ (۱۸)

(۱۸) الاتقان/ ج۲ ص ۱۹۰

فصل ہفتم

اعجاز قرآن

قرآن عظیم کی تعلیم و تدریس میں مکمل توجہ

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ کسی قوم اور امت نے اپنی آسمانی کتاب پر اتنی توجہ نہیں دی جتنی توجہ اس امت محمدیہ نے دی ہے، ہم نے نہیں سنا کہ کسی مقدس آسمانی کتاب کی حفاظت، عظمت اور تقدس کی اس قدر رعایت کی گئی ہو جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دائمی معجزے، حجت بالغہ کتاب مجید کی حفاظت اور رعایت کی گئی ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم انسانیت کے لیے دعوت اور پیغام عام ہے۔

قرآن عظیم کا اس رفیع الشان مرتبے تک پہنچنا اور اہل اسلام کے قلوب و اذہان میں اس کا یہ جلیل القدر مقام تعجب اور حیرت کی بات نہیں، کیونکہ اس مقدس کتاب کے نزول کے اسباب اور واقعات خود اسے تمام کتب سماوی میں اولین حیثیت اور سرداری پر فائز کر رہے ہیں، اس مقدس کتاب کو تمام انبیاء اور مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی لائی ہوئی ہدایت، اصلاح، تعلیم و تربیت، تشریع اور رفعت پر فوقیت دے رہے ہیں۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے:

> اللہ اکبر! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اور ان کی کتاب قوی تر اور خوب سیدھی بات ہے۔ اس کے مقابلے میں گزشتہ کتب کا ذکر نہ کرو، صبح طلوع ہوئی تو قندیلیں بجھ گئیں۔

قرآن، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی معجزہ

اللہ کی حکمتِ ازلیہ یہ رہی ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور رسل علیہم السلام کی ایسے معجزات باہرہ، دلائل واضحہ اور ناقابل تردید براہین سے مدد فرماتا ہے جو ان کی صداقت اور ان کے عزیز و

قدیر، مالک و پروردگار کے پیغمبر اور رسول ہونے پر دلالت کرتے ہیں، اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم جیسے عظیم ترین معجزے سے مختص فرمایا ہے، قرآن، نورِ ربانی، وحیِ آسمانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی کجی کے عربی قرآن کی صورت میں اپنے نبی کے قلب اطہر پر نازل فرمایا ہے۔ صبح وشام اس کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس بابرکت کتاب کے ذریعے مردہ دل قوموں کو زندگی بخشی ہے، وہ مردوں جیسے تھے، عدم میں تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قرآن کے نور سے حیاتِ نو عطا فرمائی۔ ان کو صراط مستقیم کی ہدایت بخشی، پستیوں سے نکال کر خیر الامم کے درجے پر فائز کر دیا، یقیناً اللہ تعالیٰ کا ارشاد حق اور سچ ہے کہ:

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُۥ نُورًا يَمْشِى بِهِۦ فِى النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُۥ فِى الظُّلُمَٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَٰفِرِينَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۲﴾

بھلا کیا ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو روشنی دے دی جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے، اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہوا ہے (اور) وہاں سے نکل نہیں سکتا، اسی طرح ہم نے کافروں کے اعمال ان کی نگاہوں میں مزین کر دیئے ہیں۔ (۱)

قرآن نے قوموں کو زندہ کیا، ایسا معاشرہ تشکیل دیا اور ایسی نسل اور امت تیار کی کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ عرب کے اونٹوں اور بکریوں کے چرواہے امتوں اور قوموں کے سردار بن گئے، دنیا ان کی دسترس میں آگئی اور وہ معمورۂ عالم کے حکمران قرار پائے۔ یہ سب قرآن کریم کی برکت تھی، ختم الانبیاء والمرسلین کے دائمی معجزے کا فضل تھا۔ امیر الشعراء نے کیا خوب کہا ہے:

آپ کے بھائی عیسیٰ علیہ السلام نے مردے کو آواز دی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور آپ نے قوموں کو عدم سے وجود دیا ہے۔

انبیائے سابقین کے معجزات اپنے دورِ بعثت کے حالات کے اعتبار سے حسّی تھے،

---

(۱) الانعام: ۱۲۲

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصا کا معجزہ عطا ہوا کہ وہ جادوگری کے عروج کا دور تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب اور حکمت کا دور دورہ تھا، مشہور زمانہ اطبا داد و تحسین سمیٹ رہے تھے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کے زندہ کرنے، مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفایاب فرمانے اور بعض مغیبات کے بارے میں باخبر کردینے جیسے معجزات لے کر تشریف لائے۔ اپنے ان معجزات سے آپ نے لوگوں کو عاجز اور حیرت زدہ کردیا۔ مریض شفا پانے لگے، اندھے، گونگے اور بہرے دیکھنے بولنے اور سننے لگے۔

میں کہتا ہوں گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات مادی اور حسی تھے اور حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ روحی عقلی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دائمی باقی رہنے والے عقلی معجزے سے خاص فرمالیا، تاکہ صاحبِ دل اور اربابِ بصیرت اسے دیکھیں، اس کی ضیا سے روشنی حاصل کریں اور حال و مستقبل میں اس کی ہدایت سے نفع اندوز ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> اللہ تعالیٰ نے ہر نبی (علیہ السلام) کو ایسا معجزہ عطا فرمایا جس کو دیکھ کر بشر ایمان لائے، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بطور معجزہ وحی عطا فرمائی، مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار (امتی) سب سے زیادہ ہوں گے۔ (۲)

جی ہاں۔ یہ آسمانی وحی اللہ تعالیٰ نے اپنے امین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل فرمائی تاکہ قرآن مینارۂ نور اور رحمۃ للعالمین ہو، قرآن اسلام کا دائمی معجزہ اور باقی رہنے والی حجت و دلیل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا گواہ، عظمت اسلام کا منہ بولتا ثبوت اور دین اسلام کے دوام واستمرار کا شاہد عدل ہے۔ حسّی معجزات چلے گئے، شب و روز کی گردش نے ان کے نشانات مٹادیئے، وہ انبیا کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد اپنا وجود کھو بیٹھے، ان کی یاد محو ہوگئی تاآنکہ قرآن کریم نے ان معجزات کے بارے میں بیان کیا، سو ہر حال اور ہر صورت میں اول و آخر قرآن کریم ہی کو فضیلت و عظمت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ بہترین شعر نگاری پر شاعر کو اجر سے نوازے، اس نے کیا خوب کہا ہے:

---

(۲) بخاری

انبیائے کرام معجزات لے کر آئے جو ان کے ساتھ چلے گئے اور آپ
ہمارے پاس نہ جانے والی کتاب لائے۔ جس کی آیات ہر گزرتے دن
کے ساتھ نئی ہیں، جو قدامت اور جدت کے حسن سے مزین ہیں۔

آیات سے مراد معجزات ہیں، آیات آیت کی جمع ہے اور معجزے کے معنیٰ میں ہے۔

علامہ زرقانی کہتے ہیں کہ یہاں ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ قرآن کریم کثیر معجزات پر مشتمل ہے، قرآن دائمی معجزہ ہے لیل ونہار کی گردش اس کو نہیں لے جاسکتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس کی موت کا باعث نہیں ہوئی بلکہ دنیا کی زبانوں اور ان کے لبوں پر برقرار ہے، وہ ہر جھٹلانے والے سے جھگڑتا اور ہر منکر کو چیلنج دیتا ہے، بنی نوع انسان کے تمام افراد کو اسلام کی ہدایت دیتا اور انسانیت کی سعادت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اس سے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے مابین واضح فرق ظاہر ہوجاتا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف قرآن کی آیات کی صورت میں لاکھوں معجزات موجود ہیں، جو دائمی ہیں آج بھی ہیں اور تا قیامت باقی رہیں گے۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات محدود بھی تھے معدود بھی، ان کے واصل بحق ہونے کے ساتھ ختم ہوگئے، ان کے تشریف لے جانے کے بعد باقی نہ رہے، اب اگر کوئی ان کا متلاشی ہو تو ان کی خبر اور ان معجزات کی گواہی صرف اسی قرآن سے ملے گی، یہ ایسی نعمت ہے جس کا قرآن تمام کتب اور رسل پر اور تمام سچے ادیان پر احسان لگاتے ہوئے فرماتا ہے: (۳)

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ

اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ پر بھی سچی کتاب نازل کی ہے جو تمام
سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ہے۔ سو آپ ان کے
باہمی معاملات میں ان احکام کے مطابق فیصلے کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے نازل

کیے ہیں اور آپ کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جو حق بات پہنچی ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات پر نہ چلیے۔ (۴)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝

جو کچھ رسول پر اس کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر رسول اور مومنین یقین رکھتے ہیں ہر ایک اللہ، اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آیا۔ ہم ان میں سے کسی ایک رسول میں فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا۔ اے ہمارے پروردگار ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں اور تیرے ہی پاس لوٹ کر جانا ہے۔ (۵)

یہی وجہ ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ حسی نہیں کہ حسیات پر دستک دے اور نفوس پر غلبہ پالے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا جیسا نہیں کہ بدل کر سانپ بن جائے، یا آگ نہیں کہ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے جس طرح حضرت خلیل علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی تھی۔ یا اونٹنی ہو جو چٹان سے بلبلاتی ہوئی نکلے جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی تھی، یا مریض شفایاب ہوں، یا نابینا بینا ہوں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا، بلکہ یہ دائمی عقلی معجزہ ہے کہ قرآن اللہ کا آخری پیغام ہے یہ دائمی ہے انسان کی بقا تک اس کو باقی رہنا ہے۔

شیخ محمد البنا کہتے ہیں کہ جیسا کہ صحیح روایات سے ثابت ہے قرآن کریم کے علاوہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزات عطا فرمائے گئے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معجزات سے تحدی اور چیلنج نہیں کیا بلکہ آپ نے صرف اور صرف قرآن سے چیلنج کیا، سو قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۴) المائدہ: ۴۸ (۵) البقرہ: ۲۸۵

کی رسالت کا دائمی مؤید معجزہ ہے، اور اہل ایمان کے قلوب واذہان کو اپنی نورانیت سے منور کر رہا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت دائمی اور سب کے لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں آپ کا معجزہ بھی آپ کی رسالت کی طرح دائمی اور سب کے لیے ہے، قبل ازیں تشریف لانے والے انبیاء میں سے ہر نبی علیہ السلام خاص اپنی قوم کے لیے تشریف لایا اور بعد میں تشریف لانے والے رسول نے اس کی جگہ لی، سو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ حسی چیز ہوتا جسے موقع پر موجود لوگ دیکھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس حسی چیز کو بعد میں آنے والے نہ دیکھ سکتے، کیونکہ ایسی دائمی رسالت کے لیے ایسے حسی معجزے مطابقت نہیں رکھتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تمام لوگوں کے لئے معجزہ بنا دیا اور یہ حسی معجزات سے بالکل مختلف معجزہ ہے، قرآن کریم انسانی فکر کے ارتقا اور بشری ادراکات کی تکمیل کے بعد نازل ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بشریت کے رشد و ہدایت کے حصول کی صلاحیت اور مجموعی طور پر عقل کے کمال تک رسائی کے بعد ہے، اس لیے آپ کا معجزہ عقل کا محتاج ہے کسی قسم کی حس کا محتاج نہیں، یہ ہمیشہ رہنے والے مفاہیم اور تمام لوگوں کو فکر و تدبر کی دعوت دینے والے کلمات ہیں، اور تا قیامت تمام لوگوں کو خطاب ہے، ہر دور میں ہر قوم کا دانش ور طبقہ اس کا حقیقت شناس رہا ہے اور رہے گا۔ (٦)

اعجاز قرآن کے معنیٰ

لغت عرب میں اعجاز کا معنیٰ ہے غیر کی طرف عجز کی نسبت، قرآن کریم میں ہے:

أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي ۖ

افسوس میری حالت پر میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔ (۷)

معجزے کو معجزہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ بشر اس جیسا لانے سے عاجز ہوتے ہیں، کیونکہ معجزہ ایسا فوق العادت خلاف عادت کام ہوتا ہے جو معروف اسباب کی حدود سے ماورا ہوتا ہے،

(٦) الکتاب والسنۃ، ص ۲۲۔ (۷) المائدہ ۵: ۳۱

اعجاز قرآن کا مطلب ہے کہ نوع بشر کا انفرادی اور اجتماعی طور پر قرآن کی مثل لانے سے عاجز اور بے بس ہونا۔ اعجاز قرآن سے مقصود یہ نہیں کہ نوع بشر کی بے بسی اور ناتوانی ظاہر کی جائے کہ وہ ایسا قرآن لانے سے عاجز ہیں، کیونکہ یہ حقیقت ہر عقل مند پر عیاں ہے، بلکہ اعجاز قرآن سے غرض یہ ہے کہ یہ کتاب حق ہے، اور اس کو لے کر آنے والا رسول سچا ہے، اسی طرح باقی تمام معجزات ہیں، ان کا مقصود بھی اس حقیقت کا اظہار ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنے دعوائے رسالت میں صادق ہیں۔ اور وہ جس پیغام کو لائے ہیں وہ اللہ علیم وحکیم کی وحی ہے اور قادر مطلق کا نازل کردہ ہے، انبیائے کرام کا کام اللہ کے پیغامات کو پہنچانا اور تبلیغ رسالت ہے، اس طرح معجزات بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیائے کرام اور رسل عظام علیہم السلام کی صداقت کی دلیل اور برھان ہوتے ہیں، گویا اس معجزے کے ذریعے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے (پیغمبر) نے میری طرف سے جو تبلیغ کی وہ سچی ہے، میں نے ہی اس کو تمہارے پاس اس پیغام کے پہنچانے کے لیے بھیجا ہے، اس کے صدق کی دلیل اس کے ہاتھوں سے خوارق عادات امور کا ظہور ہے ان جیسے خوارق عادات امور لانا تم میں سے کسی کے بس میں نہیں ہے، تم میں سے کوئی ایسا عجیب کام نہیں کرسکتا۔ یہ اعجاز کا معنیٰ ہے اور یہی معجزے کا مفہوم ہے۔

اعجاز کا تحقق کب ہوتا ہے؟

اعجاز کا تحقق درج ذیل تین امور کے بہ کثرت فراہم ہونے پر ہوتا ہے:

۱۔ تحدی۔ یعنی مقابلہ اور معارضہ طلب کرنا۔

۲۔ چیلنج کردہ فرد کا موجود ہونا۔

۳۔ مانع کا منتفی ہونا۔ (کسی رکاوٹ کا موجود نہ ہونا)

مندرجہ بالا تین امور کو ہم بعض مثالوں سے واضح کررہے ہیں۔

۱۔ قرآن کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو عموماً اور اہل عرب کو خصوصاً اس کی مثل لانے کا چیلنج دیا ہے، قرآن کریم نبی امی لائے جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے، کسی مکتب اور مدرسہ میں سبق نہیں پڑھا، کسی کالج اور یونیورسٹی میں نہیں گئے، یہ بھی ثابت

نہیں کہ آپ نے باکمال علماء کے پاس جا کر علوم و معارف حاصل کئے ہوں، نہ ہی آپ نے علم و عرفان اور تہذیب و ثقافت کے ماہرین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، یہود و نصاریٰ علماء اہل کتاب کے ہم نشین نہیں رہے کہ ان سے سابقہ امم اور گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات سن کر اس کتاب مجید میں بیان کرتے اور ان کو اس کی مثل لانے کا چیلنج دیتے۔ اہل عرب فصاحت کے امام اور بلاغت کے شہسوار تھے، قرآن کریم نے مضبوط ترین عبارات، کچو کے لگانے والے لہجوں، مقابلے اور معارضے پر برانگیختہ کرنے والے الفاظ اور محاورات سے ان کو مقابلے پر اکسایا اور مکمل قرآن کی مثل لانے کا چیلنج کیا، پھر یہ چیلنج دس سورتوں تک اور آخر کار ایک سورت پر محدود کر دیا گیا، لیکن وہ اپنی تمام تر فصاحت و بلاغت کے باوجود خاموش اور سرنگوں رہے، ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر بنے رہے، قرآن کریم کا یہ چیلنج ان کی بے بسی اور عاجزی کو آخری حدود تک لے آیا اور وہ شکست پر شکست کھاتے رہے۔ کیا یہ قرآن کریم کے اعجاز کی سب سے بڑی دلیل اور گواہی نہیں ہے؟

تحدّی (چیلنج) میں قرآن کا اسلوب

قرآن کریم میں متعدد صورتوں اور متنوع اسالیب میں تحدی آئی ہے، جس نے اہل عرب کو جھنجھوڑ دیا ان کو مقابلے کے میدان میں گھسیٹ لیا، قرآن کریم نے ایسا اسلوب اختیار فرمایا جو اعلیٰ درجے کی گرفت رکھتا ہے، جس نے ان کے شعور کو اپنے قابو میں لے لیا، اور اپنے مسحور کن بیان اور رونق و جمال سے ان کے قلوب و اذہان پر حاوی ہو گیا۔

قرآن کریم نے اہل عرب کو قرآن کی مثل لانے کا چیلنج دیا وہ بے بس ہو گئے اور پیٹھ دکھا گئے حالانکہ وہ فصاحت و بلاغت کے شہسوار اور مافی الضمیر کے اظہار اور بیان کے بادشاہ تھے۔

پھر قرآن کریم نے ان کو اس جیسی صرف دس سورتوں کی مثل لانے کا چیلنج دیا، وہ اس میں سرنگوں ناتواں اور عاجز رہے وہ قرآن کریم کی دس سورتوں کی مثل بھی نہ لا سکے۔

تب قرآن کریم نے اس سے بھی آسان اور سہل بات کا چیلنج دیا کہ تم قرآن کریم کی صرف ایک سورت کی مثل بنا کر لاؤ، لیکن کوئی مائی کا لال مقابلے کے اکھاڑے میں نہ اترا، قرآن

کریم ان کو مسلسل ہزیمت اور درماندگی سے دوچار کرتا رہا، اور نبی امی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ثابت ہوگیا کہ یہ قرآن اللہ رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹۵﴾

اور یہ قرآن تو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اس کو روح الامین لے کر آپ کے دل پر اترا تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ (یہ قرآن) صاف عربی زبان میں ہے۔ (۸)

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۰۲﴾

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اس کو تو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق (سچائی) کے ساتھ نازل کیا ہے تا کہ جو لوگ ایمان لا چکے ان کو ثابت (قدم) رکھے اور فرماں برداروں کے حق میں ہدایت و خوشخبری (ثابت) ہو۔ (۹)

تحدی کی اقسام

قرآن کریم میں دو طرح کی تحدی آئی ہے۔

۱۔ عام تحدّی　　　۲۔ خاص تحدّی

پہلی تحدی اور چیلنج تمام نوع بشر کے لیے ہے ان میں فلاسفہ، علماء حکما اور نابغۂ روزگار تمام انسان شامل ہیں خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی، گورے ہوں یا کالے، مؤمن ہوں یا کافر، بہ بانگ دہل دی جانے والی یہ تحدی اس آیت میں سنئے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾

(۸) الشعراء: ۱۹۲ تا ۱۹۵　(۹) النحل: ۱۰۲

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی اس قرآن کی مانند لانا
چاہیں تب بھی اس جیسا (قرآن) نہ لاسکیں گے خواہ ایک دوسرے کی
(کتنی ہی) مدد کیوں نہ کریں۔(۱۰)

دوسری خاص تحدّی صرف اہل عرب خصوصاً کفار قریش کے لیے آئی، یہ تحدی دو قسموں کی تھی۔

۱۔ تحدی کلی۔ یہ تمام قرآن کے بارے میں تحدی تھی کہ قرآنی احکام، قرآنی شان و شوکت، حسن و جمال اور اس کے بلاغت و بیان جیسا نمونہ اور مثال لے کر آؤ۔

۲۔ تحدّی جزئی۔ قرآن کی صرف ایک سورت خواہ وہ قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورت الکوثر کے برابر ہو کی مثل لاؤ۔

پہلی تحدی کی مثال یہ ارشاد ربانی ہے:

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾

اگر یہ لوگ سچے ہیں تو ان کو چاہیے کہ وہ بھی اسی طرح کی بات لے
آئیں۔(۱۱)

اس آیت کریمہ میں حدیث سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی ایسا قرآن لاؤ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن جیسا ہو، حالانکہ تمہارا خیال ہے کہ انہوں نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے اور اللہ پر بہتان باندھا ہے۔ اس جیسی تحدی سورۃ القصص میں اس ارشادِ الٰہی میں بھی ہے۔

قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٩﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اللہ کے پاس سے ایسی
کتاب لاؤ جو ان دونوں (توریت و قرآن) سے زیادہ ہدایت دینے والی
ہو میں اس کی پیروی کروں گا۔(۱۲)

---

(۱۰) الاسراء: ۸۸ (۱۱) الطور: ۳۴ (۱۲) القصص: ۴۹

کفار قریش سے مطالبہ کیا گیا کہ اس کتاب کریم قرآن کے علاوہ کوئی کامل کتاب لاؤ، لیکن وہ اس چیلنج کے جواب میں مہر بلب رہے تو ثابت ہو گیا کہ وہ ڈھٹائی پر ہیں، خواہشات نفسانی کے پیرو اور راہِ ہدایت چھوڑ کر گمراہی کو اپنا چکے ہیں۔

دوسری تحدی کی مثال سورہ ھود کے اس فرمانِ ربانی میں ہے:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے اس (قرآن) کو خود بنا لیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ تم بھی ایسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ اور (اس کام میں) اللہ کے سوا جس سے چاہو مدد بھی لے لو اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔ پھر اگر (یہ کفار) تم لوگوں کا کہنا پورا نہ کر سکیں تو جان لو کہ یہ (قرآن) اللہ ہی کے علم سے نازل ہوا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو پھر اب بھی مسلمان ہوتے ہو یا نہیں۔ (۱۳)

پھر اس سے بھی کم، قرآن کی صرف ایک سورت اور وہ بھی سب سے چھوٹی سورت کی مثل لانے کا چیلنج دیا لیکن حال اور مستقبل ہر دور میں وہ رسوا کن عجز و بے بسی کی تصویر بنے رہے، حالانکہ ان کی یہ عاجزی اور درماندگی ان کی حمیت کو مشتعل کرتی رہی اور مقابلے پر ابھارتی رہی، جب کہ وہ اس سے پہلے یہ نامعقول قول اور جھوٹا دعویٰ کر چکے تھے کہ:

لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا (کلام) کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو صرف پہلے لوگوں کے احوال ہیں۔ (۱۴)

سورۃ البقرہ میں یہ تحدی اس فرمانِ الٰہی میں آئی ہے:

---

(۱۳) ھود: ۱۳، ۱۴ (۱۴) الانفال: ۳۱

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

اگر تمہیں اس (قرآن) کے (من جانب اللہ ہونے کے) بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کیا ہے تو تم بھی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور (اس کام کے لئے) اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بھی (اپنی مدد کے لئے) بلا لاؤ اگر تم (اپنے شک میں) سچے ہو۔ پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو اور یقین جانو کہ تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں (اور جو) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔(۱۵)

علامہ قرطبی اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے وہ ماضی میں ایسا کر سکے نہ مستقبل میں ایسا کر سکتے ہیں، اس ارشاد میں ان کی ہمت وحوصلے کو للکارا گیا ہے، ان کے نفوس کو برانگیختہ کیا گیا ہے کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں تو کر کے دکھائیں، تاکہ ان کی بے بسی اور عجز عیاں ہو کہ وہ کبھی بھی قرآن کا معارضہ نہیں کر سکتے۔ اس کا تعلق ان غیوب سے ہے جن کی قرآن کریم نے قبل از وقوع خبر دی ہے۔(۱۶)

جہاں تک دوسرے امر یعنی معارضے کے مقتضیٰ کی موجودگی کا سوال ہے تو اہل عرب میں اس کا سبب اور مقتضیٰ موجود تھا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس نیا دین لائے تھے، جس سے آپ نے ان کے دین کو باطل قرار دیا، ان کی عقول کو ناکارہ اور کم تر بتایا، ان کے معبودانِ باطلہ کا مذاق اڑایا اور ان کو لوگوں کے درمیان مضحکہ خیز چیز بنا دیا، پھر ان کو اپنی اتباع کی دعوت دی اور اس پر ایمان لانے کو کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور ان سے فرمایا: میری صداقت پر اللہ کی طرف سے وحی کردہ یہ کتاب حجت اور دلیل ہے، اگر تم اس معاملے میں میری تصدیق سے

(۱۵) البقرہ: ۲۳، ۲۴ (۱۶) تفسیر القرطبی، ج ۱ ص ۳۲۔

گریزاں ہو تو میں چیلنج کرتا ہوں اس جیسی کتاب بنا کر لاؤ یا اس کی سورتوں میں سے کسی ایک سورت کی مثل لاؤ، جب تم اس سے عاجز ہو تو یہ میری صداقت کی دلیل ہے، میری رسالت کی برہان ہے۔اس واضح چیلنج، ان کی عقول، معبودانِ باطلہ اور بتوں کے متعلق انتہائی تلخ حقیقتوں کے اظہار کے بعد ان کو اس چیز کی سخت ضرورت تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کو بے اثر کرنے کے لیے اور آپ کی صداقت کو باطل قرار دینے کے لیے آپ کا چیلنج قبول کرتے، قرآن کریم کے مقابلے میں کوئی کتاب لاتے، یہ ان کے لیے نہایت آسان راہ تھی اور ان پر چنداں مشکل نہ تھا کہ وہ آپ کے دعویٰ کی تردید کرتے، کیونکہ اہل عرب فصاحت و بلاغت میں صاحب کمال تھے زبان دانی میں ان کی مہارت اور عمدگی مشہور تھی، ان کو فصیح و بلیغ انداز میں گفتگو کرنے کا فن آتا تھا، یہ چیز ان کے لیے پیش آنے والی جنگوں سے جن میں انہوں نے موت کے تلخ گھونٹ حلق سے اتارے اور خس و خاشاک کی طرح مٹ گئے زیادہ نفع بخش تھی۔لیکن وہ غم و اندوہ کے جام اور قابل مذمت موت کے گھونٹ پیتے رہے مگر قرآن کا چیلنج قبول نہ کر سکے، تیروں کی نوکیں اور نیزوں کی انیاں بھی ان کو تحدی قبول کرنے پر آمادہ نہ کر سکیں۔

قاضی الباقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کا قرآن کریم کے معارضے پر قادر ہونا جائز نہ تھا، جس کو سمجھنا ان کے لئے آسان تھا اس لیے کہ اس صورت میں قرآن کی حجت بے اثر، اس کی دلالت فاسد اور اس کی شان باطل ہو جاتی، انہوں نے اس کے بدلے میں دشمنی اور عداوت کا ہر وار آزما لیا، لیکن اس نسبتاً آسان کام کو چھوڑ دیا، دانش مند لوگوں سے ایسا ہونا عادتاً ممکن تھا، لیکن ان کا ایسا نہ کر سکنا اور ناکامی کا داغ لگوا لینا قرآن کریم کے معجز ہونے کی دلیل اور برھان ہے۔

اہل عرب کے لیے قرآن کریم کے معارضے سے کوئی مانع نہ تھا کیونکہ قرآن کی زبان ان کی اپنی عربی زبان تھی، اس کے حروف عربی کے حروف اور اس کی عبارات اسلوبِ عرب کے مطابق تھیں، وہ اہل زبان و بیان تھے، فصاحت و بلاغت کے شہنشاہ تھے، ان کے اشعار، خطبے اور حکیمانہ اقوال ان کے باکمال ہونے کے شاہد ہیں، انہوں نے فصاحت کے میدانوں میں سبقت اور برتری کے علم گاڑے، ان کی نثر اور شعر تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں، تاریخ ان کی قادر کلامی کی

گواہ ہے، وہ آسمانِ فصاحت کے چمکتے دمکتے ستارے تھے وہ اپنی زبان (قرآن کی زبان) پر فخر کرتے، اظہار کمال کرتے، اپنی مجالس اور محافل لاجواب قصائد اور خطبات سے آراستہ کرتے اور بہترین الفاظ اور عبارات کا انتخاب کرتے تھے، وہ قادر کلامی میں عاجز تھے نہ ان کی عقول میں نقص تھا بلکہ وہ بے بہا قدرت کے مالک تھے۔ ان کی سکت واستطاعت مشہور تھی۔ وہ ارباب عقل وخرد تھے، زبان دانی کے ان تمام ذاتی اوصاف کے باوجود قرآن کریم نے ان کو دعوت دی کہ وہ اس کا چیلنج قبول کریں اور جس سے چاہیں اس سے مدد حاصل کریں، سابقہ ادیان والوں سے اپنی علمی کمی کو پورا کریں، جادوگروں، کاہنوں اور انسانوں اور جنوں میں سے جس کو چاہیں اپنے گروپ میں شامل کرلیں، اب ان کے پاس کوئی مانع تھا نہ رکاوٹ تھی، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحدی کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں کی، وقت کی تحدید نہیں کی کہ ان میں سے کوئی کہنے والا یہ کہے کہ وقت کم ہے، اتنے قلیل وقت میں ایسا کرنا ممکن نہیں، قرآن کریم بھی یک بارگی نازل نہیں ہوا بلکہ تئیس برس کے عرصے میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا، ان کے معارضے کے لیے وسیع دور تھا، اگر ان کو مقدور ہوتا تو یقیناً اس طویل عرصہ میں وہ ضرور کوشش کرتے، لیکن ان کا عاجز رہنا اور ہتھیار ڈال دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن پروردگار عالم کا نازل کردہ ہے، اور ان کا عجز وبے بسی قرآن کی عظمت کی دلیل وبرہان ہے۔

اعجاز قرآن پر مثال

علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مناهل العرفان میں نفیس بحث ذکر کی ہے۔ معجزے کی تعریف میں بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ معجزہ خارج از عادت، اسباب معروفہ کی حدود سے الگ امر ہے، اللہ تعالیٰ اسے نبوت کے مدعی انسان کے دعویٰ نبوت کے وقت اس کے ہاتھ پر پیدا فرماتا ہے، یہ معجزہ اس کی صداقت کا گواہ ہوتا ہے، جب بھی کبھی فرد نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی مخلوق کی طرف مبعوث ہوا ہے اور وہ اللہ کے بندوں کی طرف اس کا رسول ہے، تو اس نے کہا میرے دعویٰ کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلاف عادت میرے ہاتھوں سے اس چیز کو متغیر کردیا ہے (اس کی حقیقت کو بدل دیا ہے) اور اس وقت اس چیز کو

اللہ تعالیٰ نے اپنے عمومی طریق کار سے نکال دیا ہے۔ مزید کہا کہ عن قریب اللہ تعالیٰ اس عجیب امر کو ایسے طریق سے اور ایسے ذریعے سے لائے گا کہ تم اس میں کمالِ مہارت اور قدرت رکھتے ہوئے بھی میرے چیلنج کے باوجود اس نشانی (معجزہ) کی انفرادی اور اجتماعی کوشش کے باوجود مثل نہ لاسکو گے۔ تمہارے عقائد کے مطابق تمہارے سامنے راہیں کھلی ہیں اور اپنے دعویٰ کے مطابق تمہارے اندر کمال مہارت ہے، تم کثرت میں ہو، میں اکیلا ہوں، پیغمبر نے کامل اعتماد اور وثوق سے یہ اعلان کیا اور کھلا چیلنج دیا اور وہ بھی ایسے وقت میں جب کہ وہ ہمارے عقائد، عادات اور اخلاق کے متعلق ہمیں جوش دلا چکا ہو، ہمیں اور ہمارے جیسے عقائد کے حامل ہمارے آباؤ اجداد کو اس معاملہ میں بے وقوف قرار دے رہا ہو، اور ہم اس پیغمبر علیہ السلام کو عاجز و بے بس کرنے، اس پر غلبہ حاصل کرنے، اسے دلائل سے لاجواب کردینے اور اس پر فتح پانے کے لیے بے چین ہوں، تا کہ ہماری عزت و وقار اور شان و شوکت باقی رہے، پھر وہ اور ہم مقابلہ میں ڈٹ جائیں، وہ بھی پرعزم ہو اور ہم بھی پرعزم ہوں اور ہم سب غالب ہونے کی تمام تر کوششوں کے باوصف اس کے چیلنج کردہ سے بہتر تو کجا اس جیسا بھی نہ لاسکیں، جبکہ ہم پوری قوم ہوں اور وہ فرد واحد ہو اور اس کا چیلنج بھی ہماری نگاہ میں آسان تر ہو اور ہمارے دور کا مشہور اور مقبول فن ہو، چیلنج کا جواب دینے کے لیے ہمیں کافی وقت بھی مہیا کر دیا گیا ہو اور اس نے ہمیں اپنی طرف سے مکمل انصاف مہیا کر دیا ہو۔

کیا معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی اس حقیقت میں شک کرسکتا ہے کہ یہ ممتاز اور توفیق و تائید یافتہ انسان یقیناً اپنی رسالت میں صادق اور اپنے دعویٰ میں حق پر ہے، خصوصاً اس صورت میں جبکہ ہمیں یہ بھی معلوم ہو کہ یہ انسان ہمیشہ صدق و امانت اور مکارم اخلاق سے موصوف رہا ہے، بچپن ہو یا لڑکپن، نوعمری ہو یا جوانی اپنی بعثت اور اعلانِ رسالت تک اس کا ہر لمحہ انہی اوصاف حمیدہ سے مزین رہا ہے۔

اگر وہ ایسا معجزہ لاتے جو ہمارے لیے غیر معروف ہوتا تو ہم کہتے کہ اس شخص نے ایسا علم اور فن سیکھا ہے جسے ہم نہیں جانتے یا ایسی ہنر مندی حاصل کی ہے جس سے ہم محروم ہیں، لیکن

جب پیغمبر علیہ السلام ایسے اوصاف لائے ہیں کہ خود ہم ان کی برتری اور سبقت کے گواہ ہیں تو پھر ہمارے لیے اس کے سوا چارۂ کار نہیں کہ ہم ان کی رسالت اور ان کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لائیں کہ یہی عدل کی بات ہے اور یہی انصاف کا تقاضہ ہے۔

ہم آپ کو ایک مثال دیتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا کا معجزہ لائے، ایسی لکڑی جس میں روح، حرکت، نرمی اور رطوبت نہ تھی، انہوں نے اللہ کے نام سے اس کو ڈالا تو وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا، حالانکہ جن لوگوں نے آپ کو چیلنج دیا تھا وہ جادو میں بڑے ماہر تھے، اور انہوں نے جادوگری میں پورے کمال اور مہارت کا مظاہرہ کیا تھا، نیز وہ پوری جماعت تھی آپ تنہا تھے، وہ نابغۂ روزگار جادوگر تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں پرورش پائی تھی مگر آپ نے ایک دن بھی جادو سیکھنے میں نہیں لگایا اور وہ سب اس حقیقت سے واقف تھے، اب اس کے بعد شک کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا تو:

فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۞ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞

پھر یکایک وہ (عصا اژدہا بن کر) ان جادوگروں کے رچائے ہوئے سانگ کو نگلنے لگا۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور جادوگروں کا شعبدہ باطل ہو گیا (۱۷)

وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۞ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۞

اور جادوگر سجدے میں گر گئے (اور) کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون کا رب ہے (۱۸)

حق واضح ہو گیا، اور سب سے پہلے جادوگر ہی ایمان لے آئے، کیونکہ وہ جادو، اس کے مقدمات اور نتائج سے واقف تھے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر جان لیا تھا کہ یہ جادو نہیں ہے۔

اسی طرح ہر رسول علیہ السلام کے معجزات ہیں، طب میں نادرِ روزگار اور باکمال ماہر

---

(۱۷) الاعراف: ۱۱۷، ۱۱۸ (۱۸) الاعراف، ۱۲۰ تا ۱۲۲

قوم میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفایاب کرنے، مردوں کو زندہ کرنے اور مٹی سے پرندہ تخلیق کرنے کا معجزہ عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ ختم الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزات عطا فرمائے، آپ آیات بینات اور واضح معجزات لائے۔ اس بارے میں صرف قرآن کریم ہی روشن دلیل بلکہ روشن دلائل ہیں، اس کی ہر ہر آیت میں تین قطعی دلائل موجود ہیں جو تا قیامت لوگوں کو چیلنج کرتے رہیں گے اور رہتی دنیا تک انسان اس کے اعتراف پر مجبور ہوں گے یعنی فصاحت و بیان، علوم و معارف، غیب کی خبریں اور حق کے شواہد۔ (۱۹)

معجزۂ الٰہیہ کے شرائط

علمائے کرام کی تصریح کے مطابق معجزے کی مندرجہ ذیل پانچ شرائط ہیں، اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو وہ معجزہ نہ ہوگا۔

۱۔ پہلی شرط: اس پر اللہ رب العالمین کے سوا کوئی قادر نہ ہو۔
۲۔ دوسری شرط: خارق عادت ہو اور عالم وجود وہستی کے طریقِ کار کے خلاف ہو۔
۳۔ تیسری شرط: رسالت کا مدعی اس کو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بطور شہادت پیش کرے۔
۴۔ چوتھی شرط: یہ معجزہ مدعی نبوت کے چیلنج کردہ دعویٰ کے موافق ہو۔
۵۔ پانچویں شرط: بطور معارضہ دوسرا کوئی شخص اس معجزہ کی مثل نہ لا سکے۔

اگر نبوت کے دعویٰ دار فرد کے ہاتھ سے ان پانچ شرائط کے ساتھ خارق عادت امر صادر ہو تو یہ اس کی نبوت کا شاہد ہوگا، اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ کام معجزہ نہ ہوگا اور مدعیٔ نبوت کے صدق کی دلیل نہیں ہوگا۔

پہلی شرط

کوئی فرد اس دور میں آیا جس میں رسولوں کی تشریف آوری صحیح تھی اور اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ بطور معجزہ کھڑا ہو سکتا ہے، بیٹھ سکتا ہے، کھاتا پیتا ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ آ جا سکتا ہے

(۱۹) مناہل العرفان: ج ۱ ص ۶۸

تو اس کا دعویٰ نا قابل قبول ہوگا، یہ اس کے صدق کی دلیل نہیں کیونکہ مخلوق کو ان تمام کاموں پر قدرت حاصل ہے، معجزہ تو ایسا امر ہوتا ہے جس پر بشر قادر نہ ہوں مثلاً سمندر کا راستہ دے دینا، چاند کا دو ٹکڑے ہونا اور مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ۔

دوسری شرط

وہ امر خلاف عادت ہو، اب اگر کوئی مدعی نبوت یہ کہے کہ میرا معجزہ سورج کا مشرق سے طلوع ہونا، اس کا مغرب میں غروب ہونا اور رات کے بعد دن کا آنا ہے، تو اس کا یہ دعویٰ غلط ہوگا، کیونکہ یہ امور اگر چہ اللہ تعالیٰ ہی کے مقدور میں ہیں لیکن یہ سب کچھ اس مدعی کے لئے نہیں ہو رہا بلکہ اس کے دعویٰ سے پہلے بھی یہ نظام اسی طرح جاری تھا، یہ چیز اس کے صدق کی دلیل نہیں۔

تیسری شرط

مدعیٔ نبوت اس امر کو بطور شہادتِ دعویٰ طلب کرے اور اس کی طلب پر وہ امر اس کے دعویٰ کی تصدیق کے لیے وقوع پذیر ہو، چنانچہ اگر کسی انسان نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ بطور معجزہ پتھر کو کسی حیوان یا انسان میں بدل سکتا ہے اور وہ ایسا نہ کر سکا تو یہ اس کے صدق کی دلیل نہ ہوگی۔

چوتھی شرط

معجزہ اس کے دعویٰ کے موافق ہو اس کے خلاف نہ ہو ورنہ یہ اس کی تصدیق نہیں تکذیب ہوگی، مروی ہے کہ مسیلمہ کذاب ملعون سے اس کے ساتھیوں نے کہا کہ وہ کنوئیں میں تھوکے تا کہ اس کا پانی زیادہ ہو، لیکن اس سے کنواں خشک ہوگیا۔ سو یہ اس کے کذب کی دلیل ہے۔ (۲۰)

پانچویں شرط

کوئی شخص اس کا مقابلہ نہ کر سکے، اگر کسی نے اس کا معارضہ اور مقابلہ کر لیا تو یہ کام معجزہ نہیں رہے گا اور مدعی نبوت کے صدق کی دلیل نہ ہوگا۔ بالفرض کوئی شخص سمندر کو شق کرے یا چاند کے دو ٹکڑے کر دے تو پھر یہ معجزہ نہ ہوں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

---

(۲۰) تفسیر القرطبی ج ۱ ص ۷۰

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۳۴﴾

اگر یہ لوگ سچے ہیں تو ان کو چاہیے کہ وہ بھی اسی طرح کی بات لے آئیں۔(۲۱)

قرآن کریم کے اعجاز کا بیان

قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے لیے معجز کلام ہے، اس کا اسلوب، نظم، حسن و جمال، شان وشوکت، بیان، علوم و حکمتیں، تاثیر ہدایت، ماضی اور مستقبل کی خبریں اوران غیوبات کی پردہ کشائی وغیرہ سب معجز ہے۔علمائے کرام نے اعجاز قرآن کے وجوہ میں زبان و بیان کے اسرار کی نقاب کشائی کی ہے، اوراپنے وجدان اور دلائل و براہین سے تمام اہل عرب اہل زبان و بیان نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ قرآن بذاتہٖ مُعجز ہے، یعنی اس کا اعجاز الفاظ کی فصاحت، بیان کی عمدگی اور شوکت اوراس کے منفرد اسلوب میں ہے، نظم ونثر کا کوئی اسلوب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اس کے لفظوں کی دلکشی اور رعنائی نے اس کے صوتی نظام، لغوی جمال اورفنی عمدگی کو بے مثال بنادیا ہے۔

اہل صرفہ کا مذہب

بعض معتزلہ جن میں ابو اسحاق النظام بھی شامل ہے کا مذہب یہ ہے کہ قرآن کریم کا اعجاز بطور صرفہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے قدرت کے باوجود انسانوں کو اس کے معارضے سے باز رکھا، اور ان کے دل ودماغ اور زبانوں کو اس کی مثل لانے سے عاجز کردیا۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو معارضہ سے نہ پھیرتا تو وہ اس قرآن کی مثل لے آتے ۔ بخدا یہ ایسے شخص کا قول ہوگا جو عربیت سے ناآشنا ہو، اس نے اس زبان کے اسرار و رموز کو نہ جانا ہو، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ جس کو علوم کی گہرائی اور گیرائی سے ذرا بھی مس نہ ہو، جس نے صرف چھلکے کھائے ہوں جو نہ جسم کو فربہ کریں نہ ہی کسی کی بھوک مٹائیں، یہ گھٹیا اور ناقابل التفات قول ہے قدیم وجدید علماء، فصحا اور بلغا کے اجماع کے خلاف ہے۔

حجۃ ادب عربی مصطفیٰ الرافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اعجاز قرآن کے سبب کے بارے میں

(۲۱) الطور: ۳۴

معتزلہ کی آرا مختلف ہیں، شیطان المتکلمین ابواسحٰق النظام کا مذہب ہے کہ اعجاز کا تعلق صرفے سے ہے، یعنی قدرت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو قرآن کریم کے معارضہ سے پھیر دیا اور یہی صرف (قرآن کے مقابلے اور معارضے سے پھیرنا) ہی خارق عادت ہے۔

اہل تشیع میں سے مرتضیٰ کا کہنا ہے کہ صرفہ کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ علوم سلب کر لیے جو قرآن کریم کی مثل لانے کے لیے ضروری تھے۔ گویا وہ کہتا ہے کہ وہ فصیح و بلیغ لوگ تھے قرآن جیسے اسلوب اور نظم پر قادر تھے لیکن قرآنی الفاظ میں موجود مفاہیم جیسے مفاہیم لانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے کیونکہ وہ اہل علم نہ تھے اور ان کے دور میں علم کی فراوانی نہ تھی۔ اس رائے کا خلط ملط ہونا آپ خوب سمجھ گئے ہوں گے۔ پھر کہتا ہے کہ بہر حال ''صرفہ'' کا قول اہل عرب کے اس قول سے مختلف نہیں ہے اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ (۲۲) اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس زعم باطل کا رد فرمایا، ان کی تکذیب کی اور اسے اندھے پن کی مثال قرار دیا:

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝

تو کیا یہ سحر ہے یا تمہیں نظر ہی نہیں آتا۔ (۲۳)

اس بے ہودہ مذہب کے مطابق یہ کہنا ممکن ہے کہ ان کے بقول قرآن کریم خود معجز نہیں بلکہ ''صرفہ'' ہی اس کی مثل لانے میں عاجز و بے بس ہونے کا باعث ہے۔ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (۲۴) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں ہی کو پھیر دیا، کیونکہ وہ ناسمجھ قوم ہیں۔ (۲۵)

ابن حزم الظاہری نے بھی قریب قریب یہی مسلک اختیار کیا ہے اور اس نامعقول اور پھسپھسی بات میں اپنے پیش رو نظام کی پیروی کی ہے۔ البتہ لیپا پوتی سے اسلوب بدل دیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب الفصل میں اعجاز کے سبب میں لکھتا ہے کہ کسی نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر معجز ہے، لیکن جب یہ اللہ تعالیٰ کا قول اور کلام ہوا تو اللہ نے اس کو معجز بنا دیا اور اس کی مماثلت سے روک دیا، یہ دلیل کافی ہے دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔

ملاحظہ کیجئے یہ صاحب قرآن کریم کو بایں طور معجز قرار دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مماثلت سے روک دیا ہے بعینہٖ یہی رائے نظام معتزلی کی ہے وہ صرفہ کا قول کرتا ہے (اور یہ

صاحب گھما پھرا کر وہی بات دوسرے الفاظ میں ادا کر رہے ہیں)۔ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں یہ رائے بھی باطل ہے، یہ لوگ حق و صداقت کی روشن روشن ضیاء سے محروم اور محجوب ہیں، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

آشوب زدہ آنکھ سورج کی روشنی نہیں دیکھتی اور بیمار کا منہ پانی کا ذائقہ بدلا ہوا سمجھتا ہے۔

اعجازِ قرآن میں علماء کی آرا

اس امر پر علماء کے اجماع اور اتفاق کے بعد کہ قرآن بذاتہ معجز ہے اور کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس کی مثل لا سکے، اعجاز قرآن کے وجوہ میں ان کی مختلف آرا درج ذیل ہیں:

ا۔ قرآن کریم کا انوکھا اور حیران کن نظم اس کی وجہ اعجاز ہے، یہ نظم اہل عرب کے نظم اور نثر سے بالکل مختلف ہے، قرآن کریم کی آیات اور سورتوں کے شروعات، اواخر اور فواصل جداگانہ نوعیت کے حامل ہیں۔

ب۔ قرآن کریم کے الفاظ کی فصاحت، عبارات کی بلاغت اور عمدگی و روانی اعجاز قرآن کی وجہ ہے، بلاغت کا یہ اعلیٰ درجہ اور کسی کے کلام میں نہیں ہے۔

ج۔ قرآن کریم کا اعجاز اس کے تناقض سے مبرا ہونے، دقیق مفاہیم و معانی اور انسانی مقدور سے ماورا امور غیبیہ پر مشتمل ہونے میں ہے، جن امور کی معرفت بشر کی استطاعت میں نہیں ہے۔ قرآن کریم ہر قسم کے تعارض اور تضاد سے پاک ہے۔

د۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کی وجہ اعجاز ہر سورت کی ابتدا، اختتام اور مقاصد کا ظاہری حسن و جمال اور مہتم بالشان بے مثال کشش ہے۔ ان حضرات کے نزدیک اعجاز قرآن درج ذیل چیزوں پر مشتمل ہے:

۱۔ الفاظ میں فصاحت

۲۔ معانی میں بلاغت

۳۔ انوکھا اور بے مثال نظم

یہ تمام اقوال ایک ہی دائرے کے اندر ہیں یعنی دائرہ بیانیہ، جس میں قرآن سب سے ممتاز ہے، اگرچہ یہ بات بھی حق ہے تاہم اعجاز قرآن صرف فصاحت اور بلاغت ہی میں نہیں بلکہ اعجاز قرآن کی دیگر وجوہ بھی ہیں۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں اعجاز قرآن کی دس وجوہ شمار کی ہیں، علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مناہل العرفان میں اعجازِ قرآن کے چودہ وجوہ ذکر کیے ہیں۔ جن میں سے بعض وجوہ وہ ہیں جن کا علامہ قرطبی نے تذکرہ کیا ہے اور بعض دوسرے وجوہ ہیں۔ یہاں ہم پہلے بالاختصار ان کا ذکر کر رہے ہیں پھر بعونہ تعالیٰ ان کی تفصیل بیان کریں گے

قرآن کریم کے وجوہِ اعجاز

۱۔ اہل عرب کی زبان کے ہر معلوم و معروف نظم سے بالکل جداگانہ نظم۔
۲۔ تمام اسالیبِ عربیہ سے الگ حیران کن اسلوب۔
۳۔ مخلوق میں سے کسی کے لیے اس کی مثل نہ لاسکنے والی فصاحت و خوش بیانی۔
۴۔ انسانوں کے ساختہ پرداختہ ہر قانون پر غالب، کامل اور دقیق تشریع۔
۵۔ ایسے غیوبات کی خبریں جو بغیر وحی کے معلوم نہیں ہوسکتیں۔
۶۔ عالم کون کے حتمی فیصل شدہ علوم سے عدم تعارض۔
۷۔ قرآن کریم کے بیان کردہ ہر وعدے اور وعید کا پورا ہونا۔
۸۔ ایسے علوم و معارف جن پر شرعی اور عالم ہستی کے علوم مبنی ہیں۔
۹۔ تمام بشری ضرورتوں کی تکمیل کا علم۔
۱۰۔ اپنے ماننے والوں اور دشمنوں کے قلوب میں تاثیر۔

اعجاز قرآن کی پہلی وجہ

اعجاز قرآن کی پہلی وجہ قرآن کریم کا اہل عرب کی زبان کے ہر معلوم و معروف نظم و ترتیب سے جداگانہ نظم ہے۔ قرآن کریم نظم و نثر میں اہل عرب میں معروف اسلوب سے بالکل

الگ نظم کا حامل ہے، ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ جیسے ان کے بلاغت کے شہنشاہ اور فصاحت و بیان کے امام اور شہرت کی بلندیوں پر فائز لوگوں نے خود اس کی گواہی دی ہے۔

تاریخ سے مثالیں

ا۔ مروی ہے کہ ولید بن مغیرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے قرآن پڑھا گویا وہ اس سے متاثر ہو گیا، ابوجہل کو خبر ملی تو اس نے ولید کو آ کر کہا کہ چچا! آپ کی قوم کے لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کو مال جمع کر کے دیں کیونکہ آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئے ہیں تا کہ ان سے کچھ حاصل کریں، ولید نے جواب دیا کہ قریش کو معلوم ہے میں ان سب سے زیادہ مالدار ہوں، ابوجہل نے کہا کہ پھر اپنی قوم کے لیے کوئی ایسی بات کہیں جس سے ان کو پتہ چل جائے کہ آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منکر ہیں، ولید نے پوچھا کہ میں کیا کہوں؟ بخدا تم میں مجھ سے زیادہ شاعری کا پہچاننے والا نہیں، رجز ہو یا قصیدہ یا جنات کے اشعار ہوں، بخدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام ان میں سے کسی کے مشابہ نہیں، اللہ کی قسم! ان کے کلام میں شیرینی ہے، اس میں رونق و آب و تاب ہے، اس کا اعلیٰ ثمر دار اور اس کلام کا اسفل کثیر ہے، یہ غالب آتا ہے اس پر غلبہ نہیں پایا جاتا۔ ابوجہل لعین نے کہا کہ بخدا آپ کی قوم اس وقت تک راضی نہ ہو گی جب تک آپ ان کے بارے میں کچھ نہیں کہیں گے۔ ولید نے کہا کہ مجھے قدرے سوچنے دو، سوچ کر کہنے لگا کہ یہ جادو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾

آپ مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دیجئے جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا ہے۔ اور اس

کو میں نے کثرت سے مال دیا۔اور بیٹے دیئے جو حاضر رہتے ہیں، اور تمام سامان اسے پوری طرح مہیا کر دیا۔ پھر بھی اسے طمع ہے کہ اسے اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے، اسے عن قریب ایک بڑی چڑھائی چڑھاؤں گا۔اس نے غور کیا اور ایک بات طے کر لی۔ پس وہ غارت ہو کیسی بات تجویز کی، پھر وہ غارت ہو کیسی بات تجویز کی۔ پھر تامل کیا، پھر تیوری چڑھائی اور ترش رو ہوا، پھر پیٹھ پھیری اور غرور کا اظہار کیا۔ پھر بولا یہ کچھ نہیں بس وہی جادو ہے جو چلا آتا ہے، یہ تو بس آدمی کا کلام ہے(۲۶)

۲۔مروی ہے کہ ولید نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سنا تو نہایت متاثر ہوا اور اپنے قبیلہ بنو مخزوم کے پاس آکر کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے ابھی محمد (ﷺ) سے کلام سنا ہے جو انسانوں اور جنوں کے کلام میں سے نہیں ہے، بخدا اس میں شیرینی ہے اور اس میں رونق اور آب و تاب ہے۔ قریش نے کہا کہ بخدا ولید بے دین ہو گیا ہے، اس طرح تو تمام قریش بے دین (مسلمان) ہو جائیں گے، ابوجہل بولا کہ میں اس معاملے کو دیکھتا ہوں، وہ غم زدہ انداز میں بیٹھا اور ولید کو غصہ دلانے والی باتیں کیں، پھر ولید اور ابوجہل دونوں لوگوں کی طرف گئے، ولید نے کہا کہ تم کہتے ہو محمد (ﷺ) مجنون ہے، کیا تم نے اس پر کبھی جنون کے دورے دیکھے ہیں، تم کہتے ہو وہ کاہن ہے، کیا تم نے ان کو کبھی کہانت کرتے دیکھا ہے؟ تمہارا خیال ہے وہ شاعر ہے، تم نے ان کو کبھی شعر کہتے سنا ہے؟ تم کہتے ہو وہ جھوٹا ہے کیا تم نے کبھی ان کو جھوٹ بولتے دیکھا ہے؟ لوگوں نے سب کے جواب میں کہا کہ بخدا نہیں، پھر انہوں نے پوچھا تم ہی بتاؤ وہ کیا ہے؟ قدرے سوچنے کے بعد ولید نے کہا کہ وہ جادوگر ہے، تم نے دیکھا نہیں کہ وہ شوہر اور بیوی، باپ اور بیٹے کے درمیان تفرقہ ڈال دیتا ہے، ان کے پاس بابل والوں سے منقول جادو کا علم ہے یہ سب اسی کا اثر ہے۔ اہل مجلس نے خوشی سے واہ واہ کی اور ولید کے قول پر سر دھنتے چلے گئے۔تب سورۃ المدثر کی یہ آیات نازل ہوئیں۔(۲۷)

۳۔صحیح مسلم میں ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بھائی انیس الغفاری نے حضرت ابوذر سے کہا کہ میری مکہ میں تمہارے ہم دین شخص سے ملاقات ہوئی ہے۔ ان کا کہنا ہے

(۲۶) [illegible]

کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہے، (حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں) میں نے کہا کہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ کہا لوگ ان کو شاعر، ساحر اور کاہن کہتے ہیں، انیس شاعر تھا، کہنے لگا کہ میں نے کاہنوں کی باتیں سنی ہیں۔ ان کا کلام کاہنوں والا نہیں ہے، میں نے ان کے کلام کو شاعری کی انواع واقسام پر جانچا ہے ان کا کلام شاعری کی کسی قسم سے میل نہیں کھاتا، اللہ کی قسم لوگ جھوٹے ہیں وہ یقیناً سچا ہے (۲۸)

۴۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے ابوجہل نے قریش کی جماعت میں کہا کہ ہم پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے تم شاعری، کہانت اور جادوگری کے کسی عالم کو تلاش کرو وہ ان سے گفتگو کرے پھر ہم کو ان کے متعلق بتائے۔ عتبہ بن ربیعہ ان کی قوم کے سرداروں اور اشراف میں سے تھا کہنے لگا کہ میں ان کے پاس جا کر بات کروں گا، عتبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بہتر ہیں یا ہاشم؟ آپ بہتر ہیں یا عبد المطلب؟ آپ بہتر ہیں یا عبداللہ؟ آپ کس لیے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہمیں گمراہ قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ ریاست اور سرداری کے خواہش مند ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں، اگر آپ عورتوں کے خواہش مند ہیں تو ہم قریش کی لڑکیوں میں سے آپ کی دل پسند لڑکی سے آپ کی شادی کرائے دیتے ہیں، اور اگر آپ مال کے خواہش مند ہیں تو ہم آپ کے لیے اتنا مال و دولت جمع کر دیتے ہیں کہ آپ ہم سے زائد مالدار ہو جائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہتے جب وہ اپنی بات پوری کر چکا آپ نے فرمایا کہ آپ کہہ چکے؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا کہ اب سنو، اور آپ نے سورۂ فصلت کی تلاوت شروع کی:

حٰمٓ ۞ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۞ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۞ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ

(۲۸) تفسیر القرطبی ج ۱ ص ۳۷

وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾

حٰمٓ یہ (قرآن) بڑے مہربان اور رحم کرنے والے کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ (یہ) ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں (اور) یہ قرآن عربی زبان میں ان لوگوں کے لئے ہے جو جانتے ہیں۔ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے پھر بھی ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا سو وہ سنتے ہی نہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل تو اس بات سے پردوں میں ہیں جن کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک پردہ (حائل) ہے سو آپ اپنا کام کرتے رہو ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی (نازل) کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے سو تم اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے مغفرت طلب کرو اور مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے۔ جو

زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ البتہ جو لوگ ایمان
لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر
ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں
زمین کو پیدا کیا اور (دوسروں کو) اس کا شریک ٹھہراتے ہو، وہی تمام
جہانوں کا رب ہے۔ اور اس نے زمین میں پہاڑ بنا دیے اور اس
(زمین) میں برکت رکھی اور اس میں اس (کے رہنے والوں) کی
غذائیں ٹھہرا دیں (یہ سب) چار دن میں (ہوا) سوال کرنے والوں کا
(جواب) پورا ہوا۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا کہ (اس وقت) وہ
دھواں سا تھا پھر اس (آسمان) اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے
آؤ یا زبردستی سے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ پھر دو
دن میں سات آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اس کا حکم بھیج دیا اور ہم نے
آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت دی اور (اس کو) محفوظ کر
دیا یہ تدبیر غالب (اور) علم والے (اللہ) کی ہے۔ اگر یہ پھر بھی روگردانی
کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو
قوم عاد و ثمود کے عذاب کی مانند ہوگا۔ (۲۹)

جب آپ ارشاد الٰہی: **فان اعرضوا فقل انذرتکم صاعقة** پر پہنچے تو عتبہ نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور آپ کو رشتہ داری کی قسم دے کر خاموش ہونے کی درخواست کی، اور اپنے گھر والوں کی طرف واپس چلا گیا۔ قریش کے پاس نہ گیا، جب عتبہ وہاں نہ پہنچا تو قریش نے کہا کہ ہمارا خیال ہے عتبہ بے دین ہو گیا ہے، لوگ اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ عتبہ ہمارا خیال ہے تم چونکہ بے دین ہو گئے ہو اس لیے ہمارے پاس نہیں آئے، عتبہ ناراض ہو کر کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! میں نے ان سے گفتگو کی تو انہوں نے بخدا مجھے ایسی چیز سے جواب دیا ہے جو شعر، جادوگری اور کہانت نہیں ہے، میں نے رشتہ داری کا واسطہ اور قسم دے کر ان کو روکا ہے کہ کہیں ہم پر عذاب نہ آ جائے، یہ

(۲۹) حم السجدہ: ۱ تا ۱۳

بات تم بخوبی جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کہی ہوئی بات جھوٹی نہیں ہوتی۔ (۳۰)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب عتبہ نے فصاحت و بلاغت اور زبان دانی کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود یہ اعتراف کرلیا کہ اس نے قرآن کی مثل کبھی نہیں سنا، تو اس نے اس طرح قرآن کریم کے اعجاز کا اقرار کرلیا، اسی طرح عتبہ جیسے تمام فصحا اور انداز گفتگو کے ہر انداز اور ہر قسم کے قادر الکلام ماہرین نے قرآن کریم کے اعجاز پر سر تسلیم خم کیا ہے۔

اعجاز قرآن کی دوسری وجہ

اعجاز قرآن کی دوسری وجہ اس کا تمام اسالیب عربیہ سے مختلف اور حیران کن اسلوب ہے، قرآن کریم ایسے عمدہ، دلنشیں اسلوب میں نازل ہوا ہے کہ اپنے رونق و جمال اور شیرینی و حلاوت میں تمام عرب پر غالب آگیا، اس میں ایسے عظیم الشان، اعلیٰ مرتبت خصائص ہیں کہ کسی بشر کے کلام میں ان کا پایا جانا ناممکن ہے، خصوصاً ان حالات میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثل لانے کا چیلنج دیا اور عرب کے فصاحت کے دعویدار بے بس ہوگئے، ان کے بلغا تھک ہار کر رہ گئے اور ان کے قادر الکلاموں کی زبانیں گنگ ہوگئیں، یہ سب اس دور میں ہوا جب کہ اس میدان میں ان کی فوقیت و برتری کے جھنڈے گڑے تھے اور زبان دانی، قادر الکلامی اور فصاحت و بلاغت میں ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لغت عربیہ (عربی زبان) پر نزول قرآن کے عہد سے عہد حاضر تک عروج و نزول، وسعت و تنگی، حرکت و جمود، شہریت و بدویت کے مختلف ادوار گزرے ہیں، ان تمام ادوار میں قرآن کریم اسی بلندی اور علوِ شان پر برقرار ہے، اس کا نور و ہدایت برابر کرنیں بکھیر رہا ہے، اس کی حلاوت اور جلالت روز اول کی طرح فیض رساں ہے، اس کی روانی و خوش بیانی روز افزوں ہے، یہ حسب سابق اثر آفرینی اور ثمر رسانی سے معمور ہے، تر و تازہ، نرم و نازک شگفتہ ہری بھری شاخ کی طرح، اعجاز کا علم تھامے ہوئے کامل یقین اور اعتماد کے ساتھ ساکنانِ کرۂ ارض کو اپنی مثل لانے کا چیلنج دیتے ہوئے۔ پوری قوت وصولت سے صراحتاً اپنے اعجاز کا اس طرح اعلان فرماتے ہوئے: (۳۱)

---

(۳۰) الکشاف/ ج ۴ص ۱۹۲ (۳۱) مناہل العرفان/ ج ۲ص ۲۲۹

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی اس قرآن کی مانند لانا چاہیں تب بھی اس جیسا نہ لا سکیں گے خواہ ایک دوسرے کی مدد کیوں نہ کریں (۳۲)

خصائص اسلوبِ قرآن

قرآن کا عجیب حیران کن اسلوب تمام اسالیب انسانی سے جداگانہ اور منفرد شان رکھتا ہے، اس بے مثال اسلوب کے متعدد خصائص میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ قرآنی الفاظ کی اثر انگیزی، اس کے صوتی نظام اور لغوی جمال میں اس کا مظاہرہ بخوبی نظر آتا ہے۔

۲۔ ہر عام وخاص اس کے پیغام سے مطمئن اور شاد ہوتا ہے، تمام لوگ اس کی جلالت شان اور عمدگی سے متاثر ہوتے ہیں۔

۳۔ بیک وقت عقل اور دل دونوں کو اطمینان عطا کرتا ہے، قرآن عقل اور دل سے خطاب کرتا ہے اور حق اور جمال دونوں کو یکجا لاتا ہے۔

۴۔ قرآنی الفاظ کی سبک روی اور روانی۔ اس کے بیان اور تفصیل کی پختگی، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پورا قرآن ایک ہی سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ مکمل ربط و تعلق جو دل و دماغ سے کھیلتا اور بصر و بصیرت کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

۵۔ ایک بات کو ہر بار نئے اور عمدہ ترین انداز میں پیش کرنا، ہر مرتبہ انداز گفتگو میں متنوع اور دلکش طریقہ کار یعنی ایک مفہوم مختلف پیرایوں میں متعدد الفاظ اور ایسے مختلف طریقوں سے بیان ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر طریقہ بجائے خود فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے۔

۶۔ اجمال اور تفصیل دونوں یکجا ہیں۔

۷۔ لفظ اور معنیٰ دونوں بھرپور انداز میں اپنے اپنے ترجمان ہوتے ہیں۔ (۳۳)

---

(۳۲) الاسراء: ۸۸ (۳۳) زرقانی/مناہل العرفان

اسلوبِ قرآن کے خصائص کی توضیحی مثالیں

۱۔ادب عربی کے نابغۂ روزگار حضرت ادیب مصطفیٰ الرافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر آپ قرآنی الفاظ کے نظم وترتیب میں غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کی صرفی اور لغوی حرکات، اپنی وضع اور ترکیب میں خود حروف کی جگہ پارہی ہیں یہ ان کی فصاحت کی دلیل ہے، اور آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ حروف کی آوازیں موسیقی کے نظم وترتیب سے چلتی ہیں، یہاں تک کہ بعض اوقات حرکت ثقیل ہوتی ہے، استعمال میں نہیں آتی اس طرح کی حرکت کو پسند نہیں کیا جاتا مگر جب اسی کو قرآن میں استعمال کیا گیا تو اس کی عجیب شان نظر آنے لگی۔ مثال کے طور پر لفظ النذر (جمع نذیر) ہے یہاں ''نون'' اور ''ذال'' دونوں پر تسلسل کے ساتھ ضمہ (پیش) ثقیل ہے، جبکہ یہ حرف خود سختی اور کرختگی رکھتا ہے اور زبان کے درمیان سے نکلتا ہے، لیکن قرآن کریم میں یہ اس کے برعکس صفات سے آیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾

اور اس (حضرت لوط) نے ہماری گرفت سے ڈرایا، پھر انہوں نے اس ڈرانے میں جھگڑے نکالے۔ (۳۴)

اس ترکیب میں غور کریں غور وفکر سے مزے لیں، حروف کے مواقع سے لطف اندوز ہوں اپنی سماعت میں ان حروف کی حرکات کو محسوس کریں لقد کی دال اور بطشتنا کے طاء میں قلقلہ کے مقامات کے بارے میں سوچیں، نیز بطشتنا کے طاء کے بعد واو تک مسلسل زبروں کا حسن ملاحظہ کریں (بطشتنا فتماروا) جبکہ درمیان میں مد سے فصل بھی موجود ہے، تاکہ بعد میں ضمہ کا ثقل ہلکا ہوجائے، اور اس ضمہ کو وہ مقام حاصل ہوجائے جو کھانوں میں نمک کو حاصل ہے۔

۲۔قرآن کریم میں ایک نہایت عجیب اور نامانوس لفظ نہایت برجستہ اور حسین ترین انداز اور موقع پر آیا ہے، یہ لفظ ضیزیٰ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾

تب تو یہ تقسیم بڑی غیر منصفانہ ہے۔ (۳۵)

---

(۳۴) القمر: ۳۶ (۳۵) النجم: ۲۲

یہ لفظ نامانوس ہونے کے باوصف نظم کلام میں نہایت حسین اور دل کش انداز میں آیا ہے، لغت عرب میں اس مقام کے علاوہ اس لفظ کا دوسرا حسین ترین استعمال ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ سورۃ النجم جس میں یہ لفظ آیا ہے اس کی ہر آیت ''یاء'' پر ختم ہو رہی ہے، سو یہ کلمہ فواصل کے طور پر اور اہل عرب کی تردید میں آیا ہے، بتوں کے ذکر میں اور اولاد کی تقسیم میں ان کے زعم باطل کی تردید ہو رہی ہے کہ انہوں نے ملائکہ اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا ہے جبکہ وہ خود بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے ہیں؟ ارشاد فرمایا:

أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ۝

کیا تمہارے لئے بیٹے ہیں اور اس کے لئے بیٹیاں، تب تو یہ تقسیم بڑی غیر منصفانہ ہے۔ (۳۶)

لفظ کی غرابت سے کہیں بڑھ کر اس تقسیم میں غرابت ہے جس کی تردید میں یہ آیت آئی ہے، گویا اس جملہ سے پہلی آیت میں تردید و انکار اور دوسری آیت میں ان کے زعم باطل کا مذاق اڑایا ہے۔ یہ بلاغت کی بہترین شکل ہے، خصوصاً اس صورت میں کہ اس نامانوس لفظ کو آیت کے آخری لفظ کے طور پر لایا گیا ہے۔

۳۔ قرآن کریم میں بلاغت سے معمور کلام کا نظم انسانی استطاعت سے وراء ہے، اور ایسے امور موجود ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ قرآنی نظم کسی انسان کا نتیجہ فکر نہیں یہ مادیات سے بلند تر ہے، گویا کہ اسے یکبارگی نازل کر دیا گیا ہے، آپ دیکھیں گے کہ اس میں بعض الفاظ بطور جمع استعمال ہوئے ہیں ان کا مفرد صیغہ نہیں آیا، جب کبھی اس کے مفرد کی ضرورت ہوئی اس کا مرادف لفظ لایا گیا۔ مثلاً ''لب'' کا لفظ ہے، قرآن کریم میں اس کی جمع آئی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝

بیشک اہل عقل کے لئے اس میں نصیحت ہے۔ (۳۷)

وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

اور تا کہ عقل والے نصیحت پکڑیں۔ (۳۸)

اس کا مفرد نہیں آیا بلکہ ''لب'' کی جگہ ''القلب'' کا لفظ آیا ہے: ارشاد ربانی ہے:

(۳۶) النجم: ۲۱، ۲۲　(۳۷) الزمر: ۲۱　(۳۸) ابراہیم: ۵۲

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ۝

بے شک اس میں ہر صاحب دل کے لئے بڑی نصیحت ہے یا جو متوجہ ہو کر کان لگائے۔ (۳۹)

چونکہ لفظ ''باء'' مشدّ د ہے اور اس میں تشدید لام کی وجہ سے آئی ہے، اس جیسے لفظ کا استعمال عمدہ نہ تھا سو اس کو نظم قرآن سے قطعاً ساقط کر دیا۔

اسی طرح لفظ ''الکوب'' ہے۔ قرآن مجید میں اسے بطور جمع لایا گیا ہے مفرد کے صیغہ میں نہیں آیا کیونکہ بولنے میں جو روانی، ظہور اور حسن تناسب لفظ ''اکواب'' جمع کے صیغہ میں ہے وہ ''کوب'' میں نہیں، یہی حالت لفظ ''الارجاء'' کی ہے۔ قرآن میں یہ بصیغۂ جمع آیا ہے اس کا مفرد ''الرجا'' نہیں آیا، کہ نظم قرآن میں اس کی ادائیگی آسان نہ تھی۔

اس کے برعکس ''الارض'' کا لفظ ہے قرآن کریم میں یہ لفظ مفرد ہی آیا ہے بصیغۂ جمع ارضین'' نہیں آیا، جب اس کو بصیغۂ جمع لانے کی ضرورت ہوئی، اس لفظ کو اس صورت سے نکال کر کمال فصاحت سے نہایت عمدگی سے دوسرے لفظ سے بدل دیا گیا، جسے دیکھ کر ہر فکر سجدہ ریز ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ

اللہ وہی ہے جس نے سات آسمان اور انہیں کی طرح سات زمینیں پیدا کیں، ان میں خدا کا حکم نازل ہوتا رہتا ہے۔ (۴۰)

یہاں وسبع ارضین (اور سات زمینیں) نہیں فرمایا کہ اس لفظ کی ساخت سے نظم قرآن متاثر ہوتا۔

۴۔ سورۃ الاعراف کی اس آیت کریمہ میں غور کریں:

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ

(۳۹) ق:۳۷ (۴۰) الطلاق:۱۲

وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ

پھر ہم نے کھلی کھلی نشانیاں بنا کر ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون (کا عذاب) بھیجا۔ (۴۱)

یہ پانچ نام ہیں، ان میں از روئے تلفظ خفیف ترین طوفان، جراد اور دم ہیں اور ثقیل ترین قمل اور ضفادع ہیں، طوفان کو سب سے پہلے لایا گیا اس میں دو مدیں ہیں، تا کہ زبان ان کی خفت سے مانوس ہو، پھر جراد لایا گیا اس میں ایک مد ہے، پھر ایسے دو ثقیل الفاظ لائے گئے جن کی ابتداء میں زبان پر ان سے اخف اور غنہ کی وجہ سے بعید تر صوت والے حروف آئے ہیں، اور آخر میں لفظ ''دم'' آیا ہے جو ان پانچ میں سے سب سے ہلکا ہے اور سب سے کم حروف پر مشتمل ہے تا کہ زبان پر اس کی ادائیگی آسان ہو اور نظم کا ذوق بھی برقرار رہے۔ اس طرح الفاظ کی ترکیب میں اعجاز مکمل ہوا، اور اگر آپ ان پانچ اسماء کو اس وضع سے بدلیں گے یا مقدم ومؤخر کریں گے تو آپ فصاحت سے محروم رہیں گے، مطلوبہ تاثر زائل ہو جائے گا۔ اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی کہ قرآن کریم کا اسلوب بشریت کے تمام اسالیب سے بالکل منفرد اور مختلف ہے۔ اگر اس کا اسلوب انسان کا وضع کردہ ہوتا تو اہل عرب کے یا بعد میں آنے والے کسی اسلوب کے مشابہ ہوتا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۝

اور اگر وہ (قرآن) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ (۴۲)

اہل عرب نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا اور ان کے بلغا یقینی طور پر اسے جان گئے ورنہ وہ خاموش اور لاجواب نہ ہوتے اور اس کی مثل لانے سے عاجز ودرماندہ نہ ہوتے، مقابلے سے پیچھے نہ ہٹتے، انہوں نے اس کلام کو انسانی کلام کی جنس سے ماورا پایا سو وہ اس مقدس کتاب کا مقابلہ کیسے کر سکتے تھے جو خالق کے کلام پر مشتمل تھی۔ (۴۳)

علامہ زرقانی اسلوب قرآن کے خصائص کے موضوع پر کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا حیرت انگیز دلکش رنگ ہے اس کا صوتی نظام ہو یا لغوی جمال ہر مقام پر یہ رنگ غالب ہے، قرآن کریم کے صوتی نظام میں اس کا تسلسل اور روانی، حرکات، سکنات، مدّات، غُنّات اور اتصال و

(۴۱) الاعراف: ۱۳۳ (۴۲) النساء: ۸۲ (۴۳) رافعی/ اعجاز القرآن/ ص ۲۶۱

سکتات میں حیرت انگیز ربط ہے، ایسا عمدہ ربط وتسلسل کہ سامع کے سماع کی رعایت ہے اور قلب و جان اس کی طرف بے ساختہ مائل ہوتے چلے جاتے ہیں، کسی اور منظوم یا نثری کلام میں ایسا بہترین ربط وتسلسل ناممکن ہے۔ قرآن کریم کے لغوی جمال سے ہماری مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کے حروف اور کلمات کی ترتیب انسانوں کے کلام کی ترتیب سے ممتاز اور جداگانہ ہے، قرآن کا یہ لغوی اعجاز انتہائی بلندیوں پر نظر آتا ہے، یہاں تک کہ اگر قرآن میں دورانِ قراءت لوگوں کا کلام شامل کر دیا جائے تو قاری کی قرأت کا مزہ ہی جاتا رہے، سامع کے کان اس خلل کو محسوس کرنے لگیں

اس لغوی جمال اور صوتی نظام کی اس سے بھی عجیب تر یہ جہت ہے کہ یہ ایک طرح سے اعجاز کی دلیل ہیں، یہ حفظ قرآن کی ممنوع فصیل ہیں اور قرآن کریم کا لغوی جمال اور صوتی نظام قوت سماع کی نگرانی کرتے، توجہ کو بڑھاتے اور ہر انسان کی آگاہی کے دواعی کو متحرک کرتے ہیں، اسی وجہ سے تاقیامت قرآن کریم مخلوق کی زبانوں اور ان کے کانوں پر بالا دست رہے گا، اس کی ذات اپنی تمام تر شان وشوکت اور حسن و جمال کے ساتھ پہچانی جائے گی اور کسی کو اس میں تبدل و تغیر کی جرأت نہ ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

بے شک ہم ہی نے ذکر (قرآن) اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (۴۴)

قرآن کریم کے اسلوب میں یہ خاصیت بھی ہے کہ یہ بیک وقت عقل اور دل کو مخاطب کرتا ہے اس میں حق اور جمال دونوں ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔

منکرین مکذبین کے خلاف حشر ونشر پر عقلی دلیل ملاحظہ کریں۔ قرآن کریم کا استدلال دیکھیں قلوب واذہان کو کیسا نشاط دیتا ہے، اعلیٰ درجے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، مسکت فیصلہ کن اور لاجواب کر دینے والے دلائل سے نوازتا ہے، سورۃ فصلت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

(۴۴) الحجر: ۹

اور (اے مخاطب) اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو زمین کو جھکنے والا دیکھتا ہے پھر جب ہم اس (خشکی) پر پانی برساتے ہیں تو وہ تروتازہ ہوکر لہلہانے لگتی ہے، بے شک جس نے اس (خشک) زمین کو زندہ کیا وہی (قیامت کے دن) مردوں کو زندہ کرے گا، بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے (۴۵)

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝

اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا پھر اس سے باغ اگائے اور کاٹنے کا غلہ۔ اور کھجور کے بلند درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔ بندوں کو رزق دینے کے لئے اور اس (پانی) سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ اسی طرح قیامت کے دن (قبروں سے) نکلنا ہوگا (۴۶)

عقل کو لاجواب کردینے والے اس عمدہ اسلوب میں غور کریں جس نے آنِ واحد میں ہوش وخرد کو اپنا شیدائی بنالیا ان جملوں میں غور کریں جو دلائل کے نتائج کے طور پر مذکور ہیں۔ پہلی آیت میں ارشاد ہے: **ان الذی احیاھا لمحی الموتیٰ** دوسری آیات کے آخر میں فرمایا: **کذلک الخروج** یعنی حشر ونشر کے لیے قبور سے خروج اور نکلنا۔ کیا مسحور کن جمال اور کیسا دلفریب اعجاز ہے جو انسان کے قلب اور عقل دونوں کو اپنے حسین ترین بیان، روشن روشن دلائل سے معدودے چند کلمات سے اپنی طرف متوجہ فرمالیتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ دیکھیں، دورانِ قصہ متاثر کن نصائح اور روشن ترین دلائل ملاحظہ کریں جو عفت، شرف اور امانت کا دامن تھامنے کو لازم کررہے ہیں، اس بے مثال قصے کے ایک حصے میں ارشاد ہورہا ہے:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۭ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(۴۵) حم السجدہ: ۳۹　(۴۶) ق: ۹ تا ۱۱

اور جس عورت کے گھر میں (حضرت) یوسف رہتے تھے اس نے ان کو
اپنے نفس کے بارے میں پھسلایا اور دروازہ بند کر کے کہنے لگی کہ بس آجاؤ،
انھوں نے کہا کہ اللہ کی پناہ، بیشک وہ (تیرا شوہر) تو میرا آقا ہے جس نے
مجھے اچھی طرح رکھا، بے شک بے انصاف لوگ فلاح نہیں پاتے (۴۷)

اس آیت کریمہ میں غور کریں گمراہی کے تین محرکات اور پاک دامنی کے تین دواعی آمنے سامنے ہیں، رحمانی لشکر اور شیطانی لشکر ایک دوسرے کے مقابل نظر آتے ہیں۔ اور منصف مزاج عقل کے روبرو ترازو کے دونوں پلڑے آگئے ہیں۔ قرآن کریم اسی طرح خوش گوار اور حلاوت سے پُر ہے۔ وہ دل ودماغ کو بتدریج عقلی دلائل سے نوازتا چلا جاتا ہے اور ذہن وفکر کو متوجہ کرتا ہے، کہیں کسی بشر کے کلام میں یہ استعداد ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، انسانی کلام اگر عقل کو بھرپور حق دیتا ہے تو جذباتی کیفیت سے عاری ہوتا ہے اور اگر جذبات کو مہمیز کرتا ہے تو عقل کا حصہ کم ہوجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عرف عام میں بشری اسلوب صرف دو قسموں میں منحصر ہیں، علمی اسلوب اور ادبی اسلوب، تیسری کوئی قسم نہیں۔ علم کے متلاشی ادبی اسلوب سے متاثر نہیں ہوتے اور ادب کے شیدائی علمی اسلوب سے راضی نہیں ہوتے، نیز آپ علماء اور محققین کے کلام کا جائزہ لیں آپ کو ان کے کلام میں ایسی کمزوریاں ملیں گی جو دل ودماغ کو قطعاً متاثر نہیں کرتیں، دوسری طرف شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات پر نظر ڈالیں آپ کو ان میں علمی طور پر ایسا لا حاصل اور بانجھ کلام ملے گا جو افکار کی آبیاری سے تہی دامن ہوگا اور عقل اس سے مطمئن نہیں ہوگی۔ لیکن قرآن ہر قسم کے کلام سے بالاتر اور ارفع ہے، وہ ہر فرد کے لیے باعث کشش ہے کہ وہ قادر مطلق کا نازل فرمودہ ہے جس کا مقابلہ ناممکن ہے، فتبارک اللہ احسن الخالقین (۴۸)

اعجاز قرآن کی تیسری وجہ

اعجاز قرآن کی تیسری وجہ ایسا عمدہ اختصار اور پرشکوہ الفاظ ہیں کہ کوئی بشر ان کی مثال لانے سے عاجز ہے یہ بشر کی طاقت اور انسان کی قدرت سے بلند تر ہے، بدوی بکریوں کا چرواہا قرآن سنتا ہے تو اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوجاتا ہے، یہ اس کتاب مجید کی شان وشوکت اور حسن و

(۴۷) یوسف: ۲۳ (۴۸) مناہل العرفان/ص ۲۱۰

جمال کا کرشمہ ہے، تو کیا قرآن ان سامعین کے دلوں میں اثر انداز نہ ہوگا جو اس بدوی گنوار سے احساس وشعور میں کہیں بڑھ کر ہیں، ان پڑھ گنواروں کا اس سے متاثر ہونا قرآن کریم کے نرم روی سے احساس وشعور کو اپنی گرفت میں لینے کی دلیل ہے۔

اصمعی اور ایک لڑکی کا واقعہ

مروی ہے کہ ایک دن اصمعی باہر گیا اسے پانچ چھ برس (یا پانچ چھ بالشت) کی لڑکی ملی وہ نہایت عمدہ اشعار گا رہی تھی، اصمعی کو یہ اشعار بہت پسند آئے اسے ان اشعار کے اسلوب، الفاظ کی فصاحت اور بہترین اظہار خیال نے بے خود کر دیا، اس نے لڑکی سے کہا کہ تجھے اللہ مارے تو کس قدر فصیح ہے؟ لڑکی نے پلٹ کر جواب دیا کہ تیرا ناس ہو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بعد اس کو فصاحت شمار کیا جائے گا:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ تم اس (بچے) کو دودھ پلاتی رہو، پھر جب تجھے اس کی نسبت کوئی اندیشہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دینا اور کچھ خوف وغم نہ کرنا، یقیناً ہم اس کو تیری طرف لوٹانے والے ہیں، اور اس کو رسولوں میں سے بنائیں گے۔ (۴۹)

پھر اصمعی سے کہا: اس آیت کریمہ میں بلاغت آمیز اختصار کے باوصف دو امر، دو نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں جمع ہیں۔ (۵۰) اصمعی کہتے ہیں مجھے اس کے اشعار سے زیادہ اس کی فہم و فراست پر تعجب ہوا، یہ کم سن بدوی لڑکی اس قدر علم اور فہم وادراک کی مالک تھی۔ لڑکی کے اشعار یہ تھے:

میں اپنے ان تمام گناہوں کی اللہ سے مغفرت طلب کرتی ہوں جو میں نے انسان کی حیثیت سے کیے، انہیں میں نے جائز سمجھ کر نہیں کیا۔ اس شخص کی

(۴۹) القصص: ۷ (۵۰) تفسیر القرطبی/ جز ۱۳ص ۲۵۲

طرح جو اپنے ناز و ادا میں سرخوش رہتا ہے آدھی رات گزر گئی اور اس نے
نماز نہیں پڑھی۔

اس لڑکی نے اصمعی کی توجہ قرآن کی عمدہ فصاحت و بلاغت اور اختصار و ایجاز کی جانب مبذول کرائی، اس آیت کریمہ میں دو امر یہ ہیں ارضعیه اور القیه فی الیم دو نہی لاتخافی اور لاتحزنی ہیں، دو خبریں اوحینا اور خفت اور دو بشارتیں انا رادّوہ الیک اور جاعلوہ من المرسلین ہیں، پہلی بشارت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہ سلامت و کرامت واپس لوٹانے کا وعدہ ہے، اور دوسری بشارت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو رسول اور ہادی بنائے گا۔

اللہ آپ کی حفاظت فرمائے غور کریں اس بدوی لڑکی نے اپنی عربی فطرت سے اس اختصار اور اعجاز کے بھید کی کتنی عمدہ نقاب کشائی کی اور اصمعی کو قرآن کے ان اسرار سے باخبر کیا جس کے ادراک سے وہ قاصر تھا، گویا قرآن کریم کی یہ آیت موتیوں اور مرجان کی سفتہ لڑی ہے اور اس کا ہر موتی ترازو میں تُلا ہوا ہے۔

ب: مشہور کاتب اور شہسوار بلاغت ابن المقفع کے متعلق مروی ہے کہ ایک مرتبہ اس نے قرآن کریم کا معارضہ کرنے کی کوشش کی اس نے ایک لڑکے کو یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے سنا:

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝

اور حکم ہوا اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی سکھا دیا گیا اور کام تمام ہو گیا اور کشتی جودی (پہاڑ) پر آٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ ظالموں پر پھٹکار ہے۔ (۵۱)

تو قلم توڑ دیے اور بطور معارضہ تحریر کردہ صفحات پھاڑ ڈالے اور کہا: اللہ کی قسم! کوئی بشر اس کی مثل نہیں لا سکتا۔ اور شرم کے مارے کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کیا۔

اس طرح ایک ادیب کبیر اپنے عزم و ارادہ سے باز آ گیا، حالانکہ قبل ازیں وہ قرآن

(۵۱) هود: ۴۴

کریم کی بعض سورتوں کا معارضہ کرنے کا خواہش مند تھا، صرف ایک آیت کریمہ کی فصاحت و بلاغت نے اس کو بھٹکنے سے بچالیا اور اسے شعور مل گیا۔

آپ قرآن کریم کے اسلوب میں فصاحت اور اختصار کو ملاحظہ کریں اور اس اسلوب کا کسی بھی بے مثال عربی ادیب کے کلام سے موازنہ کریں، قرآن کا اسلوب تمام اسالیب سے اعلیٰ و ارفع نظر آئے گا، خود سید المرسلین محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی فصاحت و بلاغت کے دوست دشمن سب قائل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اور کلام الٰہی کا موازنہ کریں آپ کو واضح فرق اور گہرا امتیاز نظر آئے گا بعینہٖ جیسے زمین و آسمان کے مابین فرق ہے، قرآن کریم کی بلاغت، تر وتازگی، حسن و جمال اور چمک دمک، اختصار و بیان اور عمدگی و خوبی میں اعلیٰ طبقہ اور بلند ترین درجہ میں جلوہ فرما ہوگی۔

غور کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت، اس کے خلود اور اس کی نعمتوں کی صفت میں فرماتے ہیں کہ اس میں ایسی نعمتیں ہیں جن کو آنکھ نے نہیں دیکھا جن کے بارے میں کسی کان نے نہیں سنا اور کسی بشر کے دل میں ان کا خیال نہیں گزرا۔

ان الفاظ کی عمدگی، دلکشی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل جنت کے نعمتوں کے وصف میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات سنئے:

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۖ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

اور وہاں وہ سب ہوگا جس کے لئے دل چاہے گا اور جس سے آنکھیں لذت پائیں گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ (۵۲)

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

سو کسی شخص کو معلوم نہیں کہ ان کے لئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے، یہ (اس کا) بدلہ ہے جو کچھ وہ دنیا میں کرتے تھے۔ (۵۳)

---

(۵۲) الزخرف: ۷۱ (۵۳) السجدہ: ۱۷

کلام الٰہی موزونیت و ترکیب میں حسین تر ہے، اس کے الفاظ شیریں تر اس کی عبارت مختصر اور اس کے حروف قلیل تر ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی اور بعد میں مذکور فرمانِ الٰہی کے درمیان موازنہ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی رعیت (زیرِ نگرانی شے) کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ مرد اپنے گھر کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہوگا۔ اور فرمانِ الٰہی ہے:

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

سو قسم ہے تیرے رب کی ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے ہر اس چیز کی جو وہ کرتے تھے۔ (۵۴)

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ

سو ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔ (۵۵)

اسی طرح آپ موازنہ کرتے جائیں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام اپنی تمام تر فصاحت و بلاغت اور عمدگی و رعنائی کے باوجود بشریت کے کلام کی حدود سے ورا نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا کلام بشریت کے کلام کی تمام حدود سے ماوراء ہے کہ وہ خالقِ بشر کا کلام ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ سابقہ امتوں میں سے بعض امتوں کا حال بیان فرماتا ہے، منکرین و مکذبین کا انجام اور ان پر آنے والے ہولناک مصائب اور آفات کا ذکر کس اچھوتے انداز میں ہو رہا ہے، ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ یہ سب کچھ ان کا اپنا کیا دھرا تھا، ان کی نافرمانی اور سرکشی کا نتیجہ تھا، جب انہوں نے سرکشی میں آ کر تمام حدود کو پائمال کر دیا تو ان میں سے کوئی بھی نجات نہ پا سکا۔ اللہ جل ثناءہٗ فرماتا ہے:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

(۵۴) الحجر: ۹۲، ۹۳ (۵۵) الاعراف: ۶

أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۴۰﴾

پھر ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ پر پکڑ لیا سو ان میں سے کسی پر تو ہم نے پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیجی اور ان میں سے کسی کو کڑک نے آلیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا، اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن یہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔(۵۶)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ ابن الحصار سے نقل کرتے ہیں کہ نظم، اسلوب اور اختصار یہ تینوں وجوہ قرآن کریم کی ہر سورت بلکہ ہر آیت کا لازمہ ہیں، ان تین وجوہ سے ہر سورت اور ہر آیت انسانی کلام سے ممتاز اور ممیز ہے، اسی میں تحدی اور نتیجتاً انسانوں کی بے بسی ہے، ہر سورت ان تین وجوہ میں متفرد ہے خواہ اس میں ان دس وجوہ اعجاز میں سے کسی دوسری وجہ کا ذکر نہ ہو۔ یہ قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورت سورۃ الکوثر ہے۔ اس میں تین مختصر آیات ہیں، اس میں بھی دو طرح کی خبریں موجود ہیں۔

۱۔　جنت کی نہر کوثر کی عظمت، وسعت اور اس کے برتنوں کی کثرت کا بیان ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والے تمام رسولوں کی اتباع کرنے والوں سے زیادہ ہوں گے۔

۲۔　ولید بن المغیرہ کے بارے میں خبر، حالانکہ اس آیت کے نزول کے وقت وہ صاحبِ اولاد اور بڑا مال دار تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے مال اور اولاد کو ہلاک کر دیا اور اس کی نسل منقطع ہوگئی (۵۷)

اعجاز قرآن کی چوتھی وجہ، کامل تشریع الٰہی

قرآن کریم کے اعجاز کی چوتھی وجہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے مکمل قانون کی فراہمی ہے جو انسانوں میں مشہور ہر قانون سے بالاتر ہے، قدیم قوانین ہوں یا جدید، کوئی قانون قرآنی قوانین کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا، قرآن کریم نے عقائد کے اصول، عبادات کے احکام، فضائل

(۵۶) العنکبوت: ۴۰　(۵۷) الجامع لاحکام القرآن/ ج ۱ ص ۷۴۔

وآداب کے قوانین اور اقتصادی، سیاسی، مدنی، اجتماعی قواعد وقوانین بیان فرمائے ہیں، قرآن ہی نے خاندانی اور معاشرتی سطح پر نظم حیات قائم فرمایا ہے، انسان کی عزت وتکریم کے اعلیٰ اصول وضع فرمائے ہیں، جن کا بیسویں صدی کے مصلحین ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں یعنی آزادی، عدالت اور مساوات، (جمہوریت) اسی طرح تہذیب وتمدن کی بنیادیں جن کا آج کل بڑا چرچا ہے اور جدید مدنیت جس کی دیوانی ہے سب کچھ قرآن کریم کا عطیہ ہے۔

عقائد میں قرآن کریم بلند مرتبہ پاکیزہ، واضح، باعظمت عقائد کا داعی ہے، اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ پر ایمان، تمام انبیاء اور رسل علیہم السلام کی تصدیق اور تمام کتب سماوی پر غیر متزلزل ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟

جو کچھ رسول پر اس کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر رسول اور مومنین یقین رکھتے ہیں، ہر ایک، اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آیا، ہم ان میں سے کسی ایک رسول میں بھی فرق نہیں کرتے۔ (۵۸)

اہل کتاب یہود اور نصاریٰ کو ایک ایسے کلمہ کی طرف دعوت دی جس سے منحرف ہونے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۶۴

(۵۸) البقرہ: ۲۸۵

(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی
طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی
عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی
ایک دوسرے کو رب نہ بنائے سوائے اللہ کے، پھر اگر وہ اس کو بھی نہ مانیں تو
آپ کہہ دیجئے کہ گواہ رہو کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں (۵۹)

عبادات میں قرآن کریم بنیادی اور اہم ترین عبادات کا نظام لایا ہے نماز، روزہ، حج زکوٰۃ اور تمام اعمال خیر مشروع فرمائے، اسلام میں عبادت صرف مذکور الصدر اہم ارکان پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ خیر، بھلائی اور طاعت پر مشتمل تمام اعمال اس میں شامل ہیں، اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ ہر وہ عمل جس سے انسان اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ کرتا ہے وہ عبادت ہے، اور یہ کہ اچھی نیت عادت کو عبادت میں بدل دیتی ہے، جب انسان حرام سے بچنے اور اہل وعیال کے اخراجات پورے کرنے کے لیے کوئی جائز پیشہ یا کام کرتا ہے اور تقویٰ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس پر اس کو ثواب عطا ہوتا ہے۔

اس کی اصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے جو بھی خرچ کرتے ہو اس پر تم کو ضرور اجر وثواب ملتا ہے یہاں تک وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھتے ہو۔ (۶۰) نیز ارشاد فرمایا کہ تمہارے بیوی کے پاس جانے میں اجر ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی اپنی شہوت کی تکمیل کے لیے ایسا کرتا ہے اور اس میں اجر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دیکھو اگر وہ حرام طریقے سے شہوت رانی کرتا کیا اس پر گناہ نہ ہوتا؟ اسی طرح جب اس نے حلال طریقہ اپنایا ہے تو اس کو اجر ملے گا۔ (۶۱)

جب ہم فرض عبادات کے اصول میں دقت نظر سے کام لیتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام نے ان میں وسعت اور تنوع رکھا ہے، ان کی متفاوت اور مختلف اقسام ہیں، بعض عبادات مالی ہیں جیسے زکوٰۃ اور صدقات وغیرہ، بعض بدنی ہیں جیسے نماز اور روزہ، اور بعض عبادات مالی اور بدنی دونوں پہلو لیے ہوئے ہیں جیسے جہاد فی سبیل اللہ کہ اس میں جان اور

(۵۹) آل عمران: ۶۴ (۶۰) صحیح البخاری (۶۱) صحیح مسلم

مال دونوں خرچ کرنے ہوتے ہیں (اسی طرح حج ہے) اس تنوع میں بڑی گہرائی اور گیرائی ہے اور عظیم ترین حکمت پنہاں ہے، تاکہ نفس کسی چیز سے ایسا مانوس نہ ہو کہ وہ اس کی عادت بن جائے یا وہ عبادت کی یکسانیت سے تنگ دل اور ملول ہو۔

عام قوانین کے طور پر قرآن کریم نے تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور قابل سزا جرائم کے لیے قوانین وضع کئے ہیں، حالت صلح اور جنگ میں مملکت کے کردار کی کامل ترین اور عادلانہ بنیادیں رکھ دی ہیں، معاملات میں قرآن کریم نے لوگوں کے اموال ناحق اور باطل طریقوں سے ہتھیانے کو حرام قرار دیا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝

اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق نہ کھایا کرو، ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت ہو (تو کوئی مضائقہ نہیں) اور آپس میں خون ریزی نہ کیا کرو، بیشک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ (۶۲)

معاہدے کو آخری شکل دیتے وقت اور ادھار لیتے دیتے وقت گواہی قائم کرنے کا حکم دیا ہے

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ

اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک مقررہ مدت کے لئے ادھار معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو، اور چاہئے کہ تم میں سے کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے۔ (۶۳)

قابل سزا جرائم میں قرآن کریم نے حدود متعین کی ہیں اور امت پر ان کے نفاذ کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ معاشرہ متحد رہے اس میں انتشار، لاقانونیت، افراتفری اور اضطراب پیدا نہ ہو، لوگ اپنی زندگی، مستقبل، اموال اور عزتوں کو محفوظ اور مامون سمجھیں، اور وہ امن وچین سے

(۶۲) النساء: ۲۹ (۶۳) البقرہ: ۲۸۲

پرسکون زندگی گذاریں۔

قرآن کریم نے وضاحت فرمادی ہے کہ بڑے بڑے جرائم فرد اور جماعت کے مستقبل کے لیے خطرناک ہوتے ہیں، قرآن نے ان میں سے ہر ایک کے لیے ایسی سزا مقرر کی ہے کہ اس میں کمی، زیادتی یا اس کے نفاذ میں سستی قطعاً جائز نہیں۔ البتہ ان کے ماسوا معمولی جرائم کی سزا کو مسلمان حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، وہ سنت نبویہ مطہرہ کی روشنی میں ایسی مناسب سزا نافذ کرسکتا ہے کہ جس سے لوگوں میں اسلام کی روح کے مطابق خیر کا بول بالا ہو اور معاشرہ اجتماعی طور پر برائیوں اور زیادتیوں سے پاک صاف ہو۔ لیکن بڑے بڑے جرائم کے لیے قرآن کریم نے ایسی سزائیں مقرر کی ہیں جس کے خوف سے مجرم اپنے ارادوں سے باز رہیں اور معاشرتی امن وسکون میسر آئے، قرآن نے پانچ بڑے جرائم قتل، زنا، چوری، ڈاکہ اور بہتان تراشی کی سزائیں مقرر کر دی ہیں۔ لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مقابلے میں قرآنی تشریع کی اثر انگیزی کی بہترین مثال خود اہل عرب ہیں، قرآن کریم نے ایسے حکیمانہ طریقے سے ان کے اجتماعی اور معاشرتی امراض اور مفاسد کا علاج کیا کہ ہر فساد کا خاتمہ ہوگیا اور ان کے دل و دماغ سے ہر جرم کا استیصال ہوگیا اور قرآن کریم نے ان کو لوگوں میں ظاہر ہونے والی بہترین امت بنا دیا، سو وہ دنیا کے حکمران ہوگئے اور عالم کی سیادت وقیادت ان کو عطا ہوئی۔

دور حاضر کی مثالیں

انسانوں کے بنائے ہوئے تمام قوانین اور دور حاضر میں قائم کردہ تمام نظامہائے حکومت پر یقینی طور پر قرآنی شریعت کو برتری اور تفوق حاصل ہے، دیگر نظاموں پر شریعت اسلامیہ کی واضح برتری کے سلسلے میں دورِ حاضر کی چند مثالیں پیش ہیں۔

۱۔ تھوڑا عرصہ گزرا امریکہ نے شراب پر پابندی لگادی، لیکن یہ پابندی ناکام ثابت ہوئی کیونکہ اس میں وہ حکیمانہ طریق کار نہیں اپنایا گیا جو اسلام نے شراب کو حرام کرنے کے سلسلہ میں اپنایا۔ اب شراب خانہ خراب کے زبردست نقصانات کے باوجود اس کی اجازت دے دی گئی ہے۔

۲۔ بعض مغربی ممالک خصوصاً امریکہ نے چرچ کی طرف سے طلاق کی ممانعت کے

باوجود اس کی اجازت دے دی، نتیجتاً طلاق کی شرح ہوش ربا حد تک بڑھ گئی اور ان کو طلاق کے لیے قانون سازی کرنی پڑی۔

۳۔ یورپی مصلح اب تعدد ازواج کے حق میں آواز بلند کرنے لگے ہیں حتیٰ کہ بعض یورپی خواتین بھی اس کا مطالبہ کرنے لگی ہیں کیوں کہ وہاں غیر شادی شدہ عورتوں کی کثرت ہے اور یورپی معاشرہ زبردست مشکل سے دوچار ہے۔

۴۔ شریک حیات سے بے وفائی کا ارتکاب، یورپی معاشرے میں ہولناک صورت میں سامنے آرہا ہے خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کے شدید خطرے سے دوچار ہے، اور بے پردگی، بے حیائی اور مرد وزن کے بے حجابانہ اختلاط سے ایسے بچوں کی کثرت ہوگئی ہے جن کے باپ نامعلوم ہیں

۵۔ اسپین کی حکومت نے اپنے ملک میں قانوناً طوائفوں پر پابندی لگادی ہے اور عورتوں کے ساحلِ سمندر پر تیراکی کے لباس میں آنے کی ممانعت کردی ہے۔

۶۔ دوسری عالمگیر جنگ میں جرمنی کے ہاتھوں فرانس کی شکست پر فرانسیسی رہنما کہتا ہے: اس جنگ میں فرانس کی شکست اور اس کی تباہی و بربادی کا سبب لوگوں کی جنسی بے راہ روی اور دیگر مفاسد و گمراہیوں میں مبتلا ہونا ہے۔

۷۔ آخر میں ہم دیکھتے ہیں کہ عرب معاشرہ میں باوجودیکہ طویل قید و بند اور پھانسی کی سزائیں مقرر ہیں جرائم روز بروز بڑھ رہے ہیں، نوجوان نسل خوفناک حد تک ان کی طرف مائل ہورہی ہے، قتل و غارت گری، چوری چکاری کی وارداتیں، دن دہاڑے گھروں، بینکوں اور بڑی بڑی مارکیٹوں میں ڈاکہ زنی ہورہی ہے، یہاں تک کہ فسادیوں کے بڑے بڑے گروہ بن چکے ہیں جنہوں نے ملکوں اور شہریوں کے امن و سلامتی کو خطرے میں ڈال دیا ہے، یہ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی ناکامی کی سب سے بڑی دلیل ہے، اسلام نے امن و سلامتی عطا کی ہے اور جرائم کو اولین مرحلے میں ختم کیا ہے، ان کو پنپنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ضعیف و کمزور عقلیں مہیمن و دیان کے نظام کے مقابلے میں کہاں آسکتی ہیں۔ اے بیسویں صدی تجھے لوگوں نے ایک ایسا روشن چہرہ سمجھا ہے جس

کا حاصل انسان کی سعادت ہے۔حقیقت یہ ہے کہ تو روشنی نہیں بلکہ تو
آگ اور ظلم ہے کیونکہ تو نے انسان کو حیوان کی طرح کر دیا ہے۔
ربانی قوانین اور انسانی قوانین میں یہی فرق ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(۶۴)

۵۔اعجاز قرآن کی پانچویں وجہ غیب کی خبریں

قرآن کریم کے اعجاز کی ایک اور وجہ غیب کی خبریں دینا ہے یہ اس کی روشن اور فیصلہ کن دلیل ہے کہ قرآن کریم کسی بشر کا کلام نہیں بلکہ اس علام الغیوب رب کا کلام ہے جس سے کائنات کا کوئی ذرہ مخفی نہیں۔اگر قرآن محمد ﷺ کا بنایا ہوا ہوتا جیسا کہ معاندین کا خیال ہے تو قرآن کریم میں مذکور غیبی خبریں غلط ثابت ہوتیں، اور آپ کے پیغام کا کذب ظاہر ہوتا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ گمان کہ آپ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھیں گے خیال است ومحال است وجنوں۔

بعض غیبی خبریں

الف۔قرآن کریم نے خبر دی کہ عنقریب رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ ہوگی اور سابقہ شکست کے باوجود اس جنگ میں رومی فاتح رہیں گے، ارشاد ربانی ہے:

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ ؕ وَ یَوْمَىِٕذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

الٓمّٓ روم والے مغلوب ہو گئے، قریب کے ملک میں، اور وہ مغلوب ہونے کے بعد بہت جلد غالب ہوں گے، چند سال میں، اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ ہی کا ہے اور اس روز (جس روز رومی غالب ہوں گے) مسلمان خوش ہوں گے، اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہی زبردست (اور) رحم کرنے والا ہے۔(۶۵)

---

(۶۴) زرقانی/مناہل العرفان (۶۵) الروم:۱تا۵

مفسرین نے ان آیات کے سبب نزول میں ذکر کیا ہے کہ عیسائی مملکت روم اور مجوسی بت پرست مملکت فارس میں جنگ ہوئی، رومی ہار گئے، مشرک اس خبر سے بہت خوش ہوئے انہوں نے مسلمانوں پر طعنہ زنی کی اور کہا کہ تم اپنے آپ کو اہل کتاب سمجھتے ہو، عیسائی بھی اہل کتاب ہیں، تم نے دیکھا کہ ہمارے (بت پرست) بھائی تمہارے (اہل کتاب) بھائیوں پر غالب آ گئے ہیں، ہم بھی یقیناً تم پر غالب آ جائیں گے، مسلمان غمگین ہوئے اور اہل کتاب رومیوں کے بت پرست ایرانیوں سے شکست کھانے پر افسردہ ہوئے، تب یہ آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنائی گئی کہ تین سے نو سال کی مختصر مدت میں رومی، ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے، اس بشارت کے وقت رومیوں کا ایرانیوں پر غلبہ خام خیالی نظر آتا تھا، ہلاکت خیز جنگوں نے رومیوں کی کمر توڑ دی تھی اور جنگ کے شعلے ان کے دار الحکومت تک پہنچ رہے تھے، ایرانی سلطنت نا قابلِ شکست ہو چکی تھی، اس آخری جنگ نے ان کی قوت اور نا قابل شکست ہونے میں اہم کردار ادا کیا تھا، جب یہ آیات نازل ہوئیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف مشرک سے نو سال کے اندر اندر رومیوں کے فتح یاب ہونے پر سو اونٹوں کی شرط باندھ لی، اور اس مدت کے گزرنے سے پہلے رومیوں اور ایرانیوں میں زبردست جنگ ہوئی، رومی جیت گئے اور ایرانی شکست سے دوچار ہوئے۔ قرآن کریم کی خبر کا صدق روز روشن کی طرح واضح ہو گیا، یہ ۶۲۲ء مطابق ۲ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شرط جیت لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق جیتے ہوئے اونٹ صدقہ کر دیئے۔ اس آیت میں دوسری غیبی خبر یہ ہے کہ رومیوں کی فتح کے موقع پر مسلمان بھی عن قریب فتح و نصرت سے شادکام ہوں گے۔ ویومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں وعدے سچے فرمائے، جس دن رومی، ایرانیوں سے جیتے اسی دن مسلمان بدر کے میدان میں مشرکین کے خلاف فتح و کامرانی سے نوازے گئے۔ اور اللہ کے فضل سے دونوں غیبی خبریں ایک ہی وقت میں متحقق ہو گئیں۔ زمخشری کہتے ہیں کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے برحق ہونے کی روشن دلیل ہے اور یہ کہ قرآن اللہ کا نازل فرمودہ ہے، کیونکہ اس آیت میں غیب کی خبریں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ (۶۶)

(۶۶) الکشاف / ج ۴ ص ۳۴۵

ب۔ قرآن کریم نے یہ خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مکہ مکرمہ میں امن واطمینان سے داخل ہوں گے۔

حدیبیہ کی طرف جانے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ اور آپ کے اصحاب بحالت امن مکہ میں داخل ہوئے اور (عمرہ کرنے کے بعد) سر منڈائے اور بال کترائے۔ آپ نے اپنے صحابہ کو یہ خواب سنایا وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے اسے اسی سال عمرے کی سعادت سے ہم کنار ہونے کی خوشخبری سمجھا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب حق ہے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے سال وہ مدینہ طیبہ سے احرام باندھے قربانی کے جانور ساتھ لیے عمرے کی ادائیگی کے ارادے سے روانہ ہوئے، ان کا جنگ کا ارادہ نہ تھا لیکن قریش آڑے آئے اور جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب سفارت کاری کے بعد صلح پر راضی ہو گئے اور آپ نے امن وامان کو ترجیح دی، اس صلح کی شرائط میں ایک شرط یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرے کے لیے آئیں۔ منافقوں کو اس سے طعنہ زنی، فریب کاری اور عیب جوئی کا موقع مل گیا یہاں تک کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کہا کہ بخدا ہم نے سر منڈایا نہ بال کتروائے نہ مسجد حرام کو دیکھا (جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں یہ سب دیکھا تھا) لیکن آیت کریمہ نے تینوں وعدوں کو مؤکد کر دیا کہ مسلمان مکہ میں داخل ہوں گے، عمرہ ادا کریں گے اور قریش سے امن میں رہیں گے، حالانکہ مسلمانوں کے متعلق قریش کی وعدہ خلافی، دھوکہ دہی اور قطع رحمی ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، سال پورا ہوا اہل ایمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں امن واطمینان سے عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ میں داخل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾

یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو واقعی سچا خواب دکھایا کہ ان شاء اللہ تم امن و

امان کے ساتھ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے، (بعض) سر منڈواتے ہوئے اور (بعض) بال کترواتے ہوئے، کسی اندیشے کے بغیر، سو اللہ کو وہ معلوم ہے جو تم نہیں جانتے، پھر اس نے اس (فتح مکہ) سے پہلے ہی ایک نزدیک کی فتح دے دی (یعنی خیبر کی فتح)۔ (۶۷)

ج۔ مشرکوں کے خلاف جنگیں شروع ہونے سے قبل قرآن کریم نے مشرکوں کی شکست کی خبر دی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِیۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَیُہۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ یُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَۃُ مَوۡعِدُہُمۡ وَ السَّاعَۃُ اَدۡہٰی وَ اَمَرُّ ﴿۴۶﴾

یا کہتے ہیں کہ ہم ایک بڑی بھاری جماعت ہیں جو غالب ہی رہیں گے۔ عن قریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ بلکہ ان کے وعدہ کا وقت تو قیامت ہے اور قیامت بڑی سخت اور بڑی تلخ ہے۔ (۶۸)

سورۃ القمر مکی سورت ہے، جہاد ۲ھ میں مشروع ہوا، اس سورت کے نزول کے وقت جنگ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی، مشرکوں کی شکست کا کیا سوال تھا، مزید برآں قلیل تعداد اور سامانِ حرب سے تہی دستی کے باوجود مسلمانوں کی فتح یابی کا کیا معنیٰ؟ لیکن اللہ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے۔

جناب عکرمہ سے مروی ہے جب آیت کریمہ:

سَیُہۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ یُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

عن قریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ (۶۹)

نازل ہوئی تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کونسی جماعت ہے جو عن قریب شکست کھائے گی؟ جب غزوۂ بدر ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہنے ہوئے باہر تشریف لا رہے ہیں اور یہی آیت کریمہ پڑھ رہے ہیں، اس طرح

---

(۶۷) الفتح: ۲۷ (۶۸) القمر: ۴۴، ۴۶ (۶۹) القمر: ۴۵

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس آیت کی تفسیر معلوم ہوگئی۔ (۷۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت کے نزول اور غزوۂ بدر کے درمیان سات سال کا عرصہ تھا۔

د۔ قرآن کریم نے کفار قریش کے تاریک مستقبل کی غیبی خبر دی کہ عن قریب ان کو آسمان دھواں نظر آئے گا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ○ يَّغْشَى النَّاسَ ط هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ○ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ○ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ○ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ○ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ○ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ج اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ○

سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان صریح دھواں لائے جو لوگوں کو گھیر لے، یہ ایک دردناک عذاب ہے، اے ہمارے رب ہم پر سے اس آفت کو دور کردے ہم ایمان قبول کرتے ہیں، ان کے لیے نصیحت کہاں، حالانکہ ان کے پاس کھول کر بیان کرنے والا رسول آچکا، پھر بھی وہ اس (رسول) سے منہ موڑے رہے اور یہی کہتے رہے کہ سکھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے، بیشک ہم کچھ دنوں کے لئے اس عذاب کو ہٹا دیتے ہیں یقیناً تم پھر وہی کروگے، جس دن ہم بہت سختی سے پکڑیں گے، بیشک ہم بدلہ لے کر رہیں گے (۷۱)

ان آیات کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ اہل مکہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی آپ کی نافرمانی اور سرکشی میں حد سے بڑھ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی کہ اے اللہ! ان پر یوسف (علیہ السلام) کے سات سالہ قحط جیسا قحط مسلط فرما" ان پر قحط سالی چھا گئی ہر چیز ختم ہوگئی یہاں تک کہ انہوں نے بھوک کے مارے مردار اور چمڑے کھائے، ان میں سے کوئی آسمان کی طرف نظر ڈالتا تو اسے دھواں سا نظر آتا، ابوسفیان، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض گزار ہوا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اللہ کی فرمانبرداری اور صلہ رحمی کا

(۷۰) تفسیر الکشاف/ جز۴ص ۴۴۰ (۷۱) الدخان: ۱۰،۱۶

حکم دیتے ہیں، آپ کی قوم ہلاک ہورہی ہے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ (۷۲) علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان آیات میں غور کرنے سے پانچ غیب کی خبریں سامنے آتی ہیں:

۱۔ قحط اور بھوک کی وجہ سے مشرکوں کی یہ حالت ہوگی کہ آدمی کو آسمان کے درمیان دھواں سا نظر آئے گا۔

۲۔ جب مشرکین پر یہ مصیبت واقع ہوگی تو وہ اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑائیں گے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ مختصر عرصے کے لیے ان سے یہ عذاب دور فرمادے گا (پھر اس سے بھی بڑی مصیبت سے دوچار فرمائے گا)۔

۴۔ مصیبت دور ہونے کے بعد وہ حسب سابق کفر اور سرکشی میں لوٹ جائیں گے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ بدر کے روز ان سے سخت انتقام لے گا۔

اللہ تعالیٰ نے تمام وعدے متحقق فرمادیئے اور ان پانچ میں سے کوئی ایک خبر بھی ایسی نہ تھی جو شرمندۂ تعبیر نہ ہوئی ہو، وہ ایسے قحط سے دوچار ہوئے کہ ہڈیاں چبانے پر مجبور ہوگئے، بھوک کی شدت اور تکلیف کی وجہ سے اگر کوئی شخص آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا تو اسے اپنے اور آسمان کے درمیان دھواں سا نظر آتا تھا، پھر وہ اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑائے اور التجائیں کیں: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ○ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے قدرے عذاب دور کردیا تو وہ حسب سابق اپنے کفر اور سرکشی کی طرف پلٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن ان سے انتقام لیا اور ان کی سخت گرفت فرمائی، ان کے ستر افراد مارے گئے، ستر گرفتار ہوئے اور بازی مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی۔ کیا مخلوق کے کسی فرد سے ایسا کرنا ممکن ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، یہ تو اللہ غالب اور حکمت والے کا کام ہے۔ (۷۳)

۵۔ قرآن کریم نے خبر دی کہ اسلام تمام ادیان پر غالب رہے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ وہ اس کو (باقی)

(۷۲) بخاری/مسلم (۷۳) مناہل العرفان/ ج ۲ ص ۲۷۳

تمام دینوں پر غالب کر دے اگر چہ مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔(۷۴)

اسی طرح اہل ایمان کے روشن مستقبل کی خبر دی اور ارشاد فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے تو اللہ نے ان کے لئے وعدہ کر لیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں حکومت عطا فرمائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی اور یقیناً جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے وہ اس کو ان کے لئے قوت دے گا، اور البتہ ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔(۷۵)

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ متحقق ہوا اللہ تعالیٰ نے اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرما دیا، مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تمام عرب علاقوں پر غلبہ عطاء فرما دیا، اہل عرب اسلام کے مطیع ہو گئے اور بصورت دیگر مسلمانوں کے ذمہ میں داخل ہو گئے، ان کی شوکت ختم ہو گئی وہ مسلمانوں کو جزیہ دینے لگے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ایران اور روم کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے کسریٰ کی سرزمین فارس اور قیصر کی مملکت روم کو روند ڈالا اور صدی کے اختتام سے پہلے پہلے اسلامی مملکت کی سرحدیں مغرب میں بحر اسود اور مشرق میں چین کو چھونے لگیں، اللہ کریم کا وعدہ سچ ہوا یقیناً اللہ کا وعدہ روبعمل ہو کر رہتا ہے۔

مذکورہ بالا اور ان جیسی کثیر مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں جن میں مستقبل کی خبریں مذکور ہیں اور وہ سب پوری ہوئیں، یہ خارق عادت امر یقیناً قرآن کریم کا اعجاز ہے، کیونکہ تمام خبروں کا صحیح ہونا صرف اللہ جل شانہ کے خبر دینے سے ہی صحیح ہو سکتا ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گزشتہ تمام قوموں کے واقعات سے بطور اخبارِ غیب مطلع فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان واقعات کا علم نہ تھا، چنانچہ اللہ

(۷۴) التوبۃ: ۳۳ (۷۵) النور: ۵۵

تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے:

تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْھَا اِلَیْکَ ج مَا کُنْتَ تَعْلَمُھَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ ھٰذَا ط فَاصْبِرْ ط اِنَّ الْعَاقِبَۃَ لِلْمُتَّقِیْنَ O

یہ (باتیں) غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کررہے ہیں، اس سے پہلے نہ تو ان (باتوں) کو آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔ سو آپ صبر کیجئے۔ اچھا انجام تو پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔ (۷۶)

خاتم المرسلین ﷺ پر قرآن کریم میں نفیس اور عمدہ قصص نازل فرمائے گئے تاکہ وہ آپ کے قلب اطہر کے لیے مضبوطی اور اہل ایمان کے لیے نصیحت کا باعث ہوں، یہ قرآن کریم کے من جانب اللہ ہونے کی عظیم ترین دلیل ہے۔ قرآن کریم کی اعلیٰ حکمت اور واضح معجزات کا کیا کہنا۔

اعجاز قرآن کی چھٹی وجہ جدید عصری علوم سے عدم تعارض

اعجاز قرآن کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس دور میں تحقیقات کی روشنی میں جن کونی علوم کا انکشاف ہوا ہے قرآن کریم نے صدیوں پہلے اس کی جانب دقیق اشارے فرما دیئے ہیں، جدید سائنسی تحقیقی نظریات قرآن کے متعارض نہیں ہیں، بلکہ قرآن کریم نے اس طرف معجزانہ طور پر متوجہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

بہت جلد ہم آفاق میں بھی ان کو اپنی نشانیاں دکھادیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ (قرآن) حق ہے، کیا آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہونے کے لئے کافی نہیں۔ (۷۷)

ہمارے اس اعتقاد کے باوجود کہ قرآن عظیم طبعیات، ریاضی یا فزیالوجی کی کتاب نہیں بلکہ ہدایت وارشاد اور تشریع واصلاح کی کتاب ہے، اس کی آیات میں بعض طبیعی، طبی اور جغرافیائی

---

(۷۶) ھود: ۴۹　(۷۷) فصلت: ۵۳

مسائل کے متعلق ایسے دقیق اشارے اور مخفی حقائق موجود ہیں جو قرآن کریم کے اعجاز اور اس کے وحی الٰہی ہونے کی دلیل ہیں، یقینی طور پر ثابت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے لکھتے پڑھتے نہ تھے، آپ نے ایسے علاقہ میں پرورش پائی جو شہری تمدن سے کوسوں دور تھا، جہاں علوم و معارف تھے نہ ہی ایسے مدارس جہاں کائنات کے متعلق پڑھایا جاتا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا قبیلہ امّی تھا۔

علاوہ ازیں دورِ جدید کے علمی نظریات جن کی جانب قرآن کریم اشارہ کرتا ہے اس دور میں نامعلوم تھے، یہ سائنسی علمی اکتشافات ماضی قریب کا قصہ ہے، اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہی کہ قرآن کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف نہیں جیسا کہ بعض مستشرقین کا خیال ہے، بلکہ یہ اس کی صادق ترین دلیل ہے۔ کہ قرآن وحی الٰہی ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے مضبوط اور پختہ عربی زبان میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل فرمایا ہے۔

استاذ عفیف طبّارہ نے اپنی کتاب ''روح الدین الاسلامی'' میں اس موضوع پر بعض دقیق علمی حقائق ذکر کئے ہیں، اختصار اور تصرف کے ساتھ ان میں سے بعض حقائق حاضر ہیں۔

فصل ہشتم

قرآن کریم کے علمی معجزات

اوّل: وحدت کون

جدید سائنسی نظریات سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ زمین سورج کا حصہ تھی، پھر اس سے الگ ہو کر ٹھنڈی ہوئی اور انسانوں کی رہائش کے قابل بنی، سائنس دان اپنے اس نظریے کی دلیل میں زمین کے اندرونی قلب میں آتشیں اور سخت گرم موادوں کو پیش کرتے ہیں، چنانچہ زمین وقتاً فوقتاً یہ آتشیں مواد باہر نکالتی رہتی ہے، آتش فشاں پہاڑوں سے نہایت گرم لاوا پوری طاقت سے ابل پڑتا ہے۔ یہ نظریہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے متفق ہے:

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین (پہلے) ملے ہوئے تھے پھر ہم نے (اپنی قدرت سے) دونوں کو جدا کر دیا اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا۔ کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے؟۔(۱)

استاد طبارہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن کا معجزہ ہے جس کی جدید سائنسی تحقیق تائید کر رہی ہے کہ کائنات یکجان گیسوں کا مجموعہ تھی پھر اجرام ساویہ کے تصادم سے ٹکڑوں میں بٹ گئی، ہمارا نظام شمسی اسی تقسیم کا نتیجہ ہے۔

آیت کریمہ کے دوسرے حصے میں فرمایا ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ یہ

(۱) الانبیاء: ۳۰

بے مثال سائنسی حقیقت ہے جس کی نقاب کشائی سائنسدانوں نے کی ہے، کیمیاوی تعاملات کی بڑی تعداد پانی کی محتاج ہے، پانی تمام کائنات، نباتات میں حیات برقرار رکھنے کے لیے اساسی عنصر ہے، پانی کے دیگر خواص اس پر دلیل ہیں کہ خالقِ کائنات نے اس میں اپنی مخلوقات کا مفاد رکھا ہے۔ جب درجۂ حرارت کم ہوتا ہے پانی آکسیجن کی بڑی مقدار کو آہستہ آہستہ جذب کر لیتا ہے، جب پانی منجمد ہو جاتا ہے تو اس سے بڑی مقدار میں حرارت خارج ہوتی ہے، جو مچھلی وغیرہ سمندری مخلوق کو جینے میں مدد دیتی ہے۔ قرآن کریم نے جلیل القدر کلمات کے ذریعے نہایت عمدگی اور حکمت سے اس راز حیات کو افشا کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مروی ہے، آپ نے فرمایا:

> آسمان بند تھا بارش نہیں ہوتی تھی، زمین بند تھی نباتات نہیں اگاتی تھی جب اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو پیدا فرمایا آسمان کھلا بارش ہونے لگی اور زمین کھلی نباتات پیدا ہوئے۔(۲)

میں کہتا ہوں یہ حسین وجمیل تفسیر ہے کہ آیت میں استعارہ ہے، قدیم مفسرین کا یہی مذہب ہے، لیکن قرآن کریم جدید سائنسی انکشافات سے منع نہیں کرتا، بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ جدید سے جدید سائنسی تحقیقات اعجاز قرآن کی مؤید بنتی رہیں گی، کسی مفسر کا قول حرف آخر نہیں کہ قرآنی اسرار کا دروازہ بعد میں آنے والوں کے لیے بند ہو جائے، بسا اوقات متاخرین کی ایسے مفاہیم تک رسائی ہوتی ہے کہ متقدمین کی وہاں تک رسائی نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝
>
> بہت جلد ہم آفاق میں بھی ان کو اپنی نشانیاں دکھا دیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ (قرآن) حق ہے کیا آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہونے کے لئے کافی نہیں۔(۳)

---

(۲) تفسیر ابن کثیر / ج ۳ ص ۱۸۷۔ (۳) حم السجدہ: ۵۳

یہ آیت ان آیات میں سے ہے جن کا بھید اللہ تعالیٰ نے بیسویں صدی میں لوگوں پر کھولا ہے

دوم: عالم کون کا وجود میں آنا

فلکیات کا سائنس دان جینز کہتا ہے کہ عالم کون کی ابتدا فضا میں منتشر گیس کے مادے سے ہوئی، اور فلکیات سے متعلق تمام اجسام اس گیس کی کثافت سے وجود میں آئے ہیں۔

ڈاکٹر جامو کہتا ہے کہ عالم کون اپنی ابتدا میں گیس سے پُر مادہ تھا جو باقاعدہ اور منظم ترتیب سے تقسیم ہو کر اس صورت میں آیا ہے۔

یہ نظریہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں موجود ہے، اگر قرآن کریم اس نظریے کی تائید نہ کرتا تو ہم اس نظریہ کو بعید از فہم کہتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ۝۱۱

پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا کہ (اس وقت) وہ دھواں سا تھا، پھر اس (آسمان) سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ (۴)

قرآن کریم نے اس عالم کون کا مصدر دھوئیں کو قرار دیا ہے، دھواں ایسی چیز ہے کہ اہل عرب اس کو محسوس اشیا میں سمجھتے تھے، کیا چودہ سو سال قبل کسی امّی کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ عالم کون اور اس کے مخفی گوشوں کو بے نقاب کرے جبکہ لوگ ان علوم سے قطعاً بے بہرہ تھے؟

سوم: ایٹم کی تقسیم

انیسویں صدی عیسوی تک یہ اعتقاد غالب رہا کہ عناصر میں سے کسی بھی عنصر کا آخری ایٹم ناقابل تقسیم ہوتا ہے، اسے جزء لایتجزی کہا جاتا رہا، صدیوں تک یہ یقین برقرار رہا لیکن چند عشرے قبل سائنسدانوں نے ایٹم کی تقسیم کے پیچیدہ مسئلے کو حل کر لیا اور انہوں نے اس تجزی و تقسیم سے اس حقیقت کا ادراک کیا کہ ایٹم پروٹون، نیٹرون اور الیکٹران پر مشتمل ہوتا ہے، ایٹم کی اسی

(۴) حم السجدہ: ۱۱

تقسیم کے ذریعے سے انہوں نے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تیار کر لیے ہیں۔ (ہم قیامت کی اس گھڑی سے کہ جب یہ بم بے دریغ استعمال ہوں اور شیطان لعین کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ ذرّے (ایٹم) کے متعلق خبر دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور آپ کے رب پر ذرہ بھر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے اور نہ بڑی مگر یہ کتاب مبین (لوح محفوظ) میں درج ہے۔ (۵)

آیت کریمہ میں **اصغر** کا لفظ ایٹم کی تجزی اور تقسیم کے صریح امکان پر دلالت کرتا ہے، اور **ولا فی السماء** کا جملہ اس کی صراحت کر رہا ہے کہ زمین میں ایٹم کے جو خواص ہیں، ایٹم کے وہی خواص سورج، چاند اور ستاروں، سیاروں میں بھی موجود ہیں۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایٹم کے خواص، اس کی تقسیم اور تجزی کے امکان اور زمین و آسمان میں ایٹم کے یکساں خواص کے متعلق کہیں سے درس لیا تھا؟ کیا یہ آیت کریمہ قرآن کریم کے وحی الٰہی ہونے کی قوی دلیل نہیں ہے؟

چہارم: آکسیجن کی کمی

ہوائی جہازوں کی ایجاد اور اڑان سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ بلند طبقات میں آکسیجن کم ہے، انسان جب بھی فضا میں بلندیوں کی جانب گیا اس نے سانس لینے میں دشواری اور سینے کی گھٹن سے یہ جانا کہ زمین سے جوں جوں اوپر جائیں آکسیجن کم ہوتی جاتی ہے، حتیٰ کہ آدمی کا دم گھٹنے لگتا ہے، اسی لیے جہاز کے پائلٹ مسافروں کو مصنوعی آکسیجن کے استعمال کے بارے میں باخبر کرتے ہیں، جب جہاز پینتیس ہزار فٹ سے زیادہ بلندی پر پرواز کر رہا ہو تو اس کی ضرورت

(۵) یونس: ۶۱

پیش آتی ہے۔ اس صورت حال کا قرآن کریم نے چودہ صدی قبل اشارہ فرمادیا تھا جبکہ سائنس دان ہوائی جہازوں کی پرواز کے بعد اس حقیقت سے واقف ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ۭ

پس اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے گویا کہ وہ زور لگا کر آسمان پر چڑھتا ہے۔(۶)

قدیم مفسرین اس آیت کریمہ کی اپنے دور کے مطابق تفسیر کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ **کانما یصعد فی السماء** کا مطلب ہے وہ آسمان کی طرف چڑھنے کی کوشش کرتا ہے جو ناممکن ہے، یا وہ ایک محال کام کرنے کی کوشش کرتا ہے، دورِ حاضر نے قرآن کا یہ معجزہ ظاہر کر دیا ہے اور سائنسی تحقیق نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کی عمدہ تائید کر دی ہے۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق کی دلیل ہے، بخدا قرآن کس قدر اعلیٰ وارفع، عمدہ اور بہترین ہے؟

پنجم: ہر شے کا جوڑا

لوگوں کا خیال تھا کہ زوجیت (مذکر، مؤنث جوڑے) صرف انسان اور حیوان میں ہے، اب جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ زوجیت نباتات جمادات اور عالم کون و وجود کے ہر ایٹم میں موجود ہے۔ بجلی میں بھی دو قسم کے چارج ہیں ا۔ منفی بار اور ۲۔ مثبت بار۔ اسی طرح ایٹم میں پروٹان اور نائٹرون موجود ہیں جو مذکر، مؤنث جوڑوں کی طرح ہیں۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ انکشاف موجود ہے، یہ دلائل گوش دل سے سماعت کیجئے:

ا۔ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ؀

اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم نصیحت پکڑو۔(۷)

---

(۶) الانعام: ۱۲۵ (۷) الذاریات: ۴۹

۲۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ۝

کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ قسم کے جوڑے اگائے ہیں۔(۸)

۳۔ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ۝

وہ ذات پاک ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین سے اگتی ہوں یا خود ان کے نفوس ہوں یا وہ چیزیں ہوں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں۔(۹)

یہ آیت کریمہ نباتات، انسان اور ہر شے کے جوڑا جوڑا ہونے کے بارے میں عام ہے، خواہ ہمارے علم کی وہاں تک رسائی ہے یا نہیں ہے، پاک ہے اللہ قدیر وعلیم، جس کا علم کائنات کے ہر ذرے پر محیط ہے اور جس کے ہاں ہر چیز کا شمار ہے۔

ششم: جنین کے پردے

سائنسی طور پر ثابت ہوگیا ہے کہ بچہ ماں کے شکم میں تین پردوں میں ہوتا ہے، یہ پردے گہری تحقیق سے واضح ہوئے ہیں ورنہ آنکھ سے ایسا نظر آتا ہے کہ بچہ صرف ایک پردے میں ہے، ان پردوں کے تین مختلف نام ہیں، یہ جدید طبی تحقیق ہے، قرآن کریم نے اس سائنسی طبی حقیقت کو صدیوں پہلے بیان فرمادیا، ارشادِ ربانی ہے:

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ

وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تاریکیوں کے اندر ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا رہتا ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے اسی کی حکومت ہے۔(۱۰)

(۸) الشعراء: ۷ (۹) یٰسین: ۳۶ (۱۰) الزمر: ٦

اس آیت کریمہ میں قرآن کریم کا سائنسی معجزہ ہے، قرآن نے خبر دی کہ جنین تین پردوں میں ہوتا ہے جن کو اندھیروں کا نام دیا گیا ہے کیونکہ پردہ روشنی اور نور کو روکتا ہے اور حجاب بن جاتا ہے۔ جدید سائنس نے بھی ان کو تین پردوں کا نام دیا ہے۔

ہفتم: ہواؤں کے ذریعے باروری

جدید تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ ہوائیں کھجور، انجیر وغیرہ پھل دار درختوں کے مذکر زیرے مؤنث زیروں تک پہنچاتی ہیں، یہ باروری ہوا اور موسم کے ذریعے ہوتی ہے، (۱۱) قرآن کریم اس حقیقت کو اس طرح بیان فرماتا ہے:

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝

اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں باردار بنا کر پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم نے وہ (پانی) تمہیں پلایا اور تم اس (قدر پانی) کو جمع کر کے نہیں رکھ سکتے۔ (۱۲)

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقِ نبوت کی ایک اور دلیل ہے، جس کی تائید آج کے علمی اور سائنسی حقائق بہانگ دہل کر رہے ہیں۔

ہشتم: منوی جاندار (حیوان)

جدید طبی تحقیقات کے اکتشافات سے معلوم ہوا ہے کہ انسان کی منی چھوٹے چھوٹے حیوانات پر مشتمل ہوتی ہے جن کو حیوانات منویہ کہا جاتا ہے، یہ آنکھ سے نہیں بلکہ خوردبین سے نظر آتے ہیں، ہر حیوان کا سر، گردن اور دم ہوتی ہے، ان کی شکل وصورت جونک جیسی ہوتی ہے، یہ حیوان عورت کے مادہ بیضہ سے مل جاتا ہے اس عمل کی تکمیل کے بعد رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے، مزید

---

(۱۱) انیسویں صدی میں آکسفورڈ یونیورسٹی کا استاد مستشرق اجنیری اس کا برملا اظہار کرتا ہے کہ اونٹوں کے چرواہے (اہل عرب) یورپ سے تیرہ صدیاں پہلے اس حقیقت سے واقف تھے کہ ہوا پودوں کی باروری میں اہم کردار ادا کرتی ہے، قرآن کریم کی یہ آیت اسی جانب مشیر ہے۔ الفضل ماشھدت بہ الاعداء (۱۲) الحجر: ۲۲

کوئی جرثومہ اندر داخل نہیں ہو پاتا باقی سب جرثومے (حیوانات منویہ) مر جاتے ہیں۔

یہ سائنسی تحقیق کہ منوی حیوان شکل و صورت میں جونک جیسے ہوتے ہیں قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞

اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ (۱۴)

یہ آیت قرآن کریم کا بلیغ معجزہ ہے کہ یہ منوی حیوان نزول قرآن کے وقت اور بعد میں صدیوں تک سربستہ راز رہا، خوردبین کی ایجاد سے اس کا علم حاصل ہوا۔ اور معلوم ہوا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کس طرح وجود میں آتا ہے۔

نہم: انسانی انگلیوں کے نشانات

گذشتہ سے پیوستہ صدی میں ۱۸۸۴ء میں انگلینڈ میں انسانی انگلیوں کے نشانات سے کسی کی پہچان کا طریقہ رائج ہوا۔ اب پوری دنیا میں شناخت کا یہ طریقہ رائج ہے۔ کیونکہ انسانی انگلیاں مختلف خطوط اور نشانات کی حامل ہوتی ہیں، یہ خطوط گول، دائرہ نما، مڑے ہوئے ہوتے ہیں، انگلیوں کے یہ دائرے اور خطوط تاحیات نہیں بدلتے، کسی انسان کے جسم کے دیگر اعضاء کی شکل و صورت کسی دوسرے انسان کے مشابہ ہو سکتی ہے لیکن انگلیوں کے یہ نشانات کبھی بھی دوسرے شخص کی انگلیوں کے نشانات سے نہیں ملتے، یہ معجزۂ الٰہیہ ہے کہ اربوں انسان موجود ہیں مگر کسی کی انگلی کی پور کے نشان دوسرے سے نہیں ملتے۔ اللہ تعالیٰ حشر و نشر اور بعث بعد الموت پر دلیل ارشاد فرماتے ہوئے انسان کے پوروں کا ذکر فرماتا ہے:

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۞ بَلٰى قٰدِرِیْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ۞

کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں (جو مرنے کے بعد ریزہ

---

(۱۴) العلق: ۱، ۲

ریزہ ہو جائیں گی) ہرگز جمع نہیں کریں گے۔ کیوں نہیں ہم تو اس بات پر
بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پور پور تک درست کر دیں۔(۱۴)

اعجاز قرآن کی چوتھی وجہ: ایفائے عہد

اعجاز قرآن کی ایک وجہ اور سبب وعدہ وفا کرنا ہے۔ قرآن کریم نے جن امور کی خبر دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جو وعدے فرمائے وہ سب پورے ہوئے، یہ وعدے دو قسم کے ہیں:

۱۔ مطلق وعدے، ۲۔ مقید وعدے۔

مطلق وعدے مثلاً اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کا وعدہ، آپ کو وطن سے نکالنے والوں کے انجام کا وعدہ، اہل ایمان کی کافروں پر نصرت کا وعدہ، یہ سب وعدے پورے ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝

بے شک ہم نے آپ کو کھلی فتح دی، تا کہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے اور آپ پر اپنی نعمت تمام کر دے اور آپ کو سیدھے راستے پر لے چلے۔ اور اللہ آپ کی عزت اور غلبے کے ساتھ مدد کرے(۱۵)

فتح مکہ کے روز نصرت الٰہی کا یہ وعدہ پورا ہوا، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے کا وعدہ فرمایا، اس طرح سید الانام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نعمت الٰہی تمام ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے دشمنوں کے خلاف آپ کی مدد فرما کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی فرمائیں:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

---

(۱۴) القیامۃ ۳، ۴ (۱۵) الفتح: ۱ تا ۳

جب اللہ کی مدد اور فتح آ چکی، اور آپ نے لوگوں کو دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیا تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجئے، بیشک وہ معاف کرنے والا ہے۔(۱۶)

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام اور اولیاء کی نصرت فرما کر اپنا وعدہ سچ کر دیا:

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝

بے شک ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی مدد دنیا کی زندگی میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے(۱۷)

مطلق وعدے کی ایک مثال یہ ارشاد الٰہی ہے:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر ضروری تھا۔(۱۸)

اللہ تعالیٰ نے بدر، احد، خندق، خیبر وغیرہ متعدد مواقع پر اہل ایمان کی مدد فرمائی، تاریخ اسلام ایسے بے شمار معرکوں کی گواہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

اور بے شک اللہ بدر (کی لڑائی) میں تمہاری مدد کر چکا ہے۔ حالانکہ تم اس وقت بہت ہی کمزور تھے۔ پس تم اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم شکر گزار رہو۔(۱۹)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ ۖ

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ جب تم ان (کافروں) کو اللہ کے حکم سے (بکثرت) قتل کر رہے تھے۔(۲۰)

تحسونھم کا مطلب ہے تم ان کو بکثرت قتل کر رہے تھے۔

---

(۱۶) النصر ۱ تا ۳ (۱۷) المومن: ۵۱ (۱۸) الروم: ۴۷ (۱۹) آل عمران: ۱۲۳ (۲۰) آل عمران: ۱۵۲

مطلق وعدے کی ایک اور مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ نے ان کے لئے وعدہ کرلیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی۔(۲۱)

یہ وعدہ ایفا ہوا، اہل ایمان فتح ونصرت سے نوازے گئے، مشرق ومغرب میں ان کی دھاک بیٹھ گئی ان کے لشکر فاتحانہ انداز میں زمین کے مشارق ومغارب میں آخری آبادیوں تک چلے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب کسی لشکر کو جہاد کے لیے روانہ کرتے تو ان کو اللہ کا یہ وعدہ یاد دلاتے تاکہ وہ صبر سے کام لیں اور فتح کے بارے میں پُر یقین ہوں۔

مطلق وعدے کی ایک اور مثال یہ ارشاد ربانی ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۸

اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے اور اللہ حق ثابت کرنے کے لئے کافی ہے(۲۲)

مقید وعدہ کسی شرط سے مشروط ہے، مثلاً تقویٰ، صبر، اللہ کے دین کی مدد وغیرہ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔(۲۳)

وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ

اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا خیال بھی نہ ہو(۲۴)

(۲۱) النور: ۵۵　(۲۲) الفتح: ۲۸　(۲۳) محمد: ۷　(۲۴) الطلاق: ۳

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝

اور جواللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کا کام آسان کر دیتا ہے۔ (۲۵)

اللہ تعالیٰ نے صبر کی شرط پر اہل ایمان سے فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں کو جہاد پر رغبت دلایئے۔ اگر تم میں بیس آدمی صبر کرنے والے (ثابت قدم رہنے والے) ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے اور گر تم میں سے سو آدمی (صبر کرنے والے) ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے اس لئے کہ وہ کافر ناسمجھ قوم ہے۔ (۲۶)

اعجاز قرآن کی آٹھویں وجہ: علوم و معارف

قرآن کریم کے وجوہِ اعجاز میں سے ایک وجہ قرآن میں موجزن علوم و معارف ہیں، اس کے روشن براہین اور دلائل اور ان کی قوت و استعداد ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم امّی تھے، امیوں میں نشو ونما پائی، آپ کے لیے اپنی طرف سے ایسا کلام پیش کرنا محال ہے بلکہ دنیا بھر کے تمام علما، ادبا، فلاسفہ، حکما، قانون ساز اور نابغۂ روزگار افراد انفرادی اور اجتماعی طور پر بھی ان علوم و معارف کی مثل نہیں لا سکتے، یہ مشکل ہی نہیں ناممکن اور محال ہے، یہ اعجاز قرآن کریم کی ناقابل تردید دلیل اور روشن برہان ہے جس نے ایسے ہر الزام تراش دشمن کی کمر توڑ دی ہے جس کا خیال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سابقہ سماوی کتب کی تعلیمات سے اخذ کیا ہے، اس دور کے بعض اہل کتاب نے آپ کی مدد کی اور آپ نے اسے قبول عام اور تقدس کا درجہ عطا کرنے کے لیے رب کے نام سے منسوب کر دیا۔

---

(۲۵) الطلاق:۴ (۲۶) الانفال:۶۵

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝

بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ وہ بالکل ہی جھوٹ کہتے ہیں۔ (۲۷)

ہم ان عقل کے اندھوں سے کہتے ہیں قرآن کریم کا سابقہ کتب سماوی سے مرتب شدہ ہونا کس طرح ممکن ہے، قرآن تو اہل کتاب کی تردید کرتا ہے، ان کے اکثر عقائد و افکار کا مخالف بلکہ مبطل اور ہادم ہے۔ وہ کتب سماوی میں اہل کتاب کی تحریف و تبدیل کا اعلان کرتا ہے؟ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ تثلیث میں اتفاق کیوں کر ممکن ہے جبکہ ان میں زمین و آسمان جیسا فرق ہے؟ کیا انہوں نے قرآن کریم کا یہ نا قابل تردید قطعی اور حتمی حکم نہیں سنا کہ اہل کتاب کافر، فاجر ہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے مذہبی پیشواؤں کی عبادت کرتے ہیں:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے ہو چکے۔ اللہ ان کو ہلاک کرے، یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں اور مریم کے بیٹے مسیح کو خدا ٹھہرا لیا ہے حالانکہ ان کو ایک معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ ان کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے (۲۸)

قرآن کریم عقائد، عبادات، تشریع، تنظیم، اخلاق و معاملات، تربیت، تعلیم، سیاست،

(۲۷) الکہف: ۵ (۲۸) التوبہ: ۳۰، ۳۱

اقتصادیات، فلسفہ اور معاشرے سے متعلق متنوع علوم اور متعدد معارف کا جامع ہے، اسی طرح قصص ہوں یا ماضی و مستقبل کی خبریں، مناظرے کے اصول ہوں یا بحث کے قواعد، قرآن ہر ایک سے میں رہنما ہے۔ امّی شخصیت جس نے لکھا ہو نہ پڑھا ہو، علم و ادب سے مزین شہر میں جس کی نشو ونما ہوئی ہو نہ ہی مہذب و متمدن شہر سے جن کا واسطہ اور تعلق رہا ہو کیا ایسی شخصیت سے ایسے تحقیقی اور با کمال علوم و معارف کا پیش کرنا ممکن ہے، جبکہ دلائل و براہین سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی حیات طیبہ کا بیشتر حصہ ان علوم و معارف کے بغیر بسر فرمایا، ان کے قواعد اور اصول بتائے نہ ان کے فروعات پر اظہار خیال فرمایا، کیا یہ سب قرآن کے وحی الٰہی ہونے کی دلیل نہیں؟ میں یہاں ان متعدد متنوع علوم پر مختصر بحث کرنا پسند کروں گا تا کہ حقیقت حال روزِ روشن طرح واضح ہو جائے

سب سے پہلے قرآن کے عقیدے کی بحث لیتے ہیں اور قرآن کریم کے عہد نزول کے وقت اسلام کی تعلیمات اور یہود و نصاریٰ کی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ پیش ہے، تا کہ آنکھوں والے صبح کی نورانیت سے فیض یاب ہوں، حق کے روشن دلائل واضح ہوں اور حقیقت حال نکھر کر سامنے آجائے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے "چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں"۔

اسلامی عقیدہ

قرآن اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسولانِ گرامی کے بارے میں صاف، واضح، روشن اور پاکیزہ عقیدہ لایا ہے۔ اللہ، عالمین کا مالک، واحد، یکتا، احد اور بے نیاز ہے، والد اور اولاد سے منزہ ہے، تمام صفات کمال کا مالک اور ہر نقص و عیب سے پاک ہے، اس کی ذات اور اس کی صفات بے مثل اور بے مثال ہیں۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۱۱﴾

کوئی چیز اس کے مثل نہیں وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (۲۹)

اللہ جل جلالہ قیوم ہے نیند اور اونگھ سے منزہ ہے، ہر لحہ ہر شان سے موصوف ہے۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾

(۲۹) الشوریٰ: ۱۱

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اور جو کچھ تحت الثریٰ میں ہے۔ (۳۰)

وہ خالق ہے مخلوق کی تخلیق اور ایجاد میں منفرد اور یکتا ہے، بندوں کی پیشانیاں اسی کے قبضہ وقدرت میں ہیں، جسے چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت عطا فرمائے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، سب اس کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾

آسمانوں اور زمین میں ایسا کوئی نہیں جو رحمٰن کے رو برو غلام ہو کر نہ آئے۔ (۳۱)

اللہ تعالیٰ کی صفات سے مزید آگہی کے حصول کے لیے درج ذیل آیات پڑھیں:

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾

بے شک تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا اور مشرقوں کا رب ہے۔ (۳۲)

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

(اے لوگو) بے شک تمہارا معبود تو صرف اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔ (۳۳)

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو جس نام سے بھی تم پکارو سو تمام

(۳۰) طٰہٰ: ۶ (۳۱) مریم: ۹۳ (۳۲) الصافات: ۴، ۵ (۳۳) طٰہٰ: ۹۸

اچھے نام اسی کے ہیں، اور اپنی نماز میں نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھیے اور نہ بالکل چپکے سے بلکہ درمیانی راہ اختیار کیجیے، اور کہہ دیجیے کہ تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ وہ کمزور و عاجز ہے کہ کوئی اس کا مددگار ہو اور اس کی خوب بڑائی بیان کر۔ (۳۴)

يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۝

اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز (اور) خوبیوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے۔ اور یہ بات اللہ کے لئے ذرا مشکل نہیں۔ (۳۵)

یہود کا عقیدہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہود گمراہی میں پڑ گئے، بعل بت کی پوجا کی، عُزیر کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، اللہ تعالیٰ کو انسان سے تشبیہ دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی تخلیق سے تھک گیا اور ہفتہ کے روز آرام کیا اور چت لیٹ گیا۔ (۳۶) بے سوچے سمجھے کہا کہ اللہ تعالیٰ انسانی صورت میں ظاہر ہوا اور اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) سے کشتی کی لیکن پچھاڑ نہ سکا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے رب تعالیٰ کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک اس نے یعقوب اور اس کی اولاد کو برکت نہ دی، (۳۷) اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم قوموں میں سے پسندیدہ قوم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں، دار آخرت دوسرے لوگوں کے علاوہ صرف اور صرف انہی کے لیے ہے، ان کو جہنم کی آگ صرف محدود ایام یعنی چالیس روز تک چھوئے گی جتنے دن انہوں

---

(۳۴) الاسراء: ۱۱۰، ۱۱۱ (۳۵) فاطر: ۱۵ تا ۱۷ (۳۶) کتاب مقدس، پرانا عہد نامہ، خروج، باب ۳۱: ۱۷۔ مطبوعہ بائبل سوسائٹی، لاہور (۳۷) کتاب مقدس۔ پرانا عہد نامہ، پیدائش، باب ۳۲: ۲۴۔۳۰

نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر افترا باندھا آپ کو نعوذ باللہ ناجائز اولاد اور آپ کی والدہ کو زانیہ کہا اور یہ کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو اس شرمناک گناہ سے پاک کرنے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا۔ یہود کی اس طرح کی بے شمار گمراہیاں اور باطل اقوال ہیں جن کو قرآن نے منہدم کیا ہے اور ان کی بیخ کنی کی ہے، اس صورت حال میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن تورات سے نقل کیا گیا ہے؟

نصاریٰ کا عقیدہ

نصاریٰ گمراہ ہوئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کا عقیدہ گھڑ لیا، اور باپ، بیٹا اور روح القدس تین خداؤں پر ایمان لائے، ان کو اقانیم ثلاثہ کا نام دیا، تین اقانیم میں عیسیٰ علیہ السلام اقنوم ثانی ہیں جو اقنوم اول اور اقنوم ثالث کا عین ہیں، دونوں اقانیم ایک دوسرے کا عین ہیں، تین ایک ہیں اور ایک تین ہے۔ قانون سازی کا حق اللہ واحد سے لے کر اپنے مذہبی پیشواؤں کے حوالہ کر دیا ہے وہی حرام اور حلال کرتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے صلیب پر جان دے کر انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے اور اس کو گناہوں سے پاک کر دیا ہے، تعجب خیز امر یہ ہے کہ نصاریٰ کی کثیر تعداد یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی اللہ ہیں جو انسانی صورت میں زمین پر اترے، ایسی بے شمار خرافات اور یاوہ گوئیاں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے منسوب کر رکھی ہیں۔

وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝

اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے (اس کی ذات) بہت بلند ہے۔ (۳۸)

اللہ تعالیٰ کے متعلق قرآن کے پیغام اور یہود و نصاریٰ کے باطل عقائد میں غور کریں آپ کو قرآن کے حق و صداقت پر مبنی پیغام اور ان کی خرافات میں بے انتہا فاصلہ نظر آئے گا، علاوہ ازیں قرآن کریم نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا کہ اہل کتاب کی تحریف سے آگاہ کر دیا ہو بلکہ قطعی دلائل،

---

(۳۸) الاسراء: ۴۳

اور روشن براہین سے ان اباطیل کی تردید کی ہے، اہل کتاب نصاریٰ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنیں:

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝

اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ گزرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو۔ بلاشبہ (حضرت) مسیح تو مریم کے بیٹے عیسیٰ اور اللہ کے ایک رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس (اللہ) نے (حضرت) مریم کی طرف القا کیا اور اس کی طرف سے خاص روح ہیں۔ سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو۔ باز آ جاؤ کہ یہی تمہارے لئے بہتر ہے، بے شک اللہ ہی معبود واحد ہے۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی کچھ اولاد ہو، جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اسی کا ہے۔ اور اللہ ہی کافی کارساز ہے۔ مسیح کو تو اس بات سے ہرگز عار نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب فرشتوں کو عار ہے۔ اور جو کوئی اس کی بندگی سے عار اور سرکشی کرتا ہے سو وہ عن قریب ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔ (۳۹)

اہل کتاب یہود کے متعلق ارشاد ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ

(۳۹) النساء: ۱۷۱، ۱۷۲

الْاَنْبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا۪ وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًاۙ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًاۢۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا

پھر (جو کچھ سزا ان کو ملی وہ) ان کو عہد شکنی، آیات الٰہی کے انکار اور انبیاء کو ناحق قتل کرنے اور ان کے اس قول پر (ملی) کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں (ان کے دلوں پر غلاف نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے باعث ان کے دلوں پر مہر کر دی پس ان میں سے کم ہی لوگ ایمان لاتے ہیں۔ اور (جو کچھ ان کو سزا ملی وہ) ان کے کفر سے اور مریم پر بڑا بہتان باندھنے سے (ملی)۔ اور ان کے اس کہنے پر کہ اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو ہم نے قتل کیا۔ حالانکہ نہ انہوں نے اس کو قتل کیا اور نہ اس کو سولی دی بلکہ ان کو شبہ ہو گیا اور بے شک جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں البتہ وہ خود شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کو اس کی کچھ خبر نہیں، وہ محض اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں، اور یقیناً انہوں نے (حضرت) عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ (۴۰)

قرآن کریم نے اہل کتاب کی جانب سے تورات و انجیل میں تحریف کو صراحت سے بیان فرمایا ہے۔ اور واضح کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمے داری اس کذب اور بہتان کی تصحیح ہے جس کا ارتکاب اہل کتاب نے کیا ہے، اور تورات و انجیل کی ان آیاتِ ربانی کا کشف و اظہار ہے جس کو اہل کتاب نے اپنے مفاد کی خاطر چھپا دیا۔

---

(۴۰) النساء: ۱۵۵۔۱۵۸

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آچکا جو بہت سی وہ باتیں صاف صاف بتاتا ہے جو تم کتاب میں چھپاتے تھے اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرتا ہے بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے طلب گار ہیں اللہ ان کو اس کے ذریعہ سلامتی کا راستہ بتاتا ہے اور ان کو اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف لاتا ہے اور ان کو سیدھی راہ پر چلاتا ہے (۴۱)

ان واضح دلائل کے بعد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر مزید کسی دلیل ضرورت باقی ہے؟ بوصیری پر اللہ رحم فرمائے انہوں نے کیا خوب کہا ہے۔

تیرے لئے دور جاہلیت میں ایک امی کا علم اور یتیمی کی حالت میں ان کی تادیب بطور معجزہ کافی ہے۔

اعجاز قرآن کی نویں وجہ: انسانی ضرورتوں کی تکمیل

اعجاز قرآن کی یہ وجہ روز روشن کی طرح واضح ہے، شریعتِ اسلام میں غور کرنے والا بخوبی اس کا ادراک کرسکتا ہے۔ قرآن کریم نے ہر دور اور ہر علاقے کے انسانوں کے لیے وسیع اور مکمل ہدایات فراہم کی ہیں، جب ہم ان ہدایات کی وسعت اور شمول پر نظر ڈالتے ہیں تو ہدایت و ارشاد کے یہ عمدہ مقاصد مختصراً اس طرح بیان کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ افراد کی اصلاح ۲۔ معاشروں کی اصلاح

---

(۴۱) المائدہ: ۱۵، ۱۶

۳۔عقائد کی اصلاح ۴۔عبادات کی اصلاح
۵۔اخلاق کی اصلاح ۶۔حکمرانی اور سیاست کی اصلاح
۷۔مالی امور کی اصلاح ۸۔جنگی امور کی اصلاح
۹۔تعلیم وتمدن کی اصلاح ۱۰۔اذہان اور افکار کی خرافات سے آزادی۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

انسان کے لئے اللہ کی شریعت میں تفصیلی بیان موجود ہے۔اور قرآن کے
سوا ہر چیز نقصان کا باعث ہے۔(۴۲)

اعجاز قرآن کی دسویں وجہ: قلوب واذہان میں قرآن کی تاثیر

قلوب اور اذہان میں قرآن کی تاثیر اعجازِ قرآن کی زبردست دلیل ہے، قرآن کریم نے اہل ایمان اور اعدائے اسلام دونوں کے دل ودماغ کو متاثر کیا ہے۔قرآن کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ مشرکین مکہ رات کی تاریکی میں گھروں سے نکل کر چھپ چھپ کر مسلمانوں کی تلاوت قرآن سنتے تھے، اور باہم ایک دوسرے سے کہتے تھے قرآن نہ سنا کرو، اس کی طرف توجہ نہ دو اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کی تلاوت کریں شور مچایا کرو تاکہ لوگ اس سے متاثر ہوکر ایمان نہ قبول کرلیں:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ
لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝

اور کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی نہیں اور اس (کے پڑھنے) میں غل
مچایا کرو (اس طرح) شاید تم غالب آجاؤ۔(۴۳)

قرآن کریم کی تاثیر کا اندازہ لگانے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ قرآن کریم کے سخت ترین دشمن اور اس سے انتہائی عداوت رکھنے والے بھی اس کے سائے میں آگئے، مشرکوں کے بڑے بڑے سردار جن کے سرخیل حضرت عمر بن الخطاب، سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں آخرکار قرآن ہی کے سایۂ عاطفت میں جاگزیں ہوئے۔

(۴۲) از قصیدہ استاد ولید الاعظمی (۴۳) حم السجدہ:۲۶

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اہل اسلام پر ان کی سختی اور ان کی عداوت کی یہ حالت تھی کہ کوئی کہنے والا کہتا تھا: اللہ کی قسم! عمر اس وقت تک اسلام قبول نہیں کرے گا جب تک خطاب کا گدھا مسلمان نہ ہو۔ اس کی دشمنی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ دن چڑھے تلوار حمائل کیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے، لیکن شام سے پہلے پہلے اس حالت میں واپس آئے کہ اسلام کے پیغام پر گردن جھکا دی تھی، یہ کیوں کر ہوا صرف چند آیات اپنے بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے گھر میں سن لیں، ساری عداوتیں قصۂ ماضی بن گئیں، آپ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ مشہور ہے۔

مدینہ کے قبیلۂ خزرج کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے قصے میں غور کریں، سیرت کی کتب میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل اہل مدینہ کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عقبہ میں بیعت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور قرآن کریم کی تعلیم کے لیے دو عظیم القدر صحابہ مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کو ان کے ہمراہ بھیجا، یہ حضرات مدینہ طیبہ میں پہنچ کر لوگوں کو قرآن سکھانے لگے، قبیلۂ خزرج کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے بھتیجے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم ان دو آدمیوں کے پاس جا کر ان کو منع کیوں نہیں کرتے اور ڈانٹتے کیوں نہیں جو ہمارے کم عقلوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں؟ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کے پاس پہنچ کر کہا کہ تم کاہے کو ہمارے کم عقلوں کو بے وقوف بنا رہے ہو، پھر ڈرا دھمکا کر کہا کہ اگر تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو یہاں سے چلے جاؤ، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا آپ بیٹھ کر ہماری بات سنیں گے؟ اگر آپ کو پسند آئے تو قبول کرلیں، ناپسند ہو تو ہم آپ کی ناپسندیدہ چیز سے باز آجائیں گے، اُسید رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے، مصعب رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کی اُسید سنتے رہے اور مجلس کے اختتام پر اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئے، اُسید نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا کہ مجھے تو ان لوگوں کی باتوں میں کوئی حرج نظر نہیں آتا اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا، حضرت سعد آگ بگولہ ہو کر

اٹھے اور وہاں پہنچ کر کہا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو کیا تم ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بنانے آئے ہو؟ یہاں سے چلے جاؤ، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ کیا آپ بیٹھ کر ہماری بات سنیں گے، اگر آپ کو ہماری بات پسند آجائے تو مان لیجئے اور اگر آپ ناپسند کریں گے تو ہم آپ کی ناپسندیدہ چیز سے رک جائیں گے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے انصاف کی بات کہی ہے، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ قرآن سنانے لگے اور سعد رضی اللہ عنہ سنتے رہے، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بخدا قرآن کی تلاوت کے دوران سعد کا چہرہ نور ایمان سے جگمگانے لگا، جونہی حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے تلاوت ختم کی اوس کے سردار نے اپنے ایمان کا اعلان کر دیا، پھر واپس اپنے قبیلے میں آئے اور قبیلہ والوں کو جمع کر کے کہا کہ تم اپنے ہاں مجھے کیسا سمجھتے ہو؟ اہل قبیلہ نے کہا کہ آپ ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں، تب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تمہارے مردوں اور عورتوں کی اس وقت تک مجھ سے بات چیت حرام ہے جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہ لاؤ گے، یہ سنتے ہی پورا قبیلہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ رضی اللہ عنہم

قرآن کریم کی اپنے ماننے والوں اور اپنے دشمنوں کے دلوں میں یکساں تاثیر تھی، آپ ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ کا قصہ نہیں بھولے ہوں گے کہ وہ قرآن سے کس قدر متاثر ہوئے تھے، لیکن برا ہو سرداری کی محبت اور حبِ جاہ و مرتبہ کا کہ اللہ کے دین میں شمولیت کی عظیم نعمت سے محروم رہے۔ یقیناً ہدایت اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہے، ارشاد ہے:

يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے (ہدایت سے محروم کر دیتا ہے) اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (۴۴)

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۲۵

اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پر ہیں۔ (۴۵)

تفسیر المنار کے مؤلف نے ذکر کیا ہے کہ فرانس کے ایک دانش ور فلسفی نے کتاب لکھی ہے جس میں اس نے نصاریٰ کے داعیوں کے اس دعویٰ کی تردید کی ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ

(۴۴) النحل: ۹۳ (۴۵) النحل: ۱۲۵

علیہ وسلم) حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام جیسے معجزات نہیں لائے اور آپ کے پاس گذشتہ انبیائے کرام جیسے خوارق نہ تھے، یہ دانش ور کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے خشوع، ولولے، محبت اور تضرع سے قرآن کی قرأت کرتے تھے کہ لوگوں کے دل تمام سابقہ انبیائے کرام کے معجزات دیکھنے سے بھی زیادہ ایمان کی طرف کھنچے آتے تھے۔

علامہ رافعی نے اپنی کتاب اعجاز القرآن میں امیر شکیب ارسلان کے حوالے سے یہ گراں قدر جملہ نقل کیا ہے کہ مسیحی تاریخ کے مشہور مصلح لوتھر اور کیلون کا ایک مرتبہ فرانس کے فلسفی وولٹیر کے سامنے ذکر ہوا تو وولٹیر نے کہا کہ یہ دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کی جگہ میں بیٹھنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔

اعجاز قرآن کی گیارھویں وجہ: تناقض سے سلامتی

انسانوں کے کلام کے برعکس قرآن کریم ہر قسم کے تناقض اور تعارض سے مبرا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝

کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر وہ (قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ (۴۶)

مذکور الصدر قرآن کریم کی بعض وجوہِ اعجاز ہیں، ان وجوہ کے علاوہ دیگر وجوہ بھی ہیں جن کو ہم نے طوالت کے اندیشے سے نظر انداز کر دیا ہے، جوں جوں وقت گزرتا جائے گا قرآن کے اعجاز کے اسرار منکشف ہوتے رہیں گے اور اعجاز قرآن کے نت نئے گوشے سامنے آتے رہیں گے اور قطعی دلائل سے ثابت ہوتا رہے گا کہ قرآن یقیناً حکیم وحمید رب کا نازل کردہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ علماء کے مذکورہ اسرار علوم قرآن کے ناپیدا کنار سمندر کا ایک قطرہ ہیں خواہ وہ کتنا زور بیان صرف کر دیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتے، کہ جس طرح اس کی عظیم ذات اور جلیل القدر صفات کا کسی کے احاطۂ

---

(۴۶) النساء: ۸۲

عقل میں آنا ناممکن ہے اسی طرح اس کا کلام بھی مخلوق کے کسی فرد کے احاطہ عقل میں نہیں آ سکتا۔

صرفہ کے شبہ کا رد

قرآن کریم کے وجوہِ اعجاز کے بیان کے بعد ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس شبہ کا رد کریں جس کا بعض معتزلہ اور شیعہ نے ذکر کیا ہے، ان کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو نزول کے وقت قرآن کے معارضے سے پھیر دیا اور وہ قرآن کریم کی بلاغت کا مقابلہ نہ کر سکے ورنہ قرآن کی بلاغت معجزنہ تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی ہمتوں کو اس کے معارضہ سے پھیر نہ دیتا تو وہ اس کی مثل لانے کی استطاعت رکھتے تھے...... الخ

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ اس قول کے قائلین کا مذہب یہ ہے کہ قرآن خود معجز نہیں بلکہ اس کا اعجاز دو اسباب سے ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن کے معارضے سے لاتعلق اور بے رغبت کر دیا سو وہ سست ہو کر بیٹھ گئے۔

۲۔ ان کی قوت بیانیہ اور قدرتِ بلاغیہ عارضی طور پر معطل ہو گئی۔

لیکن اس قول کی دونوں شقیں باطل ہیں، نقد و نظر کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور واقع کے مطابق نہیں، اس کے متعدد اسباب ہیں:

الف۔ اگر ان کا یہ قول صحیح ہے تو پھر اعجاز صرفہ میں ہوگا نفس قرآن میں نہ ہوگا۔ اور یہ بالاجماع باطل ہے۔

ب۔ اگر ان کا قول صحیح مان لیا جائے تو یہ اعجاز نہیں تعجیز (کسی کو عاجز اور بے بس کر دینا) ہوگی، اس کی مثال اس طرح ہوگی کہ ہم کسی انسان کی زبان کاٹ دیں پھر اس کو بات کرنے پر مجبور کریں اس کو اعجاز نہیں تعجیز کہتے ہیں، بقول شاعر:

اس کی مشکیں کس کر دریا میں ڈال دیا اور کہا کہ بچو! بچو پانی سے گیلے نہ ہونا۔

ج۔ اگر ان کی سستی اور بے رغبتی نے ان کو قرآن کریم کے معارضہ سے باز رکھا تو پھر وہ نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کیوں آئے، آپ کو اور آپ کے اصحاب کو

اذیتیں کیوں دیں۔ اہل اسلام کو دکھ کیوں دیئے اور ان کو تتر بتر کیوں کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کا سوشل بائیکاٹ کر کے ان کا شعب ابی طالب میں اس قدر سخت محاصرہ کیوں کیا کہ وہ درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے، آپ سے دعوت و تبلیغ کا کام چھوڑ دینے پر مذاکرات کیوں کئے، اس پر گراں قدر پیش کشیں کیوں کیں، آپ کو اور آپ کے اصحاب کو وطن چھوڑنے پر کیوں مجبور کیا؟ اور ان کے علاوہ وہ کونسا حربہ تھا جو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال نہ کیا ہو۔

د۔ اگر عارضی طور پر ان کی قوت بیانیہ کو معطل کر دیا گیا تھا تو وہ لوگوں میں اس کا اعلان کرتے تاکہ قرآن کے معارضے سے ان کے معذور ہونے کا سبب معلوم ہوتا، اس سے قرآن کی شان کم ہوتی، اور نزول قرآن کے بعد ان کی فصاحت و بلاغت قبل از نزولِ قرآن سے نمایاں طور پر کم ہوتی۔ حالانکہ اس کا بطلان محتاج بیان نہیں۔

ھ۔ اگر یہ عارضہ صحیح تھا تو اب ہمارے لیے اور ہر دور کے عرب ادیبوں کے لیے قرآن کا معارضہ ممکن ہوتا اور وہ قرآن کے دعوائے اعجاز کو جھوٹا کر سکتے تھے۔ لیکن یہ تمام چیزیں باطل ہیں تو کیا اس کے بعد کوئی عقل مند انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ اہل عرب کو قرآن اور نبی قرآن کے معارضے سے پھیر دیا گیا اور وہ نزول قرآن کے پورے عرصے میں اسی بے بسی اور عجز کا شکار بنے رہے۔ کیا ہوش و حواس رکھنے والا کوئی شخص ایسے بے ہودہ اور لچر قول کی تصدیق کر سکتا ہے کہ عربوں کے حواس اور زبان دانی کی قدرت معطل کر دی گئی تھی، حالانکہ صنادید قریش میں سے قرآن اور اسلام کا سب سے بڑا دشمن ولید بن مغیرہ قرآن سن کر یہ مشہور جملے کہتا ہے کہ اللہ کی قسم! میں نے ابھی ایسا کلام سنا ہے جو بشر کا کلام نہیں، شعر ہے نہ نثر نہ ہی کاہنوں کا کلام، بخدا اس میں عجیب شیرینی آب و تاب، رونق و بہار ہے، اس کا اعلیٰ ثمر دار اور اس کا اسفل کثیر اور بے انتہا ہے، یہ فوقیت رکھتا ہے اس پر کوئی کلام فوقیت نہیں رکھتا۔ (یہ غالب ہے مغلوب نہیں)

یہ دشمن کی گواہی ہے، فضیلت وہی ہوتی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔

آخر میں تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں علامہ قرطبی کی رائے پیش خدمت ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ یہ دس وجوہ ہیں جن کو ہمارے علماء رحمھم اللہ نے اعجاز قرآن میں ذکر کیا ہے، یہاں ایک قول اور بھی ہے جسے نظام (معتزلی) نے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ اعجاز کی وجہ قرآن کے معارضے سے روکنا اور قرآن کا چیلنج قبول کرنے سے پھیر دینا ہے، یہ منع اور صرفہ (روکنا اور پھیر دینا) نفس قرآن سے الگ معجزہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادوں اور ہمتوں کو اس تحدی کے باوجود کہ وہ قرآن کی ایک سورت ہی کی مثل لے آئیں پھیر دیا۔ یہ قول فاسد ہے کیونکہ قرآن کریم کے مُعجز ہونے پر اجماع امت ہے، اگر ہم منع اور صرف کو معجز کہیں تو قرآن کریم کا مُعجز ہونا باقی نہیں رہے گا۔ (۴۷)

صحیح یہ ہے کہ قرآن کی مثل لانا مخلوق کے کسی فرد کے بس کی بات نہیں، یہی وجہ ہے کہ بار بار کے چیلنج کے باوجود کوئی انسان اس کی چھوٹی سی سورت کی مثل بھی نہ لا سکا نہ لا سکے گا۔

کیا کسی نے قرآن کے معارضے کی کوشش کی؟

تاریخ اور روایات کے جامع حضرات کا اجماع ہے کہ مشرکین عرب کے بلند پایہ فصیح و بلیغ ادیب اور قادر الکلام شعرا قرآن کے معارضہ میں منقار زیر پر رہے اور کسی نے بھی قرآن کے مقابلے کی کوشش نہیں کی، حالانکہ وہ لوگوں کو اسلام سے باز رکھنے میں بڑی رغبت رکھتے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تکذیب میں تن، من دھن نثار کرنے کو تیار رہتے تھے۔

لیکن بعض بے وقوف احمق لوگوں نے قرآن کے معارضے کی کوشش کی، ان کا کلام مضحکہ خیز کوشش سے آگے نہ بڑھ سکا، لوگوں کے سامنے شرمندگی سے دوچار ہوئے، اہل فہم کی نظر میں ان کا کلام لطیفے سے زیادہ حیثیت نہ پا سکا، اللہ کے غضب کا شکار ہوئے اور لوگوں کی ناراضگی مول لی، اس میدان میں ان کی شکست حق وصداقت کا جدید اظہار اور اس بات کی صاف اور روشن دلیل بنی کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جس کا معارضہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

الف۔ مسیلمۃ الکذاب

مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ کہا کہ وہ کارِ نبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۴۷) تفسیر القرطبی/ ج ۱ ص ۷۵۔

وسلم کا شریک ہے۔ ۱۰ھ میں اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خط لکھا کہ اما بعد! میں زمین میں آپ کا شراکت دار بنایا گیا ہوں، آدھی زمین ہماری اور آدھی قریش کی ہے، لیکن قریش حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہے۔

مسیلمہ کا خیال تھا کہ اس پر آسمان سے قرآن نازل ہوا ہے اور رحمٰن نامی فرشتہ اس پر وحی لاتا ہے، ہم یہاں اس کی بعض ہفوات اور خرافات نقل کر رہے ہیں، تا کہ اس احمق دجال کا کذب ظاہر ہو اور اس کی حقیقت اور اس کا کذاب ہونا واضح ہو جائے۔

مسیلمہ ملعون کی طرف سے العادیات کا معارضہ

اور قسم ہے آٹا پیسنے والیوں کی اور قسم ہے روٹی پکانے والیوں کی اور قسم ہے سالن بنانے والیوں کی اور قسم ہے گھی اور تیل کے لقمے کھانے والیوں کی، کہ تم کو صوف والوں (بادیہ نشین) پر فضیلت دی گئی ہے، اور مٹی (سے مکان بنانے) والے بھی تم سے بڑھ کر نہیں، تم تھکے ہارے کو پناہ دو اور طلب گار کو اپنے پاس ٹھہراؤ۔

اور کہا کہ قسم ہے بکریوں اور ان کے رنگوں کی، ان کی سیاہی اور دودھ کی، بکری کالی اور دودھ سفید ہے، یہ تعجب خیز ہے، پانی ملا دودھ حرام ہے، تم کو کیا ہوا تم دودھ اور کھجور کا حلوہ کیوں نہیں بناتے۔

اور یہ بھی اس مفتری کے قرآن میں تھا:

ہاتھی اور وہ ہاتھی کیا ہے؟ اس کی بدنما دم اور لمبی سونڈ ہے۔

اور یہ بھی:

اے مینڈکی، مینڈکی کی بچی! اسے صاف کر جسے تو صاف کرتی ہے، تیرا بالائی حصہ تو پانی میں ہے اور نچلا مٹی میں، نہ تو پانی کو گدلا کرتی ہے اور نہ تو پانی پینے والے کو روکتی ہے۔

سورۃ الکوثر کے معارضے میں اس کا ہذیان ملاحظہ کریں:

ہم نے تجھے بھاری بھرکم عطا کیا ہے، اپنے رب کی نماز پڑھ اور جہر کر بے
شک تیرا دشمن کافر ہے۔

اس کا پورا کلام اسی طرح لچر، پھسپھسا نا قابل توجہ ہے، آپ جانتے ہیں کہ اس طرح کی خرافات کم یا زیادہ کسی طرح کے معارضے کے قابل نہیں۔ علامہ رافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب کا ارادہ فن بیان میں قرآن کا معارضہ نہیں تھا بلکہ وہ اپنی قوم کو ایسی دوسری جانب مائل کرنا چاہتا تھا جو اس کے نزدیک آسان تر اور لوگوں کے دلوں کے لئے زیادہ مؤثر تھی، وہ جانتا تھا کہ دورِ جاہلیت میں اہل عرب کاہنوں کی تعظیم کرتے تھے اور عام کاہنوں کا اسلوب تک بندی تھا جس کو وہ جنات کا کلام سمجھتے تھے مثلاً: **یا جلیح، امر نجیح، رجل فصیح، یقول لا الہ الا اللہ**۔

مسیلمہ بھی اسی طرح تک بندی کرتا تھا تا کہ لوگ یہ سمجھیں اس کی طرف وحی آتی ہے، لیکن وہ اپنے اس فریب میں کامیاب نہ ہوا کیونکہ اس کے مصاحب اور حمایتی اس کے کذب اور حماقت سے واقف تھے اور کہتے تھے کہ یہ نہ تو کہانت میں مہارت رکھتا ہے نہ نبوت کے دعویٰ میں صادق ہے۔ ان کے پیروکاروں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ قبیلہ ربیعہ کا کذاب (مسیلمہ) ہمیں قبیلۂ مضر کے صادق (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ محبوب ہے۔

ب۔ اسود عنسی

اسود عنسی نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا، وہ کہتا تھا اس پر وحی نازل ہو رہی ہے وہ اپنا سر زمین کی طرف جھکاتا پھر سر اٹھا کر کہتا کہ مجھے یہ اور یہ کہا یعنی اپنے شیطان کی وحی سناتا، متکبر شخص تھا تاہم فصاحت، کہانت، تک بندی خطابت، شعر اور نسب دانی میں بڑی شہرت رکھتا تھا، اس کی طرف سے قرآن کا معارضہ مذکور نہیں اس نے صرف نبوت اور نزول وحی کا عویٰ کیا۔

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ

اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں (۴۸)

(۴۸) الانعام: ۱۲۱

ج۔ طلحہ بن خویلد الاسدی

طلحہ بن خویلد الاسدی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا اس کا کہنا تھا کہ ذاالنون اس کے پاس وحی لاتا ہے، اس نے اپنے لیے قرآن کا دعویٰ نہیں کیا کیونکہ اس کی قوم کے لوگ فصیح تھے، وہ عزت وشہرت کی طلب اور قبائلی عصبیت کے تحت اس کے پیروکار بن گئے۔ ''معجم البلدان'' کے مؤلف نے ذکر کیا ہے کہ اس کا ایسا کلام ہے جس کو وہ نازل شدہ کہتا تھا، لیکن اس کا صرف یہ مختصر کلام درج کیا ہے:

ان اللہ لایصنع بتعفیر وجوھکم و قبح ادبارکم شیئا

فاذکروا اللہ قیاماً. فان الرغوۃ فوق الصریح

یعنی رکوع اور سجدہ نہ کرو صرف بحالت قیام نماز پر اکتفا کرو اور حالت قیام ہی میں اللہ کا ذکر کرو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت لشکر بھیجا، جب جنگ ہوئی اس کے پیروکاروں کی بڑی تعداد ماری گئی وہ کمبل اوڑھے وحی کا انتظار کرتا رہا، عیینہ نے اس سے کہا کہ تیرے پاس وحی آئی؟ کمبل کے اندر سے کہا کہ نہیں اللہ کی قسم! اس کے بعد نہیں آئی۔ عیینہ نے کہا اس نے تجھے تیری سخت ضرورت کے وقت چھوڑ دیا ہے، پھر بنوفرازہ سے کہا: اے بنوفرازہ! یہ کذاب ہے، ہمیں اور اسے اس کے مطلوب میں برکت نہیں ملی، پھر طلحہ شکست کھا کر شام کے نواح میں بھاگ گیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس کے بعد مسلمان ہو گیا اور جنگ قادسیہ میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

د۔ نضر بن الحارث

نضر بن الحارث قریش کے سربرآوردہ لوگوں اور کفر وضلالت کے رؤسا میں سے تھا۔ اس نے نبوت اور وحی کا دعویٰ تو نہیں کیا لیکن قرآن کے معارضہ میں ایرانی اور عجمی بادشاہوں کی کہانیاں لے آیا تھا، قریش کی مجالس میں یہ قصے سناتا اور ان سے کہتا تھا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہونے والے قرآن سے بہتر ہیں۔

۵۔ چند دیگر افراد

مروی ہے کہ ابوالعلاء المعری، متنبی اور ابن المقفع نے بھی قرآن کے معارضے کی کوشش کی لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوئے، شرمندہ ہوئے قلم توڑ ڈالے اور ورق پھاڑ دیئے، ابن المقفع کی اس کوشش کا ہم گذشتہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں کہ اس نے معارضے کا ارادہ کیا اور کچھ پیش رفت کی کہ اس نے ایک بچے کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھتے ہوئے سنا:

وَقِيلَ يَٰٓأَرۡضُ ٱبۡلَعِي مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقۡلِعِي وَغِيضَ ٱلۡمَآءُ وَقُضِيَ ٱلۡأَمۡرُ وَٱسۡتَوَتۡ عَلَى ٱلۡجُودِيِّۖ وَقِيلَ بُعۡدٗا لِّلۡقَوۡمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝

اور حکم ہوا اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی سکھا دیا گیا اور کام تمام ہو گیا اور کشتی جودی (پہاڑ) پر آٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ ظالموں پر پھٹکار ہے۔ (۴۹)

جو کچھ جمع کیا تھا اس کو پھاڑ دیا، شرم کے مارے اس کو لوگوں کے سامنے نہ لایا اور یہ مشہور جملہ کہا کہ اللہ کی قسم! بشر اس کی مثل لانے کی طاقت نہیں رکھتا۔

علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ ابن المقفع کا یہ قصہ ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ ابن المقفع عقل مند انسان تھا وہ قرآن سے معارضے کو محال جانتا تھا کیونکہ وہ خود بلیغ ترین شخص تھا، جب آپ سے یہ کہا جائے کہ فلاں شخص قرآن سے معارضے کو ممکن سمجھتا ہے اور حجت بازی کرتا ہے، تو سمجھ لو کہ دو میں سے ایک بات ہو گی یا تو وہ اپنی جہالت سے ناواقف ہے یا پھر دانستہ لوگوں کے سامنے جھوٹ بول رہا ہے، تیسری صورت ہرگز نہیں ہو سکتی۔

علامہ رافعی، ابن المقفع اور ابوالعلاء المعریٰ سے منسوب اس قسم کی روایات کے منکر ہیں، ان کی نظر میں دونوں روایات باطل ہیں اور ان پر افترا ہیں۔

---

(۴۹) ھود: ۴۴

و: بہائی اور قادیانی

ہم نے سنا ہے ماضی قریب میں بہائیوں اور قادیانیوں نے قرآن کے مقابلہ میں کتابیں لکھی ہیں، لیکن خوف یا ندامت کے باعث لوگوں کے سامنے نہیں لائے اور ان کتب کو اس امید پر خفیہ رکھا ہے کہ مناسب وقت پر جب جہالت کی کثرت اور عقلوں میں فتور آ جائے گا ان کو باہر لایا جائے گا۔

اعجاز قرآن کے متعلق شبہات اور ان کا رد

پہلا شبہ: دشمنان اسلام قرآن اور نبی قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن بحیرا راہب سے سیکھا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا تا کہ لوگ اس کی قدسیت کے قائل ہو جائیں۔

جواباً عرض ہے بلاشبہ یہ سراسر فریب کاری ہے، نصرانی بدطینتوں اور ان کے معاون بے دینوں نے اس قسم کے جھوٹے خیالات پھیلائے ہیں تا کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اپنے دین کے بارے میں تشویش میں مبتلا کریں اور اس قسم کے شبہات اور افترآت پیش کر کے ان کے عقائد میں رخنہ اندازی کریں۔ یہ شبہ متعدد وجوہ سے باطل ہے:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو مرتبہ شام کی طرف سفر کیا ہے، ایک مرتبہ اپنی کم سنی میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ، اور دوسری مرتبہ جوانی میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ، تاریخ میں کہیں نہیں ہے آپ نے بحیرا سے کچھ سنا یا اس سے کبھی کوئی سبق لیا ہے، زیادہ سے زیادہ یہی آیا ہے کہ بحیرا راہب نے بادل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کرتے دیکھا تو آپ کے چچا سے کہا اس لڑکے کی بڑی شان ہو گی، اور ابو طالب سے کہا اس کو واپس مکہ بھیج دیں کہیں یہودی اس کو نقصان نہ پہنچائیں۔ کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کم سنی میں یہ علوم و معارف حاصل کر لیے تھے؟ یا آپ دس سال سے بھی کم عمر میں ایسا معجز قرآن لانے پر قادر تھے؟

دوسری بار آپ نے بغرض تجارت سفر کیا تھا، اس سفر میں آپ کی کسی راہب سے ملاقات ثابت نہیں، پھر اس بہتان اور افترا کی کا کیا حقیقت رہ جاتی ہے؟

۲۔ یہ عقلاً محال ہے کہ کوئی شخص پہلی مرتبہ بچپن میں اور دوسری مرتبہ بحیثیت تاجر کسی راہب سے ملے اور وہ عالم کا استاد بن جائے اور باوجود امی ہونے کے صرف ایک یا دو مرتبہ کسی راہب سے ملاقات کر کے قرآن کریم جیسی معجز کتاب لائے۔

۳۔ اگر بحیرا راہب ہی اس قرآن کا مصدر تھا تو بحیرا ہی منصب نبوت ورسالت کا زیادہ حق دار تھا، وہ دنیا بھر کے تمام عبقری انسانوں سے بڑھ کر عبقری اور نابغۂ روزگار تھا، کیونکہ اس نے ایسا کلام پیش کیا جس نے اولین وآخرین سب کو لاجواب اور بے بس کر دیا۔

۴۔ ان پاگلوں سے زیادہ یہ بات قریش مکہ کو سوجھنی چاہئے تھی کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور بہتان طرازی میں ان سے کہیں بڑھ کر تھے مگر انہوں نے بھی ایسی بے پر کی نہیں اڑائی۔ اور کبھی نہ سوچا کہ وہ قرآن کو بحیرا راہب کی تعلیم سے منسوب کر دیں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دو مرتبہ اس سے ملاقات ہو چکی ہے، وہ بھی اسے نامعقول اور ناقابل یقین تہمت جانتے تھے۔

دوسرا شبہ: قرآن کریم جبر رومی کی تعلیم کا نتیجہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قرآن جبر سے سیکھا ہے۔

اس شبہ کا اللہ تعالیٰ نے نہایت عمدہ اور روشن دلیل سے جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝

اور (اے نبی ﷺ) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو ایک آدمی سکھاتا ہے حالانکہ جس کی طرف یہ (منکرین) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف عربی ہے (۵۰)

جبر رومی تھے، عربی زبان سے ناواقف، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کس طرح تعلیم دے سکتے تھے، جبر رضی اللہ عنہ لوہار پیشہ تھے، مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب

(۵۰) النحل: ۱۰۳

وہاں سے گذرتے تو عموماً اس کے پاس تشریف فرما ہوتے، مشرکوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہی جبر رومی قرآن سکھاتا ہے، جبر کا مالک ان کو زدوکوب کرتا اور کہتا تھا کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سکھاتا ہے، جبر کہتے: نہیں، بخدا نہیں بلکہ آپ مجھے سکھاتے اور میری رہنمائی فرماتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ بعض افراد نے اس تہمت پر صاد کیا ہے حالانکہ اس کے بے ہودہ اور لچر ہونے میں کلام نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ سکھانے والا غلام، عجمی لوہار ہو، عربی زبان کے قواعد، اصول اور آداب سے ناواقف ہو پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم تر زبان عربی میں قرآن جیسی معجز کتاب سکھائے؟ کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ جبر جیسا رومی عجمی اس قرآن کا مصدر منبع ہو قرآن تو عربی زبان کی فصیح و بلیغ ترین کتاب ہے، بلکہ وہ معجزات کا معجزہ، فخر عرب ولغت عرب ہے، سو قرآن کریم کی یہ تردید باعظمت بھی ہے اور قطعی بھی کہ:

لِسَانُ الَّذِیۡ یُلۡحِدُوۡنَ اِلَیۡہِ اَعۡجَمِیٌّ وَّ ہٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۰۳﴾

حالانکہ جس کی طرف یہ (منکرین) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف عربی ہے۔ (۵۱)

تیسرا شبہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم منفرد، یکتا اور یگانہ روزگار عبقری انسان تھے، آپ کی اس عبقریت سے یہ ممکن ہے کہ آپ اس قرآن کے منبع ہوں، قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف اور ترتیب ہو، کیونکہ ایسی نابغۂ روزگار شخصیت سے اس قسم کا کارنامہ ممکن ہے۔

ہم کہتے ہیں یہ بات ایسا بے خبر اور جاہل انسان کہہ سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ کے قبیلے اور قوم کی تاریخ سے ناواقف ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم میں چالیس برس گزارے لوگ آپ کے صدق، امانت، فضل، عالی ظرفی اور بلند اخلاق کے قائل تھے یہاں تک کہ مشرکین آپ کو صادق اور امین کہتے تھے، اس پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے بعد کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ آپ اتنا عظیم بہتان گھڑیں اور یہ کہیں کہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں؟ انسان کی ابتدائی زندگی اس کی آخری زندگی کا پرتو اور دلیل ہوتی

(۵۱) النحل: ۱۰۳

ہے، کیا یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریفانہ، پاکیزہ، بہترین اور عمدہ زندگی سے میل کھاتی ہے، رومی بادشاہ ہرقل جب ابوسفیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کرتا ہے: کیا تم نے ان کے اعلانِ نبوت سے پہلے ان کو جھوٹ بولتے سنا ہے؟ تو ابوسفیان جواب میں کہتا ہے: نہیں، بلکہ وہ ہمارے نزدیک صادق وامین ہیں، ہرقل نے ابوسفیان سے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ لوگوں پر جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولے۔

دوسری طرف تاریخ سے یہ بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امّی تھے پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

اور (اے نبی ﷺ) اس سے پہلے نہ تو آپ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے کہ یہ جھوٹے لوگ دھوکہ کھاتے (۵۲)

اس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گذشتہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے حالات اور تفصیلی طور پر نازک، گہرے اور مشکل تاریخی امور، گذشتہ اقوام وامم کے حالات کی معرفت کیسے ممکن تھی، جبکہ آپ نے کتابیں پڑھیں، علم حاصل کیا نہ ہی اہل کتاب کے کسی صاحب علم سے اس قسم کی خبریں حاصل کیں؟

علاوہ ازیں کوئی انسان کتنا ہی نادرِ روزگار نابغۂ عصر اور ذہین وفطین ہو وہ امورِ غیب اور مستقبل کے احوال سے کیسے واقف ہوسکتا ہے، انسان کتنا ہی بلند مرتبہ ہو کیا اس کے لیے غیب کی ایسی خبریں بہم پہنچانا ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی خبر غلط ثابت نہ ہو؟ یہ تو صرف اور صرف ایسے صادق رسول سے ممکن ہے جس کی ہر خبر وحی الٰہی پر مبنی ہو۔ عقل کا یہی فیصلہ ہے کہ یہ کسی بشر کے بس کی بات نہیں۔ کوئی کتنا ہی عبقری ہو، اس کے فکر رسا کی رسائی کتنی بلندیوں پر ہو، اس کی شخصیت کتنی مثالی اور قوی ہو، وہ ہرگز غیب کے پردوں کو چاک نہیں کرسکتا اور اپنے مقدور سے زیادہ کی خبر نہیں دے سکتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(۵۲) العنکبوت: ۴۸

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝

(اے نبی ﷺ) اسی طرح ہم آپ کو ان لوگوں کی خبریں سناتے ہیں جو پہلے گزر چکے اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ (یعنی قرآن) دیا ہے۔ (۵۳)

چوتھا شبہ: انسانوں کا قرآن کی مثل لانے سے عاجز رہنا اس کے کلام اللہ ہونے کی دلیل نہیں ہے، لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی مثل لانے سے بھی عاجز ہیں، تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سب اللہ کا کلام ہوا یا اللہ کی جانب سے ہوا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ عوام الناس حدیث نبوی کی مثل لانے سے عاجز ہیں لیکن خاص افراد اس سے مستثنیٰ ہیں، ان کے لیے کلام نبوی کی مثل لانا خواہ بہ مقدار ایک حدیث یا ایک یا دو سطور کے برابر ہو ممکن ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اگرچہ فصاحت و بلاغت کی انتہائی بلندیوں پر ہے تاہم وہ انسانی کلام ہے، اور انسانوں کا کلام کبھی ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ ہم کلامِ نبوت اور بعض خواص صحابہ کرام کے کلام میں مشابہت پاتے ہیں، ہم حدیث سنتے ہیں تو اس شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوتی ہے یا کسی صحابی پر موقوف ہے یعنی صحابی کا کلام ہے؟ یا تابعی تک مقطوع ہے۔ جب تک راوی سند میں بیان نہ کردے ہمارے لیے تمیز کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اور ہم قائل کی تعیین نہیں کرسکتے۔ جو حضرات فصاحت و بلاغت سے شعورِ وافر رکھتے ہیں وہ عموماً ایسے شبہات میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہم لوگ جب کسی فصیح و بلیغ انسان کا عمدہ کلام سنتے ہیں تو ہم اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھتے ہیں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اور بعض نابغہ روزگار افراد کے کلام میں ہمیں شبہ ہونے لگتا ہے مثلاً معدہ بیماری کا گھر ہے، پرہیز ہر علاج کی بنیاد ہے وغیرہ، جب انسان ایسے جامع جملے سنتا ہے تو ان کے بہترین اسلوب اور صحت کے پیش نظر ان کو حدیث سمجھتا ہے حالانکہ یہ احادیث نہیں بلکہ عرب کے مشہور طبیب ابن کلدہ کے اقوال ہیں۔

---

(۵۳) طٰہٰ: ۹۹

قرآن کریم کی شان بالکل منفرد ہے وہ کسی کے کلام سے نہیں ملتا، کسی کا کلام اس کے مشابہ اور اس جیسا نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا نازل فرمانے والا مثل، نظیر، ہم سر اور مماثل سے پاک ہے، سو حدیث شریف کو صفت اعجاز میں قرآن کریم پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ اگر قرآن کریم حضرت محمد ﷺ کی تالیف ہوتا تو لازمی طور پر قرآن اور حدیث کا یکساں اسلوب ہوتا، کیونکہ دونوں کا صدور ایک شخص سے تھا، جس کی استعداد اور مزاج واحد تھے، حالانکہ ہمیں قرآن اور حدیث میں واضح فرق نظر آتا ہے، قرآن کریم کا اسلوب الگ ہے اس میں الوہیت وربوبیت کے جلوے نظر آتے ہیں جو مشابہت اور مماثلت سے ماوراہیں

حدیث شریف کا اسلوب دوسری نوعیت کا ہے، مشابہت اور مماثلت سے ماوراءنہیں بلکہ وہ رفیع المرتبت انسانی اسالیب کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہے اور کسی حالت میں اعجاز قرآن کی رفعتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا، جب بھی کوئی انسان قرآن کریم اور حدیث شریف کے اسالیب میں گہرا غور کرے گا اس پر یہ حقیقت عیاں ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝

جو کچھ زمین میں درخت ہیں اگر وہ سب قلم ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی (بن جائیں اور) اس کے بعد اس میں (سیاہی کے) سات سمندر اور آملیں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں بے شک اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ (۵۴)

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی اس قرآن کی مانند لانا چاہیں تب بھی اس جیسا (قرآن) نہ لاسکیں گے خواہ ایک دوسرے کی (کتنی ہی) مدد کیوں نہ کریں۔ (۵۵)

---

(۵۴) لقمان: ۲۷ (۵۵) الاسراء: ۸۸

قسم ثانی

تفسیر بالدرایہ (تفسیر بالرائے)

تفسیر بالروایہ پر بحث ونظر کے بعد اب ہم تفسیر بالدرایہ پر نظر ڈالتے ہیں، مفسرین اس تفسیر کو تفسیر بالرائے یا تفسیر بالمعقول کا نام دیتے ہیں، کیوں کہ اس قسم کی تفسیر میں مفسر اپنے اجتہاد پر اعتماد کرتا ہے، صحابہ کرام یا تابعین سے منقول آثار پر اعتماد نہیں کرتا بلکہ اس کا اعتماد لغت عرب، اہل عرب کے اسلوب کے طریقوں کے فہم، اہل عرب کے طریق تخاطب کی معرفت اور علم تفسیر کے لیے ضروری علوم کے ادراک پر ہوتا ہے، مثلاً صرف نحو، علوم بلاغت، اصول فقہ اور اسباب نزول کی معرفت وغیرہ، یعنی ایسے تمام علوم کی معرفت جو ایک مفسر کے لیے قرآن کریم کی تفسیر کرتے وقت ضروری ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم انشاء اللہ ان کی وضاحت کریں گے۔

تفسیر بالرائے کا معنیٰ

رائے کا معنیٰ ایسا اجتہاد ہے جو اصول صحیحہ اور قواعد سلیمہ متبعہ پر مبنی ہو، تفسیر قرآن کا ارادہ کرنے والے اور قرآن کے معانی بیان کرنے والے کے لیے ان کا جاننا نہایت ضروری ہے، یہاں رائے سے مجرد رائے یا خواہش نفس پر مبنی رائے، دل پسند نظریہ یا حسب گمان تفسیر قرآن مراد نہیں ہے علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ جس شخص نے قرآن میں اپنے وہم کے مطابق یا دل کے خیال کے موافق کہا، کسی اصول سے استدلال نہیں کیا، وہ خطا کار، مذموم ہے اور اس حدیث شریف کا مصداق ہے:

> جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے، اور جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کہا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کہا اس نے خطا کی۔ (۲)

---

(۱) ترمذی/ از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ (۲) ابوداؤد/ از جندب رضی اللہ عنہ۔

علامہ قرطبی اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ''جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کہا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے'' کی دو تفسیریں کی گئی ہیں:

۱۔ جس نے مشکل القرآن میں ایسی بات کہی جو صحابہ اور تابعین سے منقول نہیں وہ اللہ کی ناراضی میں پڑنے والا ہے۔

۲۔ جس نے قرآن کے بارے میں ایسی بات کہی جس کے غیر حق ہونے کا اس کو علم ہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

علامہ قرطبی نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، یہی قول معنوی اعتبار سے اثبت اور اصح ہے، مزید کہا کہ حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی رائے کو بعض اہل علم نے خواہش نفس پر محمول کیا ہے، مراد یہ ہے کہ جس نے قرآن میں ایسا قول کہا جو اس کی خواہش کے مطابق ہے ائمۂ سلف سے منقول نہیں تو اس نے صواب پانے کے باوجود خطا کی، کیونکہ اس نے قرآن پر ایسا حکم لگایا ہے جس کی اصل اسے معلوم نہیں اور اس کا قول اصحاب اثر ونقل کے مذہب پر موقوف نہیں ہے۔

ابن عطیہ کے بقول اس کا یہ مطلب ہے کہ کسی شخص سے کتاب اللہ عزوجل کا معنیٰ پوچھا جائے اور وہ علماء کے اقوال اور علمی قوانین مثلاً نحو، اصول وغیرہ میں غور اور علمی قوانین کے تقاضوں کو خاطر میں لائے بغیر اپنی رائے سے جواب دے۔ اس حدیث میں از روئے لغت، نحو، فقہ تفسیر کرنے والے لغوی نحوی اور فقہاء داخل نہیں، کیونکہ یہ حضرات ایسے اجتہاد سے قرآن کریم کے معانی اور احکام کی تفسیر کرتے ہیں جو صرف رائے پر منحصر نہیں ہوتے بلکہ ان کی نظر علمی اور نظری قوانین پر رہتی ہے۔ (۳)

تفسیر بالرائے کی اقسام

اس اعتبار سے تفسیر بالرائے کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ تفسیر محمود، ۲۔ تفسیر مذموم۔

---

(۳) تفسیر قرطبی/ ج ۱ص ۳۲۔

تفسیر محمود

تفسیر محمود وہ ہے جو شارع کی غرض کے موافق ہو، جہالت اور ضلالت سے دور ہو، لغت عربیہ کے قواعد کے ساتھ ساتھ چلے، قرآن کریم کی نصوص کے فہم پر مبنی اسالیب پر منحصر ہو، سو جس نے ان شروط کے مطابق کتاب عزیز کے معانی کی اپنے اجتہاد (رائے) سے تفسیر کی اس کی تفسیر جائز مباح ہے اسے تفسیر محمود یا تفسیر مشروع کہا جا سکتا ہے۔

تفسیر مذموم

یہ قرآن کریم کی بغیر علم کے یا حسب خواہش ایسی تفسیر ہے جو لغوی قوانین یا شریعت سے جہالت پر مبنی ہو، کلام اللہ کو اپنے فاسد مذہب یا بدعت ضالہ پر محمول کیا گیا ہو یا اپنی معلومات کو علم الٰہی پر ترجیح دیتے ہوئے حتماً یہ کہا گیا ہو کہ یہاں کلام اللہ سے یہ اور یہ مراد ہے، تفسیر کی یہ قسم تفسیر مذموم یا تفسیر باطل ہے۔ مختصراً تفسیر محمود کا مفسر قوانینِ لغت، اسالیب کلام اور قانونِ شریعت کا عارف ہوتا ہے اور تفسیر مذموم خواہش نفسانی، جہالت اور ضلالت پر مبنی ہوتی ہے۔

بعض نام نہاد علماء سے تفسیر مذموم کی مثالیں درج ذیل ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ

(اور وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے) جس دن ہم ہر ایک شخص کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ (۴)

اس کی تفسیر مذموم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو بطور پردہ پوشی ان کی ماؤں کے نام سے بلائے گا، یہاں ان جاہلوں نے ''امام'' کی تفسیر ''امھات'' (ماؤں) سے کی ہے اور ''امام'' کو ''اُم'' کی جمع سمجھا ہے، حالانکہ یہ لغت عرب کے خلاف ہے، کیونکہ ''ام'' کی جمع ''امھات'' ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأُمَّهَاتُكُمُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ

اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔ (۵)

---

(۴) الاسراء: ۷۱ (۵) النساء: ۲۳

''امُ'' کی جمع ''امام'' نہیں آتی، یہ قول از روئے لغت اور شریعت فاسد ہے۔ یہاں ''امام'' سے مراد امت کا نبی ہے یا نامۂ اعمال ہے، اس کی دلیل آیت کا آخری حصہ ہے:

فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا۝

پھر جس کو اس کی کتاب (اعمال نامہ) دائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو وہ لوگ اپنی کتاب کو پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔(۶)

جب انسان قواعد لغت اور اصول عربیت سے ناواقف ہو یقیناً وہ الل ٹپ، بے سوچے سمجھے کام کرے گا، اس کی رائے غلط اور اس کا فہم خطا پر مبنی ہوں گے۔ اسی طرح جو شخص شریعت کی غرض کو نہ سمجھتا ہو وہ جہالت اور گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۝

اور جو کوئی اس جہاں میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور وہ بہت ہی بڑا گمراہ ثابت ہوگا۔(۷)

اس آیت کے ظاہری معنیٰ سے استدلال کرتے ہوئے ہر نابینا کے لیے بدبختی، ناکامی اور دخول جہنم کا کہا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے آنکھ کا اندھا پن نہیں بلکہ دل کا اندھا پن مراد ہے، کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ۝

پس (نہ سمجھنے والوں کی) آنکھیں ہی اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ (وہ) دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔(۸)

---

(۶) الاسراء:۷۱ (۷) الاسراء:۷۲ (۸) الحج:۴۶

بعض اوقات آنکھوں کی بینائی سے محروم ہونا انسان کی سعادت اور نیک بختی کا باعث ہوتا ہے، حدیث قدسی میں ہے:

- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس کو میں نے اس کی دو محبوب چیزوں (آنکھوں) کی آزمائش میں مبتلا کیا، اس نے صبر کیا تو میں اس کو اس کے بدلہ میں جنت دوں گا۔

تفسیر باطل مذموم کے بعض نمونے ہم غرائب التفسیر کے زیر عنوان ذکر کریں گے، وہیں ملاحظہ کیجئے۔

امہاتِ تفسیر:

وہ اہم امور (اصول) تفسیر میں جن کے بارے میں اجتہاد کیا جاتا ہے، علامہ زرکشی کی البرھان اور علامہ سیوطی کی الاتقان کے بیان کے مطابق چار ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ ضعیف اور موضوع روایت سے احتراز کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کردہ تفسیر۔

۲۔ تفسیر میں صحابی کے قول سے اخذ کرنا۔ کیونکہ یہ حکماً حدیث مرفوع ہے۔

۳۔ مطلق لغت کو ماخذ بنانا، کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے، لغت عرب سے اختلاف نہ کرنا۔

۴۔ اہل عرب کے کلام کی موافقت سے ماخوذ ہونا اور قانونِ شرع کے مطابق ہونا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس کی دعا فرمائی تھی کہ ''اے اللہ! اسے دین کی سمجھ بوجھ اور تاویل کا علم عطا فرما''۔(۹)

مفسر کے لیے ضروری علوم

کتاب اللہ کا مفسر متعدد علوم اور معارف کا محتاج ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ان علوم میں مہارت حاصل کرے تا کہ تفسیر کے قابل ہو، ورنہ وہ اس وعید میں ''جس نے قرآن میں

(۹) الاتقان/ ج ۲، ص ۱۷۹۔

اپنی رائے کے مطابق کہا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے' داخل ہوگا۔

کسی مفسر کے لیے جن علوم میں مہارت ضروری ہے، علامہ سیوطی نے الاتقان میں ان کی تعداد پندرہ بیان کی ہے(۱۰) جن کو ہم بطور اختصار ذکر کر رہے ہیں:

۱۔لغت عربیہ اوراس کے قواعد علم نحو، صرف اور علم اشتقاق کی معرفت۔

۲۔علوم بلاغت، علم معانی، بیان اور بدیع کی معرفت۔

۳۔اصول فقہ، خاص، عام، مجمل، مفصل وغیرہ کی معرفت۔

۴۔اسباب نزول کی معرفت۔

۵۔ناسخ ومنسوخ کی معرفت

۶۔علم قرأت کی معرفت

۷۔خداداد صلاحیت اور ملکہ

اوّل: علم لغت

مفسر لغت اور اس سے متعلق علوم نحو، صرف اور اشتقاق کی معرفت رکھتا ہو، یہ علم مفسر کے لیے ضروری ہے کیونکہ مفردات اور مرکبات کی معرفت کے بغیر اس کے لیے آیت کا فہم ممکن نہیں، اس کے سمجھے بغیر کیا کوئی اس ارشادِ ربانی کی تفسیر کرسکتا ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾

جولوگ اپنی بیویوں سے علیحدہ رہنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے پھر اگر وہ (اس عرصے میں) رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔(۱۱)

جب تک مفسر ایلاء اور تربص کے لغوی معنیٰ نہیں جانے گا، اس کی تفسیر نہیں کرسکتا۔

---

(۱۰) علامہ سیوطی نے مندرجہ ذیل پندرہ علوم شمار کئے ہیں: ۱۔لغت، ۲۔نحو، ۳۔تصریف، ۴۔اشتقاق، ۵۔بیان۔ ۶۔معانی، ۷۔بدیع، ۸۔قراءات، ۹۔اصول دین، ۱۰۔اصول فقہ، ۱۱۔اسباب نزول، ۱۲۔ناسخ و منسوخ کا علم، ۱۳۔علم فقہ، ۱۴۔تفسیری احادیث کا علم، ۱۵۔علم وہبی۔ (۱۱) البقرہ: ۲۲۶

امام مالک نے فرمایا۔ جب بھی کوئی ایسا شخص کتاب اللہ کی تفسیر کرے گا جو لغت عرب کا عالم نہ ہو تو وہ قرآن کو آفت و مصیبت بنا دے گا''۔

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ''جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ لغاتِ عرب جانے بغیر کتاب اللہ کے بارے میں بات کرے''۔

جب لفظ لغوی معنیٰ سے متفق نہ ہو تو ایسی تفسیر باطل ہوگی۔ جیسا کہ بعض روافض نے آیت کریمہ

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝۱۹

اس نے دو دریا رواں کئے جو باہم ملے ہوئے ہیں۔ (۱۱)

کی تفسیر علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما سے۔ اور آیت کریمہ:

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝۲۲

ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ (۱۲)

کی تفسیر حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے کی ہے۔

یا ارشادِ ربانی:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۲۴

اب (یہ نشانیاں لے کر) تم فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے۔ (۱۳)

میں فرعون کی تفسیر دل سے کی گئی ہے اور اس سے سخت دل ظالم مراد لیا ہے، علامہ قرطبی کہتے ہیں کبھی بعض واعظ مقاصد صحیحہ، تحسینِ کلام اور سامعین کی ترغیب کے لیے ایسے مفاہیم بیان کرتے ہیں، حالانکہ یہ ممنوع ہے یہ لغت میں قیاس ہے اور جائز نہیں اور تفسیر بالرائے کی ممانعت کا ایک سبب ہے۔ (۱۴)

مفسر کے لیے علم نحو ضروری ہے۔ کیونکہ حرکات کے تغیر سے مفہوم میں زبردست تبدیلی آجاتی ہے، مثلاً ارشاد ربانی ہے:

---

(۱۱) الرحمٰن: ۱۹ (۱۲) الرحمٰن: ۲۲ (۱۳) طٰہٰ: ۲۴ (۱۴) تفسیر قرطبی / ج ۱ ص ۳۳۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا

بلاشبہ اللہ سے اس کے بندوں میں سے علم والے ہی ڈرتے ہیں۔(۱۵)

اللہ تعالیٰ کے باعظمت اسم کی ''ہ'' پر نصب (زبر) ہے اور لفظ ''العلماء'' کے ہمزہ پر رفع (پیش) ہے، اس طرح مطلب صحیح ہے یعنی اللہ کے بندوں میں سے صاحب علم ہی اس سے ڈرتے ہیں، جس کا علم باللہ زیادہ ہوتا جاتا ہے اس میں خشیتِ الٰہی بڑھتی جاتی ہے، اگر اس کے برعکس حرکات ہو جائیں یعنی زبر کی جگہ پیش اور پیش کی جگہ زبر ہو تو مفہوم غلط ہو جائے گا۔

عجیب واقعہ

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں بغیر سوچے سمجھے قرآن پڑھنے پڑھانے کے متعلق یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک بدوی مدینہ طیبہ میں آیا، اس نے کہا: مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ (قرآن) کون پڑھائے گا؟ ایک صاحب نے اس کو سورۃ البرأۃ پڑھائی، اور آیت کریمہ:

اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۵ وَرَسُوْلُہٗ

اللہ اور اس کا رسول دونوں مشرکوں (کو امن دینے) سے دستبردار ہوتے ہیں۔(۱۶)

میں لفظ رسول کے لام پر ضمہ (پیش) کی جگہ جر (زیر) پڑھی، بدوی نے کہا کہ کیا اللہ اپنے رسول سے بری ہو گیا، اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بری ہے تو میں بھی اس کے رسول سے بری ہوں، لوگوں کو بدوی کی یہ بات بہت بھاری لگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک بات پہنچی تو آپ نے اس بدوی کو بلا کر پوچھا کہ کیا تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہو؟ اس نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین! میں مدینہ میں آیا مجھے قرآن کا علم نہ تھا، میں نے پوچھا کہ مجھے قرآن کون پڑھائے گا؟ تو اس شخص نے مجھے سورۃ البرأۃ پڑھائی، اور اس طرح اس آیت کو پڑھا، تو میں نے کہا کہ کیا اللہ اپنے رسول سے بری ہے؟ اگر اللہ اپنے رسول سے بری ہے تو میں بھی اس سے بری

(۱۵) فاطر: ۲۸ (۱۶) التوبہ: ۳

ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اعرابی! یہ آیت اس طرح نہیں۔ اعرابی نے کہا کہ امیر المؤمنین پھر یہ آیت کس طرح ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت صحیح اعراب سے پڑھ کر سنائی، اعرابی نے کہا کہ بخدا میں بھی اس سے بری ہوں جس سے اللہ اور اس کا رسول بری ہیں، میں مشرکوں سے بری ہوں، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ لوگوں کو صرف لغت کا عالم ہی قرآن پڑھائے اور ابوالاسود کو نحو مرتب کرنے کا حکم دیا۔ (۱۷)

مفسر کے لیے علم صرف اور اشتقاق بھی ضروری ہے تا کہ انسان الل ٹپ بے سوچے سمجھے بات نہ کرے، زمخشری کہتے ہیں کہ بدعی تفسیر کی ایک مثال یہ ہے کہ ارشاد ربانی:

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ

(اور وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے) جس دن ہم ہر ایک شخص کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ (۱۸)

میں لفظ ''امام'' کو ''ام'' کی جمع کہا گیا ہے، اور یہ کہ لوگ قیامت کے روز باپوں کی بجائے ماؤں سے بلائے جائیں گے، حالانکہ یہ فاحش غلطی ہے۔ یہ علم تصریف سے جاہل شخص کا قول ہے کیونکہ ''ام'' کی جمع ''امام'' نہیں آتی۔ (۱۹)

دوم: علوم البلاغه

کتاب عزیز قرآن کریم کے مفسر کے لیے علوم بیان، معانی اور بدیع بھی لازم ہیں، کیونکہ قرآنی اعجاز کا ادراک ان علوم کی پاس داری کے بغیر نہیں ہو سکتا، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ

اور ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں میں تو بچھڑا گھر کر گیا تھا۔ (۲۰)

یعنی بچھڑے کی محبت، یہاں مضاف محذوف ہے۔ اسی طرح واسئل القریة (۲۱) میں اہل قریہ (بستی والے) مراد ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے:

---

(۱۷) تفسیر قرطبی/ ج ا ص ۲۴ (۱۸) الاسراء: ۷۱ (۱۹) ا۔ الاتقان، ج ۲، ص ۱۸۱ (۲۰) البقرہ: ۹۳ (۲۱) یوسف: ۸۲

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ

وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ (۲۲)

یہ حقیقت نہیں بلکہ استعارہ ہے، جس طرح لباس شرمگاہ کو ڈھانپتا ہے، انسان کو زینت و جمال دیتا ہے اسی طرح مرد اور عورت بھی ایک دوسرے کا لباس ہیں ایک دوسرے کو مزین اور مکمل کرتے ہیں، یہ جملہ عمدہ نظم اور بدائع کلام میں سے ہے، جب انسان اس کو ظاہری معنیٰ پر محمول کرے گا تو اس کا مفہوم بگڑ جائے گا۔

کہتے ہیں اہل فرانس نے قرآن کریم کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرنا چاہا جب اس آیت کریمہ پر پہنچے تو اس کے ظاہرِ الفاظ کا ترجمہ کیا اور اس کی حقیقت تک نہ پہنچے۔ ان کا ترجمہ کچھ اس قسم کا تھا ''وہ تمہاری پینٹیں ہیں اور تم ان کی پینٹیں ہو'' اس لیے کہ ان کا لباس یہی تھا، ان کا فہم غلط ہو گیا اور وہ قرآن کی اس عمدہ اور بہترین تعبیر تک رسائی نہ حاصل کر سکے جو یہاں مطلوب تھی۔

اسی طرح ایک بدوی کا قصہ ہے اس نے یہ ارشادِ ربانی سنا:

وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ

اور جب تک صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے ممتاز نہ ہو اس وقت تک (صبح صادق تک) کھا پی لیا کرو۔ (۲۳)

اس نے سفید اور کالی دو ڈوریاں رکھ لیں، برابر کھاتا رہا اور ان کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ سورج نکلنے کا وقت قریب آ گیا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا کہ یہ تمہاری سمجھ کی غلطی ہے، خیط ابیض اور خیط اسود سے سفید اور کالی ڈوریاں مراد نہیں بلکہ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی مراد ہے۔

قرآن کریم میں استعارے، کنائے اور مجاز کی بکثرت مثالیں ہیں جن کی معرفت علم بیان اور علم بدیع ہی سے ممکن ہے، قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے متعلق ارشاد ہے:

تَجْرِىْ بِاَعْيُنِنَا ''ہماری حفاظت اور نگرانی سے''۔ (۲۴) نیز فرمایا: قَدَمَ صِدْقٍ

(۲۲) البقرہ: ۱۸۷ (۲۳) البقرہ: ۱۸۷ (۲۴) القمر: ۱۴

''سچائی کا قدم''۔(ان کے رب کے پاس)(۲۵)اور لِسَانَ صِدْقٍ ''سچائی کی زبان''۔(۲۶) اور جَنَاحَ الذُّلِّ ''عاجزی کے بازو''(۲۷) یہ تمام الفاظ اور ان جیسے دیگر الفاظ علوم بلاغت اور علم بیان کے اسرار کے فہم کے محتاج ہیں۔

اسی طرح باقی علوم اصول فقہ، اسباب نزول، ناسخ ومنسوخ کی معرفت اور علم قرأت ہے، مفسر ان میں سے ہر علم کا محتاج ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تفسیر میں خطا سے بچے اور ان ضروری امور سے عدم واقفیت کی وجہ سے اس کا قدم نہ ڈگمگائے۔

علم موہبت سے علم لدنی ربانی مراد ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝

اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے خاص علم سکھایا۔(۲۸)

اللہ تعالیٰ اس علم کا وارث اس شخص کو بناتا ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے، اس کے قلب کو اسرار ربانی کے فہم کے لیے کشادہ کردیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں سکھاتا ہے۔(۲۹)

علم لدنی اخلاص اور تقویٰ کا ثمرہ ہوتا ہے، جس دل میں تکبر، بدعت، دنیا کی محبت یا گناہوں سے محبت بھری ہو وہ اس سے محروم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝

میں ایسے لوگوں کو احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں گے، اور اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اس پر نہ چلیں اور اگر وہ

---

(۲۵)یونس:۲ (۲۶)مریم:۵۰ (۲۷) الاسراء:۲۴(۲۸)الکہف:۶۵ (۲۹)البقرہ:۲۸۲

گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس پر چلنے لگیں، یہ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے اور ان سے غفلت کرتے رہے۔ (۳۰)

امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

میں نے وکیع کی خدمت میں سوءِ حفظ کا شکوہ کیا تو انہوں نے مجھے معاصی کے ترک کی ہدایت کی۔ اور مجھے بتایا کہ علم نور ہے اور اللہ کے نور کی طرف گنہگار کی رہنمائی نہیں کی جاتی۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ شاید تم علم لدنی کی حقیقت نہ سمجھ سکو اور کہو کہ یہ انسانی قدرت میں نہیں ہے، تمہاری یہ سوچ درست نہیں، اس علم کا حصول بھی ممکن ہے اس کی تحصیل کا راستہ عمل اور زہد سے گزرتا ہے، عمل اور زہد میں جس قدر اضافہ ہوتا ہے یہ علم اتنا ہی بڑھتا ہے۔ علامہ سیوطی نے مزید فرمایا کہ علوم قرآن اور ان سے مستنبط علوم ناپیدا کنار سمندر ہیں، ہم نے گزشتہ سطور میں جن علوم کا ذکر کیا ہے یہ مفسر کے لیے بطور آلہ ہیں جن کے حصول کے بغیر مفسر تفسیر نہیں کر سکتا، جو ان علوم کے بغیر تفسیر کرتا ہے وہ ممنوعہ تفسیر بالرائے کا مرتکب ہوتا ہے (۳۱)

واضح رہے کہ علمائے کرام کی مذکورہ شرائط تفسیر کے اعلیٰ مراتب کے حصول کے لیے ہیں، قرآن کریم کے عام مفہوم کو انسان قرآن کریم کے الفاظ کی سماعت سے سمجھ سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو سہل اور آسان کر دیا ہے تاکہ لوگ اس کی بلند پایہ آیات میں تدبر کریں اور نصیحت حاصل کریں۔ ارشاد فرمایا:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ

کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ (۳۲)

یہ تفسیر قرآن کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔

مراتب تفسیر:

مرحوم شیخ محمد عبدہ نے تفسیر کے دو مراتب بیان کئے ہیں:

(۳۰) الاعراف: ۱۴۶ (۳۱) الاتقان/ ج ۲ ص ۱۸۱ (۳۲) محمد: ۲۴

ا۔اعلیٰ مرتبہ، ۲۔ادنیٰ مرتبہ

تفسیر کا اعلیٰ مرتبہ مندرجہ ذیل امور سے تکمیل واتمام پاتا ہے:

۱۔ اہل لغت کے استعمال کے موافق قرآن کریم میں موجود الفاظ مفردہ کے حقائق کا فہم۔

۲۔ بلند پایہ اسالیب کلام کی معرفت۔اس کا حصول بلیغ کلام پر گہری نظر اور کلام کے نکات ومحاسن پر عبور سے ہوتا ہے۔

۳۔ احوال بشر کا علم،قوموں کے تدریجی تغیر،ترقی اور تشکیل نو میں سنن الٰہیہ کی معرفت،ان میں قوت وضعف،عزت وذلت اور ایمان وکفر کے مختلف احوال سے واقفیت۔

۴۔ قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق بشریت کا علم،دورِ جاہلیت میں اہل عرب کی شقاوت اور گمراہی سے واقفیت،حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے''جس نے جاہلیت کی زندگی کے بارے میں نہیں پڑھا وہ اسلام کی فضیلت سے واقف نہیں ہوسکتا''۔

۵۔ دینی اور دنیوی معاملات اور امور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی علمی اور عملی سرگرمیوں کا علم۔

ادنیٰ مرتبہ

تفسیر کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اجمالی طور پر ایسے امور کا بیان ہو جو دل ودماغ کو اللہ کی عظمت اور تنزیہ سے روشناس کریں،نفس کو شر سے ہٹا کر خیر کا طلب گار بنائیں،تفسیر کی یہ قسم ہر انسان کو میسر ہے،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿١٠﴾

اور ہم نے قرآن کو سیکھنے والوں کے لئے آسان کر دیا ہے،سو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔(۳۳)

وجوہ تفسیر

علامہ سیوطی،ابن جریر کے حوالہ سے متعدد طرق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

(۳۳) القمر:۱۷

سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تفسیر کی چار وجوہ ہیں:

۱۔ ازروئے لغت اہل عرب کی تفسیر۔

۲۔ حلال وحرام کا حکم (جس سے جہالت قابل قبول عذر نہیں)

۳۔ علماء کی تفسیر۔

۴۔ وہ تفسیر جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر بالرائے کے جواز میں علماء کے اقوال

تفسیر بالرائے کے معنیٰ اور شرائط کی معرفت کے بعد اب ہم اس تفسیر کے بارے میں علماء کے اقوال اور اس تفسیر کے مجوزین اور مانعین کے دلائل ذکر کر رہے ہیں تا کہ حق روز روشن کی طرح واضح ہو جائے، اللہ ہی سے مدد کی التجا ہے۔

یہاں تفسیر بالرائے سے مراد تفسیر بالاجتہاد ہے، جبکہ مفسر کلام عرب، ان کے اسلوب خطاب سے واقف ہو، عربی الفاظ اور ان کے وجوہ دلالت کی معرفت رکھتا ہو۔

تفسیر بالرائے میں علماء کے دو مکتب فکر ہیں:

پہلا مکتب فکر

اس مکتب فکر کے علماء تفسیر بالرائے کے عدم جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک تفسیر سماع پر موقوف ہے۔

دوسرا مکتب فکر

یہ حضرات مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ تفسیر بالرائے کے جواز کے قائل ہیں۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

مانعین کے دلائل

پہلے مکتب فکر کے حاملین علماء تفسیر بالرائے کی ممانعت میں متعدد دلائل پیش کرتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

ا۔ تفسیر بالرائے اللہ تعالیٰ کی طرف بغیر علم کے کسی قول کو منسوب کرنا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی ممانعت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ باتیں کہو جو تم جانتے نہیں۔ (۳۴)

۲۔ حدیث شریف میں اس شخص کے لیے شدید وعید آئی ہے جو اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف بغیر علم کے بات منسوب نہ کرو، سو جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ کہا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے، اور جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کہا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے''۔ (۳۵)

۳۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

ہم نے ان کو معجزے اور کتابیں دے کر (بھیجا تھا) اور (اے رسول) ہم نے آپ پر بھی قرآن نازل کیا ہے تاکہ جو کچھ ان کے لئے نازل کیا گیا ہے آپ اس کو لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کردیں اور تاکہ لوگ (اس میں) غور کریں۔ (۳۶)

اس آیت کریمہ میں بیان کی اضافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے لیے قرآن کے معانی بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

۴۔ صحابہ کرام کا قرآن کریم میں اپنی رائے سے احتراز۔ یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے کونسا آسمان سایہ فراہم کرے گا اور کون سی زمین مجھے سکون دے گی جب میں قرآن میں اپنی رائے سے کہوں یا اس میں وہ کہوں جس کا مجھے علم نہیں؟

تفسیر بالرائے کے مجوزین کے دلائل

تفسیر بالرائے کے مجوزین جمہور علماء نے اپنے موقف میں متعدد دلائل ذکر کیے ہیں

(۳۴) البقرہ: ۱۶۹ (۳۵) ترمذی (۳۶) النحل: ۴۴

جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم میں تدبر کرنے پر برانگیختہ کیا ہے اور اس میں غور وفکر کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد فرمایا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝

یہ (قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ عقلمند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ (۳۷)

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۝

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔ (۳۸)

تدبر اور تذکر قرآن کریم کے اسرار ورموز میں غور وفکر کرنے اس کے مفاہیم کو سمجھنے میں کوشش کرنے کو کہتے ہیں، تو کیا اللہ تعالیٰ نے صاحب علم لوگوں کو ایسی چیز کا حکم دیا ہے جو ان کے لیے ممنوع ہے حالانکہ وہ (تدبر، تفکر، تذکر) علم کا راستہ اور معرفت کا ذریعہ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا ہے، عوام الناس اور علماء، اور لوگوں کو ان اہل علم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے جو احکام مستنبط کرتے ہیں: ارشاد فرمایا:

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ

اور اگر وہ اس کو رسول اور اپنے حاکموں تک لے جاتے تو ان میں تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے۔ (۳۹)

استنباط روشن خیالی سے دقیق معانی کا استخراج ہے، اور یہ اجتہاد اور اسرار قرآن میں گہرے غور وفکر کا محتاج ہے، جس طرح تیراک سمندر کی گہرائی میں غوطہ زن ہو کر موتی اور جواہر

(۳۷) ص: ۲۹ (۳۸) محمد: ۲۴ (۳۹) النساء: ۸۳

نکالتا ہے۔

۳۔ اگر اجتہاد سے تفسیر ناجائز تھی تو پھر اجتہاد بھی جائز نہ ہو اور کثیر التعداد احکام معطل ہو جائیں، حالانکہ یہ قول باطل ہے، بلکہ مجتہد حکم شرع میں صواب کو پائے یا خطا پر ہو جب وہ اپنی پوری کوشش صرف کرے اور حق وصواب تک رسائی کا دلی طور پر خواہش مند ہو وہ عنداللہ ماجور ہے۔

۴۔ صحابہ کرام نے قرآن کریم پڑھا اور متعدد وجوہ سے تفسیر میں باہم اختلاف کیا، انہوں نے تفسیر قرآن میں جو کچھ کہا سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت نہیں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی ضروری تفسیر ان کے لیے بیان فرمادی اور باقی کو ان کی عقل اور اجتہاد پر چھوڑ دیا، اگر آپ نے تمام معانی اور مفاہیم بیان فرمادیئے ہوتے تو تفسیر قرآن میں صحابہ کرام مختلف الرائے نہ ہوتے۔

۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کی کہ ''اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ اور تاویل (تفسیر) کا علم عطاء فرما'' اگر تاویل بھی تنزیل کی طرح نقل اور سماع پر موقوف اور مقصود تھی تو پھر حضرت ابن عباس کے لیے اس دعا کی تخصیص کا کیا فائدہ؟ اس سے معلوم ہوا کہ تاویل رائے اور اجتہاد سے تفسیر ہے۔

مانعین کے دلائل کا رد

تفسیر بالاجتہاد کے مجوزین نے مانعین کا ناقابل تردید دلائل اور براہین قاطعہ سے رد کر کے ان کی غلطی ثابت کی ہے، رد کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ تفسیر بالرائے بغیر علم کے اللہ کی طرف قول منسوب کرنا نہیں بلکہ یہ قول شارع علیہ السلام کا اذن یافتہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مجتہد اجتہاد کرے اور صواب کو پالے اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد میں خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے، اگر اجتہاد کی اجازت ہی نہیں تو پھر اجر پانے کے کیا معنیٰ ہوئے؟

۲۔ مانعین کی دوسری دلیل یہ حدیث شریف ہے کہ ''جس نے قرآن میں بغیر علم کے کہا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے''۔

علامہ سیوطی نے مانعین کی اس دلیل کے پانچ جواب دیئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے:

۱۔ تفسیر کے لیے ضروری علوم کے حصول کے بغیر تفسیر کرنا۔

۲۔ متشابہات کی تفسیر کرنا، جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

۳۔ فاسد مذہب کی تائید میں تفسیر، مذہب اصل اور تفسیر اس کے تابع ہو۔

۴۔ بغیر دلیل کے کسی حکم کو قطعی طور پر مرادِ الٰہی قرار دینا۔

۵۔ خواہش نفس کے مطابق تفسیر کرنا۔

(علامہ سیوطی کی تصریح کے مطابق مذکور الصدر وعید میں اس قسم کی تفسیریں آتی ہیں، اجتہاد پر مبنی تفاسیر ان میں شامل نہیں ہیں)۔

۳۔ مانعین کی تیسری دلیل کے جواب میں کہا گیا ہے کہ ہمیں تسلیم ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان پر مامور ہیں لیکن آپ تمام اشیاء کے بیان سے قبل اللہ کے جوارِ رحمت میں چلے گئے، سو جن کا بیان ہوا اس میں اجتہاد کا دخل نہیں اور جہاں بیان نہیں فرمایا وہاں اجتہاد اور غور وفکر سے کام لیتے ہوئے بیان کیا جا سکتا ہے، آیت کریمہ کا آخری حصہ **ولعلھم یتفکرون** بھی اسی کی گواہی دے رہا ہے۔ اس لیے غور وفکر اور اجتہاد لازم ہے۔

۴۔ چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کا باز رہنا ان کے تقویٰ، احتیاط اور اس خوف کی بناء پر تھا کہ کہیں وہ صحیح مراد تک نہ پہنچ سکیں، ان کا خیال تھا تفسیر اللہ پر شہادت ہے کہ اس نے اس لفظ سے یہ معنیٰ مراد لیا ہے، اس لیے وہ رکے رہے کہ کہیں صواب ان کی طرف نہ ہو (وہ خطا پر ہوں) لیکن جب ان پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ وہ صواب پر ہیں تو وہ تفسیر سے نہیں رکتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کلالہ کے بارے میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتے تھے۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ

وہ آپ سے حکم پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے۔ (۴۰)

اور فرماتے تھے کہ میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر یہ صواب ہے تو اللہ کی جانب سے

---

(۴۰) النساء:۱۷۶

ہے اور اگر خطا ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ کلالہ وہ ہے کہ جس کا والد اور اولاد نہ ہو

اس طائرانہ نظر سے آپ پر تفسیر بالاجتہاد کے مانعین کی خطا واضح ہوگئی ہوگی، جنہوں نے تفسیر کے لیے منقول اور ماثور کی شرط عائد کی ہے، جمہور کے دلائل کی قوت اور مانعین کے دلائل کا بودا پن آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔

اب ہم آئندہ سطور میں تفسیر القرآن بالاجتہاد کے متعلق امام غزالی، علامہ راغب اصفہانی اور علامہ قرطبی کے خیالات نقل کر رہے ہیں۔

امام غزالی کے کلمات

الاحیاء میں امام غزالی کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے معانی اور مفاہیم کا میدان نہایت وسیع ہے، ظاہر تفسیر میں منقول اقوال اس کے حدود کے مکمل ادراک کا احاطہ نہیں کرتے، سو سماع کی شرط باطل ہے، ہر صاحب علم کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے فہم اور عقل کے بقدر قرآن کریم سے استنباط کرے۔ (۴۱)

علامہ راغب اصفہانی کا خیال

علامہ راغب اصفہانی تفسیر کے مقدمے میں دونوں مذاہب اور ان کے دلائل ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ بعض محققین نے ذکر کیا ہے کہ دونوں مذہب غلو اور تقصیر پر مبنی ہیں جس نے منقول پر اقتصار کیا اس نے بکثرت ضروری امور کو ترک کر دیا۔ اور جس نے ہر شخص کو تفسیر کی اجازت دے دی اس نے تفسیر کو بازیچۂ اطفال بنا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد لِيَدَّبَّرُوٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۴۲) کی حقیقت کو نہ سمجھا۔ (۴۳)

امام قرطبی کی تقریر

علامہ قرطبی اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے کہا تفسیر سماع پر موقوف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

(۴۱) احیاء العلوم/ ج۳ ص ۳۶، ۳۷ (۴۲) ص: ۲۹ (۴۳) مقدمہ تفسیر الراغب/ ص ۴۲۳۔

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ

پھر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ (۴۴)

یہ قول فاسد ہے، کیونکہ قرآن کی تفسیر سے مراد یا تو نقل، مسموع اور ترک استنباط پر منحصر ہوگی یا اس کے علاوہ پر، یہ کہنا کہ سماع کے بغیر قرآن میں کوئی کچھ نہ کہے باطل ہے، کیونکہ صحابہ کرام نے قرآن کریم پڑھا اور اس کی تفسیر میں متعدد وجوہ سے اختلاف کیا، اور انہوں نے جو کچھ کہا وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا ''اے اللہ! اس کو دین میں سمجھ اور تاویل کا علم عطاء فرما'' اگر تاویل بھی تنزیل کی طرح سماع پر منحصر ہوتی تو اس تخصیص کا کیا فائدہ؟ دراصل یہ نہی دو میں سے کسی ایک وجہ پر محمول ہے:

۱۔ مفسر کی اپنی خاص رائے ہو، وہ میلان طبع کی بناء پر اپنی خواہش اور رائے کے مطابق قرآن کی تفسیر کر رہا ہے۔

۲۔ ظاہر الفاظ کو سامنے رکھ کر قرآن کی تفسیر میں جلدی کرے نقل اور سماع کا خیال رکھے غرائب قرآن پر توجہ دے نہ ہی حذف واضمار اور تقدیم و تاخیر کو پیش نظر رکھے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَ اٰتَیۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا میں غور کریں، اس کا معنٰی ہے ''ہم نے قوم ثمود کو واضح معجزہ اور کھلی نشانی کے طور پر اونٹنی دی سو انہوں نے اس (کے قتل) سے اپنی جانوں پر ظلم کیا''۔

ظاہری عربی الفاظ کو دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ اونٹنی مبصرہ (روشن نشانی) تھی، یہ نہیں جان پائے گا کہ قوم ثمود نے کیا ظلم کیا، انہوں نے خود پر ظلم کیا یا دوسروں پر، یہ حذف واضمار میں سے ہے، قرآن کریم میں بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں، ان دو وجوہ کے علاوہ دیگر وجوہ اس نہی میں شامل نہیں ہیں۔ (۴۵)

(۴۴) النساء: ۵۹ (۴۵) الجامع لاحکام القرآن/ ج ۱ ص ۳۴

تیسری قسم

تفسیر اشاری اور غرائب التفسیر

تفسیر کی تیسری قسم تفسیر اشاری ہے، اس بحث میں ہم تفسیر اشاری کا معنیٰ، شرائط، اس کے متعلق علماء کی آرا بیان کریں گے، تفسیر اشاری کے نمونے ذکر کریں گے، پھر اس موضوع پر اہم تفاسیر اور ان کی خوبیوں اور خامیوں کا تذکرہ کریں گے۔

تفسیر اشاری کا معنیٰ

تفسیر اشاری قرآن کی خلافِ ظاہر تاویل ہے، یہ بعض اہل علم پر منکشف ہونے والے خفیہ اشارات پر یا بعض عارف باللہ ارباب سلوک ومجاہدات کے بیان کردہ ان نکات پر مشتمل ہوتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نورِ بصیرت عطا ہونے پر ان کے ادراک میں آتے ہیں یا الہام الٰہی یا فتح ربانی کے ذریعے ان کے اذہان میں وہ دقیق مفاہیم القا ہوتے ہیں، آیات کریمہ کی ظاہری مراد اور ان نکات کو جمع کرنا ممکن ہوتا ہے۔

تفسیر اشاری آیت کریمہ کے ظاہری معنیٰ سے الگ مفسر کی دوسرے مفہوم پر مبنی تفسیر ہے، یہ تفسیر ہر انسان کے بس میں نہیں صرف ان حضرات کا حصہ ہے اللہ تعالیٰ نے جن کے قلوب کے لیے باب عنایت وا فرمایا ہے، ان کو نور بصیرت عطا فرمایا ہے اور اپنے صالح بندوں میں ان کو شامل فرمایا ہے، ان کو منجانب اللہ فہم وادراک عطیہ ہوا ہے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت خضر کے قصے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝

پھر انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے

اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے ایک خاص علم سکھایا تھا۔(۱)

علم لدنی علم ہی کی ایک قسم ہے جو کسبی علم کی طرح بحث اور مذاکرے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ وھبی علم تقویٰ، استقامت اور باطنی صلاح کا ثمرہ ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں سکھاتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔(۲)

تفسیر اشاری علماء کی نظر میں

تفسیر اشاری میں علماء کا اختلاف ہے، ان کی آرا بھی متضاد ہیں، بعض علماء اس کو جائز سمجھتے ہیں اور بعض اس سے منع کرتے ہیں، بعض حضرات اس کو کمالِ ایمان اور عرفانِ محض شمار کرتے ہیں اور بعض اسے گمراہی، ضلالت اور اللہ کے دین سے انحراف قرار دیتے ہیں۔

واقعتاً یہ نہایت گہرا توجہ طلب موضوع ہے، بصیرت اور بصارت کا محتاج ہے، اس کی حقیقت میں غوطہ زنی ہی سے اس قسم کی تفسیر کی صحیح غرض کی نقاب کشائی کی جاسکتی ہے کہ کہیں یہ خواہشات نفسانی اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو بازیچۂ اطفال بنانے کی مکروہ کوشش تو نہیں ہے، جیسا کہ باطنیوں کا طرز عمل رہا ہے، اس صورت میں یہ بے دینی اور الحاد ہوگا۔ اور اگر اس غرض سے یہ اشارہ ہو کہ کوئی بشر اللہ تعالیٰ کے کلام کا احاطہ نہیں کرسکتا کیونکہ یہ خالق وقادر رب کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے بے شمار مفاہیم، اسرار، نکات، دقائق اور غیر منتہی عجائب ہیں تو پھر یہ عرفان محض اور کمالِ ایمان ہوگا، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قرآن متعدد فنون اور شعبوں والا ہے، اس کے ظاہر اور باطن ہیں، اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے اور اس کی انتہا تک رسائی نہیں ہوتی، جو شخص نرمی سے اس کی گہرائی میں داخل ہوا نجات پا گیا اور جو شخص سختی اور درشتی

---

(۱) الکہف: ٦۵ (۲) البقرۃ: ۲۸۲

سے اس میں داخل ہوا وہ پستی میں گرا، اس میں اخبار و امثال، حلال و حرام، ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ اور ظاہر و باطن ہے، اس کا ظاہر تلاوت اور باطن تاویل (تفسیر) ہے، قرآن فہمی کے لیے علماء کے ساتھ بیٹھو، بے وقوفوں سے پرہیز کرو۔ (۳)

تفسیر اشاری کے مجوزین کے دلائل

تفسیر اشاری کو جائز سمجھنے والے صحیح البخاری کے باب التفسیر میں مروی سورۃ النصر کی تفسیر میں منقول اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شیوخ بدر کے ساتھ مجھے اپنے ہاں داخلہ دیا کرتے تھے۔ ان حضرات میں سے کسی کے دل میں خیال آیا اور انہوں نے کہا کہ اس کو ہمارے ساتھ داخلہ نہ دیا کرو حالانکہ ہمارے بیٹے اس کی ہمسری کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو اس کی ذہانت اور علم معلوم ہے، ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے شیوخ بدر کے ساتھ طلب فرمایا، میں سمجھ گیا کہ حضرت عمر ان حضرات کو کچھ دکھانا چاہتے ہیں، اس لیے مجھے ان کے ساتھ بلایا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے دریافت کیا آپ اس ارشاد الٰہی کے بارے میں کیا کہتے ہیں:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝

جب اللہ کی مدد اور فتح آچکی۔ (۴)

ان میں سے بعض نے کہا ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جب ہمیں فتح و نصرت عطا ہو ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، بعض حضرات خاموش رہے کچھ نہ بولے، حضرت عمرؓ نے مجھ سے کہا کہ اے ابن عباس! تم بھی اسی طرح کہتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں، فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی رحلت کی خبر دی ہے، فرمایا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے، تو یہ آپ کی رحلت کی علامت ہے، تو آپ اپنے رب

(۳) الاتقان/ ج ۲ ص ۱۸۵ (۴) النصر: ۱

کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں، بے شک وہ بڑا توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی اس سے وہی جانتا ہوں جو تم نے کہا۔ (۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سورۃ النصر کے اس فہم کو باقی صحابہ نے نہیں سمجھا، صرف حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اس کا فہم پایا، یہ تفسیر اشارہ ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے الہام فرماتا ہے اور اپنے بعض بندوں کو اس پر مطلع فرما دیتا ہے، اس سورۃ کریمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رحلت کے قریب ہونے کی خبر ہے، اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن لوگوں سے خطاب فرمایا اور دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا:

> اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور اپنے قرب کا اختیار دیا تو اس نے اللہ کے پاس جانے کو پسند کرلیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے، ایک روایت میں ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم اور ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

راوی کہتے ہیں کہ ہمیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے پر حیرت ہوئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو ہمیں معلوم ہوا کہ اختیار والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے بڑے عالم تھے۔ (۶)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اشارہ سے بات سمجھ گئے تمام صحابہ نہ سمجھ پائے اور وہی ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔

تفسیر اشاری کے متعلق علماء کے اقوال

اب ہم اللہ تعالیٰ سے راست بازی اور رہنمائی پر مدد کی درخواست کرتے ہوئے تفسیر اشاری کے متعلق علمائے کرام کے اقوال مختصراً نقل کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں خطا اور گمراہی سے اجتناب عطاء فرمائے۔ آخر میں ہم بعونہ تعالیٰ امام غزالی رحمہ اللہ کی دل نشین، جامع اور فیصلہ کن بحث ذکر کریں گے۔

---

(۵) بخاری/کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ نصر (۶) احمد ج ۳ ص ۱۸ رقم ۱۱۱۵۰

البرھان میں علامہ زرکشی کا تبصرہ

البرھان میں علامہ زرکشی لکھتے ہیں کہ تفسیر قرآن میں صوفیہ کے کلام کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے یہ تفسیر نہیں بلکہ دورانِ تلاوت ان کے محسوسات اور جذبات کا اظہار ہے، جیسا کہ ان میں سے ایک صاحب آیت کریمہ:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ

اپنے آس پاس کے کافروں سے قتال کرو۔(۷)

کی تفسیر میں کہتے ہیں اس سے نفس مراد ہے، چونکہ آیت کریمہ میں ہمیں قریب ترین دشمن سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے اور انسان کا قریبی دشمن اس کا نفس ہے۔

علامہ نسفی اور علامہ تفتازانی کا تبصرہ

علامہ نسفی العقائد میں کہتے ہیں کہ نصوص اپنے ظواہر پر ہیں، ان کا دوسرے مفاہیم اور معانی کی طرف عدول الحاد و بے دینی ہے، ایسے معانی باطل پرست لوگوں کی ایجاد ہیں۔

علامہ تفتازانی شرح العقائد میں کہتے ہیں کہ ملاحدہ کو باطنیہ کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ نصوص اپنے ظاہر پر نہیں ہیں بلکہ ان کے ایسے معانی اور مفاہیم ہیں جن کو صرف معلّم جانتا ہے، اس سے وہ کلیتاً شریعت کی نفی مراد لیتے ہیں۔

رہا بعض محققین کا یہ مذہب کہ نصوص اپنے ظواہر پر ہیں تاہم ان میں ایسے گہرے مخفی اشارے ہیں جو صرف ارباب سلوک پر منکشف ہوتے ہیں، ان ظاہری اور مخفی معانی میں توفیق اور [illegible] ممکن ہے، ان دقیق معانی تک رسائی کمالِ ایمان اور عرفان محض ہے۔(۸)

آپ نے ملاحظہ کرلیا علامہ تفتازانی نے باطنیہ کی طرف اشارہ کر کے اللہ کے دین میں ان کے الحادی طریقہ کی وضاحت کردی، موضوع کی وضاحت کے ساتھ باطنیہ کی گمراہی کا رد کیا اور اہل سلوک کے لیے مخفی اشارات اور گہرے معانی کے استنباط کا اقرار کرتے ہوئے اس کے کمالِ معرفت و ایمان ہونے کا اقرار کیا ہے۔

---

(۷) التوبہ:۱۲۳　(۸) تفتازانی / شرح العقائد النسفیۃ

اس تقریر سے تفسیر اشاری اور تفسیر باطنی میں فرق واضح ہو گیا، تفسیر اشاری بعض عارف باللہ حضرات کی تفسیر ہے اور تفسیر باطنی ان ملاحدہ کی تفسیر ہے جو کتاب اللہ کے معانی اور مفاہیم میں تحریف کرتے ہیں۔

اوّل الذکر حضرات نصوص کی ظاہری مراد کے منکر نہیں بلکہ وہ اسے اصل اور بنیاد کہتے اور کہنے پر زور دیتے ہیں، نیز کہتے ہیں اولاً ظاہر معنٰی کی معرفت ضروری ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص ظاہری حکم سے ہٹ کر قرآنی اسرار کے فہم کا دعویٰ کرے تو اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو دروازے میں داخل ہوئے بغیر گھر کی چھت پر پہنچنے کا دعویٰ کرے۔

باطنیہ کہتے ہیں نصوص کے ظاہری معانی قطعاً مراد نہیں بلکہ باطنی معانی مراد ہیں، اس مذہب کے پردے میں وہ شریعت کی نفی اور احکام شریعت کو باطل کرنا چاہتے ہیں، یہ بلاشبہ اللہ کے دین میں الحاد ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝

بے شک جو لوگ ہماری آیتوں کو توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں بھلا جو آگ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن وامان سے (جنت میں) آئے تم جو چاہو کرتے رہو بلاشبہ اللہ وہ سب دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو۔(۹)

الاتقان میں علامہ سیوطی کی تقریر

علامہ سیوطی الاتقان میں ابن عطاء کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ واضح رہے اس گروہ کی تفسیر یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تفسیر اشاری ظاہری نصوص سے پھرنا نہیں، بلکہ آیت کا وہی ظاہری مفہوم اور مدلول مراد ہے جو زبان کے عرف میں معروف ہے، اور ارباب سلوک اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ علم ومعرفت سے آیت اور حدیث کے

(۹) حم السجدہ: ۴۰

باطنی مفہوم کو حاصل کر لیتے ہیں۔

ارباب سلوک سے ایسے مفاہیم ملنے پر کوئی نکتہ چیں آپ سے یہ نہ کہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو بدلنا اور ظاہری مفہوم سے پھیرنا ہے، کیونکہ یہ پھیرنا نہیں، بدلنا اور پھیرنا تو تب ہوتا اگر وہ حضرات یہ کہتے کہ اس آیت کا اس کے علاوہ کوئی معنی نہیں ہے، لیکن وہ ایسا نہیں کہتے بلکہ وہ ظواہر کو ظواہر پر برقرار رکھتے ہیں، اس کی ظاہری مراد کو باقی رکھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے الہام سے دوسرا مفہوم بھی سمجھتے ہیں (۱۰)

میں کہتا ہوں یہ انصاف کی بات ہے اور شیخ نے حق کو اس کا صحیح مقام دیا ہے، نصوص ظاہرہ اور عارف باللہ مؤمن کے قلب پر انوار الٰہی سے وارد مخفی معانی میں بہترین تطبیق دی ہے، جیسا کہ گزشتہ سطور میں حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق مذکور ہوا ہے، یہ باعث تعجب نہیں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکمت عطاء فرماتا ہے، جس کے لیے ارادہ فرماتا ہے اسے فہم و فراست سے نوازتا ہے، قرآن کریم ہمیں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے پاس آئے ہوئے ایک مقدمہ کے فیصلہ کے بارے میں بتاتا ہے کہ دونوں حضرات نے ایک دوسرے سے مختلف فیصلہ دیا، ارشاد ہے:

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا

پھر ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے ہر ایک کو حکمت اور علم دے رکھا تھا۔ (۱۱)

تفسیر اشاری کے متعلق وارد حدیث شریف کا معنیٰ

یہاں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ تفسیر اشاری کے متعلق وارد حدیث شریف کے معانی بیان کریں، یعنی آیت کے ظاہر و باطن، حد اور مطلع کی وضاحت کریں، تاکہ باطنی ملحدین اسے اپنے باطل دعویٰ کے لیے حجت نہ بنائیں، کلام اللہ کی اپنے باطنی عقائد اور طریقوں کے مطابق تفسیر کر کے اپنی خواہشات کے مطابق نصوص کریمہ کو بازیچۂ اطفال نہ بنائیں۔

الفریانی نے اپنی سند سے از حسن بصری از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے کہ آپ

(۱۰) الاتقان / ج ۲ ص ۱۸۵ (۱۱) الانبیاء ۷۹

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہر آیت کا ایک ظاہر اور باطن ہے، ہر حرف کے لیے حد ہے اور ہر حد کے لیے مطلع ہے''

اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے:

''اس قرآن کے ہر حرف کی حد ہے اور ہر حد کا مطلع ہے''۔(۱۲)

علامہ سیوطی نے اس حدیث شریف کی تشریح میں بعض وجوہ ذکر کی ہیں جن میں سے صواب سے قریب تر وجوہ ہم ذکر کر رہے ہیں، علامہ ظاہر و باطن کے معنیٰ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں

۱۔ ظاہر سے نص کے الفاظ اور باطن سے اس کی تاویل مراد ہے۔

۲۔ ظاہر سے ظاہری علوم کے علماء پر ظاہر ہونے والے معانی اور باطن سے ارباب حقائق پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے منکشف ہونے والے اسرار مراد ہیں۔

۳۔ ظاہر سے گزشتہ اقوام کے قصص اور ان پر آنے والا ہلاکت خیز عذاب مراد ہے اور باطن سے دوسروں کو نصیحت مراد ہے تاکہ وہ ان افعال کا اعادہ نہ کریں اور ان جیسے عذاب میں مبتلا نہ ہوں۔

علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ یہ توجیہ زیادہ قرین صواب ہے۔(۱۳)

حد سے حلال اور حرام کے احکام مراد ہیں، اور مطلع سے وعد اور وعید مراد ہیں۔ اس کی گذشتہ سطور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ''قرآن متعدد فنون اور شعبوں والا ہے'' سے بھی تائید ہوتی ہے۔

تفسیر اشاری کی قبولیت کی شرائط

تفسیر اشاری مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ قابل قبول ہوگی:

۱۔ نظم قرآن کے ظاہری معنیٰ کے منافی نہ ہو۔

۲۔ اس دعویٰ سے مبرا ہو کہ اس سے ظاہری معنیٰ مراد نہیں صرف یہی معنیٰ مراد ہے۔

۳۔ تفسیر بعید از فہم کمزور، نامعقول تاویل پر مبنی نہ ہو کہ نص کے ظاہری الفاظ اس توجیہ کے

---

(۱۲) المعجم الکبیر ج ۹ ص ۱۳۶ (۱۳) الاتقان ج ۲ ص ۱۸۵

متحمل نہ ہوں۔ جیسا کہ باطنیہ نے ارشادِ الٰہی وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ (۱۴)
کی تفسیر میں کہا ہے کہ امام علی علم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہوئے۔

۴۔ عقلی یا شرعی دلیل کے مخالف اور معارض نہ ہو۔

۵۔ لوگوں کے فہم کے لیے باعث تشویش نہ ہو۔

ان شرائط کے بغیر تفسیر اشاری نا قابل قبول ہوگی، اور وہ خواہش نفس اور ممنوعہ تفسیر بالرائے ہوگی۔ (یقیناً اللہ ہی توفیق دینے والا اور صراطِ مستقیم کا ہادی ہے)۔

تفسیر اشاری پر شیخ زرقانی کی گراں قدر رائے

علامہ شیخ عبدالعظیم الزرقانی نے صاحب دل اور غور وفکر کرنے والوں کے لیے پر از حکمت، سچی نصیحت کی بات تحریر کی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ''آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ بعض لوگ ان اشارات اور خیالات کی تعلیم ومطالعے میں مصروف ہوگئے اور یہ سمجھ لیا کہ قرآن وسنت بلکہ پورا اسلام اسی قسم کے سوانح اور واردات پر مشتمل ہے، ان تاویلات وتوجیہات کی روشنی میں انہوں نے گمان کیا کہ قرآن انہی تخیلات پر مشتمل ہے، مطلوب صرف قول، وہم وگمان، خیال اور تصور ہے خواہ کہیں سے ہو، انہوں نے اپنے خیالات کو شریعت کی قید سے ورا جانا اور بلیغ ترین عربی نصوص کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم کے لیے لغت عربیہ کے قوانین کو قابل احترام اور لائق توجہ نہیں مانا۔ اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ وہ لوگوں کو یہ مغالطہ دیتے ہیں اور اس وہم میں ڈالتے ہیں کہ وہی اہل حق ہیں کہ انہوں نے اس کی انتہا کو پالیا ہے اور ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا اتصال ہے کہ تکالیف شرعیہ ان سے ساقط ہوگئی ہیں، وہ اسباب کی پستیوں سے نکل کر رفعتوں پر پہنچ چکے ہیں اور ہمیشہ رب الارباب کی معیت میں رہتے ہیں۔ ان کی یہ سوچ اللہ کی قسم عظیم ترین معصیت ہے، باطنیہ قانون شریعت کو اس کے اصول اور قواعد سمیت منہدم کرنے کے لیے اسے روبہ عمل لائے ہیں۔ ہم اپنے مسلم بھائیوں کو بطور نصیحت ضرور کہیں گے کہ وہ اس جال سے بچیں، اس قسم کی اشاری تفاسیر سے ہاتھ جھاڑ لیں کیونکہ یہ سب شرعی ضبط وتقیید کی حدود سے خارج صرف وہم وخیال کی کارستانیاں ہیں، بسا اوقات وہم حقیقت سے اور حق باطل

(۱۴) النمل، ۱۶۔

سے مختلط ہوجاتا ہے، اس لیے عقل مند انسان کو چاہیے ان لغزش گاہوں سے خود کو دور رکھے، اپنے دین کے ساتھ، کتاب وسنت کی رہنمائی میں اور قوانین شریعت ولغت کی تشریحات کی روشنی میں خوش بختی کے باغات اور جنتوں میں رہے۔ (۱۵)

أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ

کیا تم اعلیٰ درجے کی چیز کو ادنیٰ درجے کی چیز سے بدلنا چاہتے ہو۔ (۱۶)

حجۃ الاسلام امام غزالی کا تبصرہ

حجۃ الاسلام امام غزالی اپنی کتاب احیاء علوم الدین کے عنوان الذکر و التذکیر میں لکھتے ہیں کہ شطحیات سے ہم بعض صوفیہ کے دو قسم کے اقوال مراد لیتے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق میں ان کے طویل وعریض دعوے، اور ایسا وصال جس نے ان کو ظاہری اعمال سے بے نیاز کر دیا ہے، حتیٰ کہ بعض لوگوں نے ذات باری سے اتحاد، ارتفاع حجاب، رؤیت باری کا مشاہدہ اور بالمشافہ خطاب کا دعویٰ کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ کہا گیا اور ہم نے اس طرح کہا، وہ اس سلسلے میں حسین الحلاج سے مشابہت کا دعویٰ رکھتے ہیں جسے اس قسم کے کلمات کہنے پر صلیب پر چڑھا دیا گیا اور اس کے قول انا الحق کی مثال دیتے ہیں، یہ نہایت فتنہ پرور کلام ہے، عوام کے لیے نہایت ضرر رساں ہے، یہاں تک کہ ایسے قول کے قائل کو قتل کر دینا اللہ کے دین میں دس افراد کو زندگی دینے سے افضل ہے۔

۲۔ غیر مفہوم الفاظ، ظاہر کلام نہایت عمدہ، عبارات زبردست اور مختصر، اس قسم کے کلام کا کوئی فائدہ نہیں اس سے دل تشویش میں، عقل دہشت میں اور ذہن متحیر ہوتے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب بھی کسی نے لوگوں کو ان کی سمجھ میں نہ آنے والی حدیث سنائی ان کو فتنہ اور آزمائش میں ڈالا۔ (۱۷)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے:

لوگوں سے ان کی جانی پہچانی چیزوں سے بات کرو کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ

---

(۱۵) مناہل العرفان [illegible]

اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے (۱۸)

تفسیر اشاری فاسد کی مثالیں

امام غزالی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ رہیں طاعات تو وہ مذکورہ الفاظ میں داخل ہیں، دوسری چیز ان الفاظ کی تخصیص ہے اور وہ الفاظ شرع کو ان کے جانے پہچانے مفہوم سے پھیر کر ایسے باطنی امور پر منطبق کرنا ہے جس کے فہم کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ بھی حرام ہے اور اس میں زبردست ضرر اور نقصان ہے، ان مصیبت کے ماروں کی بعض تاویلات کی مثالیں درج ذیل ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝

اب تم فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ سرکش ہوگیا ہے۔ (۱۹)

اس کی تاویل میں کہا گیا یہ دل کی طرف اشارہ ہے فرعون سے مراد دل ہے، وہی ہر انسان پر سرکش ہے، اور ارشادِ الٰہی:

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ

اور یہ کہ تم اپنے عصا کو ڈال دو۔ (۲۰)

کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر وہ شے جس پر تم اعتماد اور بھروسہ کرتے ہو اس کو پھینک دو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "سحری کرو کہ سحری کرنے میں برکت ہے" کا مطلب یہ کیا کہ یہاں سحور کا مطلب ہے سحر کے وقت استغفار کرو۔ اسی طرح کی بہت سی مثالیں ہیں، قرآن کی از اول تا آخر ظاہری معانی سے، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر علماء سے منقولہ تفاسیر سے بالکل الگ تفسیر کرتے ہیں، ان کی بعض تاویلات قطعاً باطل ہیں مثلاً فرعون سے قلب مراد لینا، حالانکہ فرعون محسوس شخصیت کا نام ہے جس کا وجود تواتراً منقول ہے، اور ان کی بعض تاویلات غالب ظن کی بناء پر باطل ہیں، یہ تمام تاویلات گمراہی پر مبنی اور حرام ہیں اور مخلوق کے

---

(۱۸) صحیح بخاری/موقوف بر علی رضی اللہ عنہ (۱۹) طٰہٰ ۲۴ (۲۰) القصص ۳۱

دین کو فاسد کرنے کا باعث ہیں۔

ان آفت کے ماروں میں سے جو شخص اس علم کے باوجود کہ الفاظ سے یہ تاویل مراد نہیں ایسی تاویلات کو جائز سمجھتا ہے وہ اس شخص کے برابر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب اور افترا کو جائز جانتا ہے، اور ہر مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث گھڑ لیتا ہے۔

یہ ظلم اور گمراہی ہے اور اس وعید میں داخل ہے ''جس شخص نے دانستہ مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے'' بلکہ نص قرآن وحدیث میں اس طرح کی تاویل زیادہ سنگین اور عظیم ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ پر اعتماد ختم کرتی ہے اور قرآن کریم سے کلیتًا استفادے اور فہم کا راستہ بند کر دیتی ہے۔ (۲۱)

خلاصۂ بحث:

گزشتہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر اشاری اگرچہ شرع سے مؤید ہے لیکن اس میں بعض فاسد تاویلات داخل ہوگئی ہیں اور بعض لوگوں نے علماء کی مقرر کردہ شرائط کی رعایت نہ کرتے ہوئے باطنی مسلک کی پیروی کی ہے، اور الل ٹپ باتیں کہی ہیں بلکہ ہر ایرا غیرا اپنی خواہشات نفسانی کے مطابق کتاب اللہ پر دست درازی کرنے لگا ہے، وہ شیطانی وساوس کو تفسیر سمجھنے لگا ہے حالانکہ اس میں نری حماقت، گمراہی اور جہالت ہوتی ہے کیونکہ ایسی تفسیر کتاب اللہ کی تحریف اور باطنی ملحدوں کی ہمراہی پر مبنی ہوتی ہے، اگرچہ اس میں لفظی تحریف نہیں ہوتی لیکن معنوی طور پر تحریف ہوتی ہے۔

میں نے ایک صاحب کو اس آیت کریمہ:

قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩١﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ (ہی نے نازل کی تھی)، پھر آپ ان کو چھوڑ دیجئے کہ یہ اپنے خرافات میں کھیلتے رہیں۔ (۲۲)

سے یہ استشہاد کرتے سنا کہ مرید کے لیے ضروری ہے وہ ذکر الٰہی میں لفظ ''اللہ'' کو

---

(۲۱)(۱) احیاء علوم الدین۔ باختصار (۲۲) الانعام: ۹۱

لازم رکھے، اس نے اس لفظ کو لفظ قول کا مقول بنایا یعنی قل: اللہ، اس جاہل غبی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس جملے کی خبر محذوف ہے یعنی اللہ انزلہ اور آیت کریمہ کا سیاق اس کی دلیل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

اور انہوں نے اللہ کی ویسی قدر نہیں کی جیسی کی جانی چاہیے تھی جب کہ کہنے لگے کہ اللہ نے آدمی پر کچھ نازل نہیں فرمایا۔ (اے محمد ﷺ) آپ ان سے پوچھئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو (حضرت) موسیٰ لائے تھے جو لوگوں کے لئے نور و ہدایت تھی جس کو تم نے ورق ورق کر رکھا ہے۔ جن میں سے کچھ تو تم (لوگوں کو) دکھاتے ہو اور بہت سے چھپاتے ہو اور (اس کے ذریعے) تمہیں بہت سی ایسی باتیں تعلیم کی گئیں ان کو نہ تو تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ (ہی نے نازل کی تھی)، پھر آپ ان کو چھوڑ دیجئے کہ یہ اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں۔ (۲۳)

ایسے خلط ملط کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اس لئے اہل اسلام علماء کو چاہیے ان جیسے جاہلوں کو کتاب اللہ پر دست درازی سے روکیں، ظاہر کے خلاف اور حق وصواب سے خالی تفسیر سے منع کریں، تاکہ وہ تفسیر اشاری کے زعم میں ایسی نامعقول حرکتوں سے باز آجائیں۔

تفسیر کی حدود اور شروط ہیں، ہر انسان اپنی رائے یا اپنے ناقص فہم کے بل بوتے پر قرآن کریم کو تختۂ مشق نہ بنائے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے سچ کہا ہے کہ نیم حکیم بدن کو فاسد کرتا ہے اور نیم عالم دین کو فاسد کر دیتا ہے۔

اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہِ راست کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔

(۲۳) الانعام: ۹۱

غرائب تفسیر

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب الاتقان میں علامہ کرمانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے دو جلدوں میں ''العجائب والغرائب'' کے نام سے کتاب تالیف کی ہے جس میں تفاسیر میں منقول ایسے منکر اقوال جمع کئے ہیں جن پر اعتماد اور جن کی نقل جائز نہیں کیونکہ یہ گمراہوں کے گمراہانہ اقوال ہیں، علامہ کرمانی نے ان سے احتراز کے لیے ان کو ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے ان کے ذکر سے یہ ارادہ کیا ہے کہ علم کے ایسے دعویدار احمق ہیں، ہم ان میں سے بعض اقوال نقل کریں گے، نیز باطنیہ کے بعض اقوال نقل کر رہے ہیں تاکہ مسلمان ایسی باطل باتوں سے بچیں جو اندھے تعصب اور خواہشات نفسانی کے بطور امت مسلمہ میں پھیلائی گئی ہیں۔

غرائب کی مثالیں:

ا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حٰمٓ O عٓسٓقٓ O اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ: ''ح'' سے حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگ (حرب) ''م'' سے بنو مروان کی ولایت، ''ع'' سے عباسیوں کی حکمرانی، ''س'' سے سفیانیوں کی ولایت اور ''ق'' سے مہدی کا قدوہ (اسوہ) مراد ہے۔

۲۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

اور اے عقل والو! تمہارے لئے قصاص میں ایک زندگی ہے تاکہ تم (خونریزی سے) بچو۔(۲۴)

یہاں قصاص سے قرآنی قصص مراد ہیں حالانکہ یہ معنیٰ شرعاً اور لغتاً باطل ہے، جاہل ہی ایسی بات کہہ سکتا ہے۔

۳۔ارشادِ الٰہی:

وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ

لیکن میں اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔(۲۵)

---

(۲۴)البقرہ:۱۷۹ (۲۵)البقرہ:۲۶۰

کے متعلق کہا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک دوست تھا جس کو انہوں نے اپنا قلب (دل) کہا ہے، اس کی تفسیر یہ کی کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا تاکہ میرا دوست مطمئن ہوجائے، یہ تاویل دوراز کار اور بعید از فہم ہے۔

۴۔ ارشاد الٰہی

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

اے اللہ ہم پر ایسا بوجھ نہ رکھ جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔ (۲۶)

کی تفسیر میں کہا اس سے محبت اور عشق مراد ہے جس کے تحمل کی انسان میں طاقت نہیں، اس باطل تاویل کو الکواشی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝

اور اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جائے۔ (۲۷)

کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے اس سے آلہ تناسل کا انتشار مراد ہے، بلاشبہ ایسی نامعقول جرأت اور انتہائی بے شرمی کی بات پرلے درجے کا احمق کرسکتا ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝

اسی نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ بنائی پھر تم اس سے (مزید) آگ جلاتے ہو۔ (۲۸)

کی تفسیر میں کہا کہ سرسبز درخت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نار یعنی نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، اور فاذا انتم منه توقدون کا مطلب ہے: تم دین حاصل کرتے ہو۔ (۲۹)

لغت اس تفسیر پر دلالت نہیں کرتی اور یہ نصوص قرآنی کی باطل تاویل ہے اگرچہ اس کی عبارت عمدہ اور انداز بیاں خوبصورت ہے۔

---

(۲۶) البقرہ: ۲۸۶ (۲۷) الفلق: ۳ (۲۸) یٰس: ۸۰ (۲۹) الاتقان/ ج ۲ ص ۱۸۶۔ بہ تصرف۔

شیعہ تفسیر کے نمونے

شیعوں کے متعدد فرقے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں یہ لوگ حد سے تجاوز کر گئے ہیں ان میں سے بعض تو کفر کر چکے، ان کا سربراہ ابن سبا خبیث یہودی تھا، جس نے اپنا مکروفریب پھیلانے کے لیے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ ان میں سے بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ نزول میں جبریل امین سے غلطی اور خطا ہوگئی، رسالت کا پیغام لے کر اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اترنا تھا مگر غلطی سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا، یہ لوگ ہمیشہ مسلمانوں سے لڑتے جھگڑتے رہے، روایات میں آیا ہے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کیا، ان سے جنگ کی اوران کے کفراور گمراہی پران کا تعاقب فرمایا۔

ان میں سے بعض لوگ معتدل ہیں وہ کفر کے گڑھے تک نہیں پہنچے وہ بعض عقائد میں اہل سنت و جماعت کے مخالف ہیں، وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمراور حضرت عثمان سمیت تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے معتقد ہیں، خلافت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق سمجھتے ہیں کیونکہ آپ اہل بیت میں سے تھے، اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خلفاء ثلاثہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق خلافت سلب کرلیا تھا۔

بعض صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ بعض اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ شیخین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر سب وشتم کرتے ہیں اور العیاذ باللہ ان کے گمراہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی تعریف کی ہے اوران کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اصحاب میں سے قرار دیا ہے۔

اب ہم اثنا عشری اور سبائی اہل تشیع کی کتاب اللہ میں بعض تاویلات کا نمونہ پیش کررہے ہیں

اثنا عشری شیعوں کی تفسیروں کے نمونے

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ

پھر چاہیے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کریں۔ (۳۰)

(۳۰) الحج: ۲۹

اس کی تفسیر امام علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات سے کی ہے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝

جس دن ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجائے گی۔(۳۱)

الراجفة حسین رضی اللہ عنہ اور الرادفة ان کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بے شک تمہارا دوست تو اللہ اور اس کا رسول اور مومن ہیں۔(۳۲)

یعنی جو لوگ بارہ اماموں پر ایمان لائے۔

لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ

دو خدا نہ بناؤ۔(۳۳)

یعنی دو امام نہ بناؤ، امام صرف ایک ہے۔

وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا

اور (حشر کی) زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔(۳۴)

زمین امام کے نور سے جگمگانے لگی۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ

جن لوگوں نے انکار کیا ان کی مثال اس راکھ کی مانند ہے جس پر آندھی کے دن تیز ہوا چلے (ہوا اڑا کر لے جائے)۔(۳۵)

اس کی تفسیر میں کہا ہے جس نے حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کا اقرار نہ کیا اس کا عمل باطل ہو جائے گا اور اس راکھ کی طرح ہوگا جسے ہوا اڑا کر بکھیر دیتی ہے۔

يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝

کاش میں مٹی ہوتا۔(۳۶)

(۳۱) النازعات:۶، ۷ (۳۲) المائدہ:۵۵ (۳۳) النحل:۵۱ (۳۴) الزمر:۶۹ (۳۵) ابراہیم:۱۸ (۳۶) النباء:۴۰

یعنی ابوتراب (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) کے شیعان میں سے ہوتا۔

سبائی شیعہ کی تفاسیر کے نمونے

۱۔ سبائی شیعوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بادل میں رہتے ہیں وہ بجلی کی گرج کو حضرت علی کی آواز اور اس کی چمک کو ان کے کوڑے کی چمک یا ان کا تبسم کہتے ہیں، ان میں سے کوئی جب بجلی کے گرجنے کی آواز سنتا ہے تو کہتا ہے کہ السلام علیک یا امیر المؤمنین۔

۲۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی زندگی کی طرف لوٹ آئیں گے اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ

(اے نبی ﷺ) بے شک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹالے جائے گا پہلی جگہ۔(۳۷)

یعنی آپ کو عن قریب دنیا کی طرف واپس بھیجے گا۔

۳۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾

بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔ بے شک وہ بڑا ظالم اور نادان ہے۔(۳۸)

کی تفسیر میں ظلوم وجہول سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مراد لیتے ہیں۔

۴۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ

(۳۷) القصص: ۸۵ (۳۸) الاحزاب: ۷۲

جیسا کہ شیطان کا حال جو انسان سے کہتا ہے (اللہ کا) منکر ہو جا۔ (۳۹)

اس آیت میں شیطان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تفسیر کرتے ہیں۔ (۴۰)

اہل تشیع کی تفاسیر میں سے مرآۃ الانوار و مشکاۃ الاسرار کے نام سے اکازلانی کی تفسیر نجف سے شائع ہوئی ہے، یہ تفسیر باطنیوں جیسی تاویلات پر مشتمل ہے، اس میں زمین کی دین، ائمہ علیہم السلام، شیعہ، محل علم وقرار علم قلوب اور گزشتہ امتوں کے اخبار سے تفسیر کی ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً

کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی۔ (۴۱)

کی تفسیر میں کہا کہ اس سے اللہ کا دین اور کتاب اللہ مراد ہے۔

۶۔ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ

کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا۔ (۴۲)

کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اس سے مراد ہے کہ کیا انہوں نے قرآن میں نہیں دیکھا۔

آپ نے دیکھا موصوف نے ایک معروف لفظ کو کس طرح نامانوس اجنبی مفہوم پر محمول کیا ہے، یہ صرف اور صرف خواہشاتِ نفس اور اندھے مذہبی تعصب کا شاخسانہ ہے، اور یہ گمراہی باطنیوں اور بہائیوں کی گمراہی سے کم نہیں ہے۔ (۴۳)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۝

اور جس کو اللہ نے گمراہ کر دے پھر اس کو ہدایت دینے والا کون ہے (۴۴)

باطنیوں کی تفسیریں

باطنی ظاہر قرآن کو نہیں مانتے ان کا کہنا ہے کہ قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور یہ کہ قرآن کا ظاہر مراد نہیں باطن مراد ہے، ان کا مستدل یہ آیت کریمہ ہے:

---

(۳۹) الحشر: ۱۶ (۴۰) الوشیعہ فی نقد عقائد الشیعہ ص ۶۵۔ الفرق بین الفرق، البغدادی (۴۱) النساء: ۹۷ (۴۲) محمد: ۱۰ (۴۳) مناھل العرفان ج ص ۵۴۵ (۴۴) رعد: ۳۳

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ۝۱۳

پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کی اندر کی جانب رحمت ہوگی اور اس کے سامنے باہر کی طرف عذاب ہوگا۔ (۴۵)

شیعوں کے متعدد فرقے ہیں، جن میں چند اہم فرقے مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ **اسماعیلیہ:** یہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے اسماعیل سے منسوب ہیں اور ان کی امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

۲۔ **قرامطہ:** واسط کی ایک بستی قرمط سے منسوب فرقہ، یہ حمدان قرمطی کے پیروکار ہیں

۳۔ **سبعیہ:** سبعہ کی نسبت سے سبعیہ کہلاتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ ان میں سے ہر ساتواں فرد قابل اقتدا امام ہوتا ہے۔

۴۔ **حرمیہ:** حرمت کی نسبت سے حرمیہ کہلاتے ہیں، یہ لوگ حرام کردہ چیزوں اور فواحش کو مباح سمجھتے ہیں۔ (۴۶)

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ؕ۝۱۹

یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت کو پہنچو گے۔ (۴۷)

اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس میں انبیائے کرام کے بعد اوصیاء سے ہونے والا دھوکہ مراد ہے، یعنی تم بھی انبیاء کے بعد اوصیاء سے دھوکہ میں اگلوں کی راہ چلو گے۔

۲۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ

اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں تو وہ (آپ سے) کہتے ہیں کہ اس

---

(۴۵) حدید: ۱۳ (۴۶) الفرق بین الفرق۔ البغدادی (۴۷) الانشقاق: ۱۹

کے سوا دوسرا قرآن لایئے یا اس میں کچھ تبدیلی کر دیجئے۔(۴۸)

او بدله کی تفسیر میں کہتے ہیں یعنی علی کو بدل دو، حالانکہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کہیں نہیں آیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ؕ

بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر ایمان لائے، پھر وہ کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے تو اللہ نہ ان کی مغفرت کرے گا اور نہ ان کو سیدھا راستہ دکھائے گا۔(۴۹)

اس کی تفسیر میں کہا ہے یہ آیت حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پہلے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے پھر جب ان پر علی رضی اللہ عنہ کی ولایت پیش کی گئی اس کا کفر کیا، پھر علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کر کے ایمان لائے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کفر کیا اور پوری امت سے اپنی بیعت لے کر کفر میں اور زیادہ ہوئے۔(۵۰)

۴۔　ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ

بے شک اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔(۵۱)

ان کا کہنا ہے یہاں بقرہ سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور اضربوہ ببعضها سے حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔

۵۔　ارشاد الٰہی

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ

بے شک شراب اور جوا۔(۵۲)

میں خمر اور میسر سے حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما مراد ہیں قاتلهم الله انی یؤفکون

(۴۸) یونس: ۱۵ (۴۹) النساء: ۱۳۷ (۵۰) الوشیعہ فی عقائد الشیعہ/ص ۶۵ (۵۱) البقرہ: ۶۷ (۵۲) المائدہ: ۹۰

مختصر بات یہ ہے کہ باطنیہ کا مذہب نری گمراہی اور وبال ہے انہوں نے یہ عقائد مجوسیوں سے حاصل کیئے ہیں۔

یہ لوگ جنابت کی تفسیر راز افشا کرنے سے، غسل کی تشریح تجدید عہد سے، تیمّم کی ماذون سے اخذ کرنے، اور صوم (روزہ) کی تاویل اسرار کے انکشاف سے باز رہنے سے کرتے ہیں۔ ان کی ایسی گمراہیوں اور غلیظ باتوں کی بے شمار مثالیں ہیں۔

یہ تاویلات فاسدہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے بڑے مصائب کا سامان ہیں، کیونکہ ان تاویلات سے شریعت کی بنیادیں ہی منہدم ہوتی ہیں، اور قرآن کریم ان جانوروں کے سامنے کھیل کا میدان بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ان کی زیادہ تر کتب منظر عام پر نہیں ہیں، وہ ان کو اپنے تک محدود رکھتے ہیں اور دلوں میں چھپائے رکھتے ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ لوگ آخر کار زوال کا شکار ہو کر فنا ہوں گے۔

واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لایعلمون

مشہور کتب تفاسیر اور ان کے مؤلفین

(تفاسیر بالروایۃ، بالدرایہ، بالاشارہ)

مشہور تفاسیر ماثورہ

نمبر شمار	نام تفسیر	نام مفسر	سن وفات	مشہور نام
۱۔	جامع البیان فی تفسیر القرآن	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰ھ	تفسیر طبری
۲۔	بحر العلوم	نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۳ھ	تفسیر سمرقندی
۳۔	الکشف والبیان	احمد بن ابراہیم الثعلبی نیشاپوری	۴۲۷ھ	تفسیر ثعلبی
۴۔	معالم التنزیل	الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۰ھ	تفسیر بغوی
۵۔	المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز	عبدالحق بن غالب الاندلسی	۵۴۶ھ	تفسیر ابن عطیہ
۶۔	تفسیر القرآن العظیم	اسماعیل بن عمر الدمشقی	۷۷۴ھ	تفسیر ابن کثیر
۷۔	الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن	عبدالرحمٰن بن محمد الثعالبی	۸۷۶ھ	تفسیر الجواہر
۸۔	الدر المنثور فی التفسیر بالماثور	جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	تفسیر سیوطی

تفاسیر ماثورہ اور ان کے مؤلفین کا مختصر تعارف

۱۔ تفسیر ابن جریر

تفسیر ابن جریر امام ابوجعفر ابن جریر الطبری کی تالیف ہے، ابن جریر کی ولادت ۲۲۴ھ میں اور وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی، آپ کی تفسیر تفاسیر ماثورہ میں بلند مرتبہ کی حامل اور صحیح ترین تفسیر

ہے، ابن جریر نے اس کو اقوال صحابہ اور تابعین سے مرتب کیا ہے، مفسرین کا پہلا مرجع یہی تفسیر ہے، علامہ نووی نے کہا کہ تفسیر میں ابن جریر کی کتاب جیسی کتاب کسی نے بھی نہیں لکھی۔

تفسیر ابن جریر کے امتیازات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین سے منقول تفسیری اقوال پر اعتماد۔

۲۔ اقوال مرویہ کے اسانید کا ذکر اور ترجیح روایات۔

۳۔ ناسخ و منسوخ آیات کا احاطہ، صحیح اور غیر صحیح روایات کے طرق کی معرفت۔

۴۔ وجوہ اعراب کا ذکر اور آیات کریمہ سے احکام شرعیہ کا استنباط۔

بہر حال یہ جلیل القدر عظیم کتاب ہے، عمدگی کے ساتھ پیش کی گئی ہے تاہم کہیں کہیں اس میں غیر صحیح اسناد سے روایات نقل کی گئی ہیں، اور ان کے غیر صحیح ہونے پر متنبہ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح بعض مقامات پر انہوں نے اسرائیلیات بھی ذکر کئے ہیں۔ تفسیر ابن جریر مطبوعہ ہے۔ دنیا بھر میں دستیاب ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ عمدہ تفسیر ہے۔

۲۔ تفسیر سمرقندی

اس تفسیر کے مؤلف ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۳ھ ہیں۔ کتاب کا نام ''بحر العلوم'' ہے یہ تفسیر بالماثور ہے۔ اس میں بلا اسناد صحابہ کرام اور تابعین کے کثیر اقوال مذکور ہیں، یہ کتاب بطور مخطوطہ دو جلدوں میں ہے، اس کا ایک نسخہ مکتبہ الازھر میں موجود ہے۔

۳۔ تفسیر ثعلبی

اس تفسیر کے مؤلف ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی نیشاپوری متوفی ۴۲۷ھ ہیں، ولادت کی صحیح تاریخ نامعلوم ہے، مفسر اور مقری ہیں، کتاب کا نام ''الکشف والبیان عن تفسیر القرآن'' ہے۔

مقدمے میں مذکور اسانید پر اکتفا کرتے ہوئے اسانید کے اختصار کے ساتھ سلف سے تفسیری اقوال نقل کرتے ہیں، نحوی اور فقہی ابحاث میں توسع سے کام لیتے ہیں، قصص اور اخبار

کے فریفتہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر میں نہایت نامانوس اسرائیلی قصص کی بھر مار ہے بلکہ بعض تو قطعاً باطل قصے مذکور ہیں۔ابن تیمیہ کا قول ہے کہ ثعلبی بنفسہ اچھا اور دین دار شخص ہے، لیکن حاطب لیل ہے (یعنی ہر قسم کی سچی جھوٹی روایات نقل کر دیتا ہے)۔(۱)

تفسیر ثعلبی مخطوطے کی شکل میں سورۃ الفرقان کے آخر تک نامکمل حالت میں مکتبہ الازھر میں موجود ہے، باقی کتاب مفقود ہے۔

۴۔ تفسیر بغوی

یہ تفسیر ابو محمد الحسین بن الفراء بغوی کی تالیف ہے، علامہ بغوی محی السنہ سے ملقب مشہور فقیہ، محدث اور مفسر ہیں، اسی سال سے زائد عمر پا کر ۵۱۰ ھ میں فوت ہوئے، جلیل القدر امام، عابد و زاہد اور علم و عمل کے جامع انسان تھے۔علامہ سبکی نے آپ کو عظیم القدر شافعی علماء میں شمار کیا ہے۔

ابن تیمیہ نے اصول تفسیر کے مقدمہ میں کہا ہے کہ علامہ بغوی نے اگرچہ ثعلبی سے مختصر تفسیر تالیف کی ہے لیکن انہوں نے اپنی تفسیر کو احادیث موضوعہ اور مبتدعانہ آراء سے بچایا ہے۔(۲)

یہ تفسیر، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر الخازن کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اگرچہ ان کی تفسیر میں بعض اسرائیلی قصص موجود ہیں تاہم مجموعی طور پر یہ تفسیر دیگر تفاسیر ماثورہ جیسی کثیر اسرائیلیات پر مشتمل تفاسیر سے احسن اور عمدہ ہے۔

۵۔ تفسیر ابن عطیہ

اس تفسیر کے مؤلف ابو محمد عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی مغربی غرناطی ہیں، آپ کی ولادت ۴۸۱ ھ میں اور وفات ۵۴۶ ھ میں ہوئی ہے۔نہایت ذہین و فطین نحوی، لغوی، ادیب اور شاعر تھے، اسلام کے سنہری دور میں اندلس کے قاضی رہے، تفسیر کا نام "المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز" ہے، مؤلف نے اس تفسیر میں تفسیر بالماثور میں علماء کے ذکر کردہ اقوال کو جمع کیا ہے اور صحت سے قریب تر اقوال کو تلاش کیا ہے۔ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں تفسیر ابن عطیہ اور تفسیر الزمخشری کا موازنہ کرتے ہوئے کہا ہے:

(۱) ابن تیمیہ/ اصول التفسیر/ص ۱۹ (۲) ایضاً

تفسیر ابن عطیہ، تفسیر زمخشری سے بہتر ہے، اس کی نقول اور ابحاث زیادہ صحیح ہیں، یہ بدعات سے بعید تر ہے، اگرچہ بعض مقامات پر ایسی چیزیں موجود ہیں، تاہم وہ بکثرت وجوہ سے زمخشری کی تفسیر سے بہتر ہے، بلکہ وہ تمام تفاسیر سے راجح تفسیر ہے۔(۳)

یہ کتاب اپنی تمام تر شہرت اور منفرد امتیازات کے باوجود دس ضخیم مجلدات میں آج تک مخطوطے کی شکل میں ہے، امید ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے کوئی صاحب اس گراں مایہ خزانے کو ہم تک مطبوعہ حالت میں پہنچادیں گے، تاکہ اس کا نفع عام ہو۔

۶۔تفسیر ابن کثیر

اس تفسیر کے مؤلف ابو الفداء حافظ عماد الدین اسماعیل ابن عمرو بن کثیر قرشی مولود ۷۰۰ھ، متوفی ۷۷۴ھ ہیں۔علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تمام علوم خصوصاً تاریخ، حدیث اور تفسیر کے بحر ذخار اور فلک بوس پہاڑ تھے، جلیل القدر امام، تالیف وتصنیف میں نئی جدتوں اور متنوع اسالیب کے بانی تھے۔علامہ ذھبی کہتے ہیں:

امام، مفتی، باکمال محدث، گوناگوں اوصاف کا حامل فقیہ، ماہر و پختہ کار محدث اور مفسر آپ متعدد مفید تصانیف کے مصنف ہیں۔

علامہ ابن کثیر کی تفسیر کا نام ''تفسیر القرآن العظیم'' ہے، تفاسیر ماثورہ میں مشہور ترین تفسیر یہی ہے۔تفسیر طبری کے بعد دوسرا مرتبہ اسی تفسیر کو حاصل ہے، مؤلف نے اس میں گذشتہ مفسرین کی تفسیری روایات پر توجہ مبذول کی ہے، بالاسناد احادیث اور آثار نقل کئے ہیں اور بعض پر جرح وتعدیل کی ہے، منکر یا غیر صحیح روایت کو رد کردیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر کو تفاسیر ماثورہ میں احسن التفاسیر قرار دیا گیا ہے۔

تفسیر میں ابن کثیر کا طریقہ یہ ہے کہ آپ آیت کریمہ ذکر کرتے ہیں پھر اس کی آسان مختصر عمدہ الفاظ میں تفسیر کرتے ہیں دوسری آیات سے اس کے شواہد پیش کرتے ہیں اور آیات میں

(۳) فتاویٰ ابن تیمیہ/ ج۲ص۱۲۳۔

تطبیق دیتے ہیں یہاں تک کہ معنیٰ واضح ہو جاتا ہے اور مراد کھل کر سامنے آجاتی ہے، یہ تفسیر درحقیقت تفسیر القرآن بالقرآن کی بہترین مثال ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر کے مقدمے میں کہتے ہیں:

اگر کوئی کہے کہ تفسیر کا احسن طریقہ کیا ہے؟ جواب ہے تفسیر قرآن میں صحیح ترین طریقہ قرآن کی قرآن کے ساتھ تفسیر ہے، جو بات ایک مقام پر مجمل ہے وہ دوسرے مقام پر مفصل موجود ہے، اگر آپ اس سے تھک جائیں تو پھر حدیث وسنت ہے کہ یہ قرآن کی شرح اور وضاحت کرنے والی ہے، بلکہ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام قرآن ہی سے سمجھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ

بے شک ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھا دیا ہے (۴)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

باخبر رہو میں قرآن اور اس کی مثل اس کے ساتھ اور بھی لایا ہوں۔ (۵)

تفسیر ابن کثیر کا امتیازی وصف یہ ہے کہ ابن کثیر تفسیر ماثور میں منکر اسرائیلی روایات پر متنبہ کرتے اور ان سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ بہر حال ابن کثیر کی تفسیر اور تاریخ کا قاری ان کتب کی عمدگی اور افضلیت کو بخوبی جان لیتا ہے اور بعض تسامحات کے باوجود ابن کثیر کی تفسیر، تفاسیر ماثورہ میں صحیح ترین تفسیر ہے۔

۷۔ تفسیر الجواہر

یہ جلیل القدر امام عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف الثعالبی الجزائری المغربی متوفی ۸۷۶ ھ

(۴) النساء: ۱۰۵ (۵) تفسیر ابن کثیر/ ج ا ص ۳۔

کی تفسیر ہے، اس تفسیر ماثور میں سلف صالحین کے اقوال منقول ہیں، صحیح اور ضعیف ممیّز کیا گیا ہے۔
یہ تفسیر مطبوعہ ہے۔

۸۔ تفسیر سیوطی

اس تفسیر کے مؤلف حجتِ ثقہ، صاحبِ تالیفات کثیرہ امام جلال الدین السیوطی مولود ۸۴۹ھ، متوفی ۹۱۱ھ ہیں۔ تفسیر کا نام ''الدر المنثور فی التفسیر بالماثور'' ہے۔ امام جلال الدین سیوطی اس تفسیر کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

میں نے اس کو ترجمان القرآن کی کتاب سے بطور تلخیص لکھا ہے۔

یہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مسند ہے، مصر سے شائع ہوئی ہے۔ اپنی دوسری کتاب ''الاتقان'' میں ذکر کرتے ہیں کہ ''میں نے ایسی تفسیر شروع کی ہے جس میں تفاسیر منقولہ، اقوال معقولہ، استنباط، اشارات، لغات، اعاریب، نکاتِ بلاغت اور محاسن بدیع ہر ضروری چیز کو جمع کر رہا ہوں۔

اس تفسیر کا نام انہوں نے ''مجمع البحرین و مطلع البدرین'' رکھا یہ ''الدر المنثور'' کے علاوہ دوسری تفسیر ہے۔

میں نے امام سیوطی کی تالیفات کو شمار کیا ان کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ دین اور دنیا میں ان کی خدمات پر ان کو اپنے فضل و رحمت سے نوازے۔

مشہور کتب تفاسیر بالرائے (بالدرایہ)

نمبر	نام کتاب	نام مؤلف	سن وفات	مشہور نام
۱۔	مفاتیح الغیب	محمد بن عمر بن حسین رازی	۶۰۶ھ	تفسیر الرازی
۲۔	انوار التنزیل واسرار التاویل	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۸۵ھ	تفسیر البیضاوی
۳۔	لباب التاویل فی معانی التنزیل	عبداللہ بن محمد المعروف بالخازن	۷۴۱ھ	تفسیر الخازن
۴۔	مدارک التنزیل وحقائق التاویل	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۰۱ھ	تفسیر النسفی
۵۔	غرائب القرآن ورغائب الفرقان	نظام الدین الحسن محمد نیشاپوری	۷۲۸ھ	تفسیر النیساپوری
۶۔	البحر المحیط	محمد بن یوسف بن حیان الاندلسی	۷۴۵ھ	تفسیر ابی حیّان
۷۔	ارشاد العقل السلیم	محمد بن محمد بن مصطفیٰ الطحاوی	۹۵۲ھ	تفسیر ابی السعود
۸۔	تفسیر جلالین	۱۔جلال الدین المحلی	۸۶۴ھ	تفسیر جلالین
		۲۔جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	
۹۔	السراج المنیر	محمد شربینی الخطیب	۹۷۷ھ	تفسیر الخطیب
۱۰۔	روح المعانی	شہاب الدین محمد الآلوسی البغدادی	۱۲۷۰ھ	تفسیر آلوسی

کتب تفاسیر بالرائے اوران کے مؤلفین کا تعارف:

۱۔تفسیر الفخر الرازی

اس تفسیر کے مؤلف علامہ شیخ محمد بن عمر الرازی المتوفی ۶۰۶ھ ہیں تفسیر کا نام ''مفاتیح الغیب'' ہے۔تفسیر میں آپ نے الٰہیات کے فلاسفہ کا مسلک اپنایا ہے۔الٰہیات کے مباحث پر اپنے دلائل قائم کئے ہیں، معتزلہ اور دیگر گمراہ فرقوں کا ناقابل تردید دلائل اور براہین قاطعہ سے رد کیا ہے، منکرین اور مکذبین کے شبہات کا جواب دیا اوران کو باطل قرار دیا ہے۔علم الکلام کے

موضوع پر آپ کی تفسیر سب تفاسیر سے سبقت لے گئی ہے، آپ طبیعیات اور کونی علوم کے بھی جلیل القدر امام ہیں، آپ نے افلاک، برجوں، آسمان، زمین، حیوانات، نباتات اور انسانی اعضاء اور اجزاء پر سیر حاصل ابحاث کی ہیں، ان مباحث سے آپ کا مقصود حق کی نصرت، اللہ تعالیٰ کے وجود پر براہین و دلائل اور کج رو گمراہوں کا رد ہے۔

۲۔ تفسیر البیضاوی

اس تفسیر کے مؤلف عالم جلیل، شیخ عبداللہ البیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ ہیں، تفسیر کا نام ''انوار التنزیل'' ہے، نہایت عمدہ اور دقیق، روایت اور درایت کی جامع تفسیر ہے، مذہب اہل السنۃ کو دلائل سے ثابت کیا ہے، قابل اعتماد عالم، پختہ رائے والے دانشور ہیں، ہر سورت کے اختتام پر اس سورت کے فضائل میں مروی احادیث کا التزام کیا ہے جس میں انہوں نے صحیح روایات کے انتخاب میں کوشش نہیں کی۔ اس کے متعدد حواشی ہیں، مشہور حواشی شہاب الدین الخفاجی اور سعدی آفندی کے ہیں۔

۳۔ تفسیر الخازن:

اس تفسیر کے مؤلف امام عبداللہ بن محمد مشہور الخازن متوفی ۷۴۱ ھ ہیں، تفسیر کا نام ''لباب التاویل فی معانی التنزیل'' ہے، یہ مشہور ماثور تفسیر ہے لیکن علامہ خازن سند ذکر نہیں کرتے، اس کی عبارت آسان ہے گنجلک نہیں، روایات اور قصص نقل کرنے کے شوقین ہیں، بعض اوقات کسی اسرائیلی روایت کے باطل ہونے پر متنبہ کرنے کے لیے اسے نقل کرتے ہیں، طویل قصہ ذکر کر کے اس کے کذب یا ضعف کا حکم لگاتے ہیں، بعض اوقات کسی روایت کو بلا تبصرہ نقل کر دیتے ہیں، جس سے قاری اسے صحیح گمان کرتا ہے، اگر اس میں بکثرت ضعیف یا کذب پر مبنی روایات اور قصص نہ ہوتے تو مجموعی طور پر یہ عمدہ تفسیر تھی۔

۴۔ تفسیر النسفی

اس تفسیر کے مؤلف شیخ، عالم و زاہد عبداللہ بن احمد النسفی متوفی ۷۰۱ ھ ہیں، تفسیر کا نام ''مدارک التنزیل وحقائق التاویل'' ہے، جلیل القدر، متداول مشہور تفسیر ہے، زبان سہل اور دقیق

ہے، دیگر تفاسیر بالرائے کی نسبت مختصر اور متوسط تفسیر ہے۔ صاحب کشف الظنون اس تفسیر کے بارے میں کہتے ہیں:

> تفاسیر میں متوسط درجے کی کتاب ہے، وجوہ اعراب اور قرأت کی جامع ہے، علم بدیع کے دقائق اور اشارات کی متضمن ہے، اہل سنت و جماعت کے اقوال کی مؤید اور اہل بدعت وضلالت کے جھوٹے اقوال سے خالی ہے۔ اکتانے والی طویل تفسیر ہے نہ تشنگی باقی رکھنے والی مختصر تفسیر۔

۵۔ تفسیر النیسابوری

اس تفسیر کے مؤلف شیخ نظام الدین الحسن محمد نیشاپوری متوفیٰ ۷۲۸ھ ہیں، تفسیر کا نام ''غرائب القرآن ورغائب الفرقان'' ہے، یہ تفسیر آسان عبارت، الفاظ کی تحقیق، حشو وزوائد اور پیچیدگیوں سے مبرا ہونے کی امتیازی خصوصیات رکھتی ہے، اس میں دو چیزوں کا التزام ہے:

قرأت پر بحث اور تفسیر اشاری پر نقد ونظر، یہ تفسیر، تفسیر ابن جریر کے حاشیے پر اور تفسیر الفخر الرازی مع تہذیب کبیر کے ساتھ مطبوعہ ہے۔

۶۔ تفسیر ابی السعود

اس تفسیر کے مؤلف لغوی عالم، قوی حجت قاضی محمد بن محمد بن مصطفیٰ الطحاوی مشہور بہ ابی السعود متوفیٰ ۹۵۲ھ ہیں، یہ تفسیر حسین ترتیب، خوبصورت تعبیر کے باعث عمدہ اور جامع ترین تفسیر ہے، علامہ طحاوی نے اس تفسیر میں بلاغت قرآن کے اسرار اور ربانی حکمتوں کی نقاب کشائی کی ہے۔ اس تفسیر کا حسن تعبیر آپ کو اپنی جانب مائل کرے گا، غور وفکر کی سلامتی آپ کو بھلی لگے گی۔ بلاغت قرآن اور اعجاز قرآن کی جلوہ نمائی کے ساتھ اصابت رائے، عقائد اہل سنت پر محافظت، حشو وطوالت سے اجتناب اس تفسیر کے بہترین امتیازات ہیں، یہ دقیق تفسیر اہل علم سے خصوصی فہم کی متقاضی ہے۔

۷۔ تفسیر ابی حیان

اس تفسیر کے مؤلف شیخ محمد بن یوسف بن حیان الاندلسی متوفیٰ ۷۴۵ھ ہیں، تفسیر کا نام

''البحر المحیط'' ہے، یہ آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اس تفسیر میں مؤلف نے نحو، صرف، بلاغت اور احکام فقہیہ وغیرہ علوم کے متعدد شعبوں کو جمع کیا ہے، یہ تفسیر، مراجع تفاسیر میں اہم مقام کی حامل ہے، اس کی عبارت آسان ہے عبارت میں الجھاؤ اور پیچیدگی نہیں ہے، مادۂ تفسیر سے متعلق متنوع علوم کی چونکہ اس تفسیر میں کثرت ہے اس لیے مؤلف نے اس کا نام ''البحر المحیط'' رکھا ہے۔

۸۔ تفسیر آلوسی

اس تفسیر کے مؤلف امام، عظیم نقاد عالم، مفتیٔ بغداد، حجۃ الادباء، قدوۃ العلماء، مرجع اہل فضل وعرفان شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ ہیں، آلوسی رحمہ اللہ وسیع علم وفہم اور معلومات والے تھے، آپ کی تفسیر ''روح المعانی'' از روئے روایت ودرایت سلف کی آرا کی جامع ہے، اہل علم کے اقوال پر مشتمل ہے، سابقہ تفاسیر کا خلاصہ ہے، اسرائیلی روایات پر زبردست جرح وتنقید کی ہے، تفسیر اشاری اور وجوہ بلاغت وبیان پر بھی متوجہ رہتے ہیں، یہ تفسیر، تفاسیر بالروایۃ، تفاسیر بالدرایہ اور تفاسیر اشارہ کے علوم کا بہترین مرجع ہے۔

مشہور تفاسیر آیات الاحکام

نمبر شمار	نام کتاب اور مذہب	نام مؤلف	سن وفات	مشہور نام
۱۔	احکام القرآن (حنفی)	احمد بن علی الرازی الجصاص	۳۷۰ھ	تفسیر الجصاص
۲۔	احکام القرآن (شافعی)	علی بن محمد الطبری لکیا الھر اسی	۵۰۴ھ	تفسیر لکیا الھر اسی
۳۔	احکام القرآن (مالکی)	محمد بن عبداللہ الاندلسی	۵۴۳ھ	تفسیر ابن العربی
۴۔	الجامع لاحکام القرآن (مالکی)	محمد بن احمد بن فرح القرطبی	٦۷۱ھ	تفسیر القرطبی
۵۔	کنز العرفان (شیعی)	مقداد بن عبداللہ السیوری	نویں ھجری	تفسیر السیوری
٦۔	الثمرات الیانعہ (زیدی)	یوسف بن احمد الثلاثی	۸۳۲ھ	تفسیر الزیدی
۷۔	الاکلیل فی استنباط التنزیل (شافعی)	جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	تفسیر السیوطی

مشہور کتب تفسیر اشاری

نمبر شمار	نام کتاب	نام مؤلف	مشہور نام
۱۔	تفسیر القرآن الکریم	سہل بن عبداللہ تستری	تفسیر التستری
۲۔	حقائق التفسیر	ابوعبدالرحمٰن السلمی	تفسیر السلمی
۳۔	الکشف والبیان	احمد بن ابراہیم نیشاپوری	تفسیر النیسابوری
۴۔	تفسیر ابن عربی	محی الدین بن عربی	تفسیر ابن عربی
۵۔	روح المعانی	شہاب الدین محمد آلوسی	تفسیر آلوسی

معتزلہ اور شیعہ کی مشہور تفاسیر

نمبر شمار	نام کتاب اور مذہب	نام مؤلف	سن وفات	مشہور نام
۱۔	تفسیر العسکری (شیعی)	الحسن بن علی الھادی	۲۶۰ھ	تفسیر العسکری
۲۔	تنزیہ القرآن عن المطاعن (معتزلی)	عبدالجبار بن احمد الھمذانی	۴۱۵ھ	تفسیر الہمذانی
۳۔	امالی الشریف المرتضٰی (معتزلی)	علی بن احمد الحسین	۴۳۶ھ	تفسیر المرتضٰی
۴۔	الکشاف (معتزلی)	محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸ھ	تفسیر الزمخشری
۵۔	مرآۃ الانوار و مشکاۃ الاسرار (شیعی)	عبداللطیف الکازرانی	غیر معروف	تفسیر المشکاۃ
۶۔	مجمع البیان (شیعی)	الفضل بن الحسن الطبرسی	۵۳۸ھ	تفسیر الطبرسی
۷۔	الصافی فی تفسیر القرآن (شیعی)	محمد بن الشاہ مرتضٰی الکاشی	۱۰۹۰ھ	تفسیر الکاشی
۸۔	تفسیر القرآن (شیعی)	عبداللہ بن محمد العلوی	۱۲۴۲ھ	تفسیر العلوی
۹۔	بیان السعادۃ (شیعی)	سلطان محمد بن حیدر الخراسانی	۱۳۱۵ھ	تفسیر الخراسانی

عصر حاضر کی بعض مشہور تفاسیر

نمبر شمار	نام تفسیر	نام مؤلف	مشہور نام
۱۔	تفسیر القرآن الکریم	محمد رشید رضا	تفسیر المنار
۲۔	تفسیر المراغی	احمد مصطفیٰ المراغی	تفسیر المراغی
۳۔	محاسن التاویل	جمال الدین القاسمی	تفسیر القاسمی
۴۔	فی ظلال القرآن	الشہید سید قطب	تفسیر الظلال
۵۔	التفسیر الواضح	محمد محمود الحجازی	التفسیر الواضح
۶۔	تفسیر الجواھر	طنطاوی جوہری	تفسیر الجوھری
۷۔	تیسیر التفسیر	شیخ عبدالجلیل عیسیٰ	تفسیر عیسیٰ
۸۔	المصحف المفسر	محمد فرید وجدی	تفسیر وجدی
۹۔	الھدایۃ والعرفان	ابوزید الدمنھوری	تفسیر الدمنھوری
۱۰۔	صفوۃ البیان	حسنین مخلوف	تفسیر مخلوف
۱۱۔	فتح البیان	صدیق حسن خان	تفسیر حسن خان

مذکورہ بالا تفاسیر کے علاوہ دیگر تفاسیر بھی ہیں، ہم بخوف طوالت ان کا ذکر نہیں کر رہے۔

واللہ الموفق و الھادی الیٰ سواء السبیل

فصل

قرآنی سورتوں کے فضائل میں موضوع احادیث پر انتباہ

علامہ قرطبی اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں ''قرآنی سورتوں کے فضائل میں مروی احادیث موضوعہ پر انتباہ'' کے زیر عنوان رقم طراز ہیں کہ واضعین اور جعل سازوں نے قرآن کریم کی سورتوں کے فضائل اور فضائل اعمال میں جو جھوٹی اور من گھڑت روایات بیان کی ہیں وہ ناقابل التفات ہیں، لوگوں کی کثیر جماعت نے اس کا ارتکاب کیا ہے، سب کے اغراض و مقاصد جداگانہ نوعیت کے تھے، ان میں بعض کا تذکرہ درج ذیل ہے:

۱۔ ملحد اور زندیق لوگ مثلاً مغیرہ کوفی اور محمد الشامی وغیرہ، واضعین حدیث ہیں، انہوں نے لوگوں کے دلوں میں شک پیدا کرنے کے لیے احادیث گھڑی ہیں، چنانچہ شامی از انس بن مالک از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد نبی نہیں، مگر جو اللہ چاہے''۔ اس نے آخری استثنائی جملہ اپنے الحاد اور زندیقی کے دعویٰ کے پیش نظر بڑھا دیا۔

۲۔ بعض لوگوں نے اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کی طرف لوگوں کو بلانے کے لیے احادیث وضع کیں، خوارج کے شیوخ میں سے ایک شیخ نے توبہ کے بعد کہا کہ یہ احادیث دین ہیں، دیکھو تم اپنا دین کس شخص سے حاصل کر رہے ہو، جب ہمیں کسی امر کی خواہش ہوتی تھی ہم اس کو حدیث بنا لیتے تھے۔

۳۔ بعض لوگوں نے ثواب حاصل کرنے کی نیت سے احادیث وضع کیں، وہ اس طرح لوگوں کو اپنے اعتقاد کے مطابق فضائل اعمال کی طرف راغب کرنا چاہتے تھے، چنانچہ ابوعصمہ المروزی سے جب یہ کہا گیا کہ آپ نے عکرمہ از ابن عباس کے ذریعے قرآن کریم کی ہر سورت کے فضائل کہاں سے حاصل کیے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے

لوگوں کو دیکھا وہ قرآن سے اعراض کر کے ابو حنیفہ کی فقہ اور ابن اسحاق کے مغازی میں مشغول ہو گئے، سو میں نے دین کی ترغیب دینے کے لیے ثواب کی نیت سے یہ حدیث گھڑی۔ ابن الصلاح کہتے ہیں اسی طرح قرآن کریم کی ہر ہر سورت کے فضائل میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی طویل حدیث ہے ایک صاحب نے اس کے مخرج کو کھوج لگایا تو ایسے شخص کے پاس جا پہنچے جس نے یہ اعتراف کیا کہ اس نے اور دیگر ساتھیوں نے اس کو وضع کیا ہے اور اس میں وضع بالکل واضح ہے، الواحدی اور دیگر مفسرین نے ایسی احادیث کو اپنی تفاسیر میں جگہ دے کر خطا کی ہے۔

۴۔ بعض سوالی بازاروں اور مساجد میں کھڑے ہوتے اور بوقت سوال اسانید صحیحہ کے ساتھ یہ موضوع احادیث ذکر کرتے۔

جعفر بن الطیالسی بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے مسجد رصافہ میں نماز پڑھی، ان کے سامنے ایک قصہ گو کھڑا ہوا اور کہا کہ ہم سے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں عبد الرزاق نے خبر دی، عبد الرزاق نے کہا ہمیں معمر نے از قتادہ از انس رضی اللہ عنہ خبر دی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اس کے ہر کلمہ سے ایک پرندہ پیدا کیا جاتا ہے جس کی چونچ سونے کی اور پر مرجان کے ہوتے ہیں'' اور اس نے تقریباً بیس صفحات کے برابر روایت بیان کر دی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین کی طرف اور یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل کی طرف دیکھنے لگے اور پوچھا: کیا آپ نے اس کو حدیث بیان کی ہے؟ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ بخدا میں نے تو یہ حدیث ابھی سنی ہے، دونوں حضرات خاموش رہے جب قصہ گو اپنے قصے سنا چکا تو یحییٰ بن معین نے اس سے کہا: تم سے یہ حدیث کس نے بیان کی؟ کہا: احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے، انہوں نے کہا: میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں، ہم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں یہ بالکل نہیں سنا، اگر تمہارے لیے جھوٹ بولے بغیر چارۂ کار نہیں ہے تو کم از کم ہمارا نام تو نہ لیا

کرو، کسی دوسرے کا نام لے لیا کرو، اس نے پوچھا: آپ یحییٰ بن معین ہیں؟ کہا: ہاں، وہ کہنے لگا میں برابر سنتا رہا کہ یحییٰ بن معین احمق آدمی ہے، اب مجھے پتہ چلا یہ بات صحیح ہے، یحییٰ نے پوچھا: تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں احمق ہوں؟ قصہ گو نے جواب دیا: گویا دنیا میں تمہارے علاوہ کوئی اور یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل نہیں ہیں، میں نے اس احمد بن حنبل کے علاوہ احمد بن حنبل نام کے سترہ لوگوں سے حدیث لکھی ہے، امام احمد بن حنبل نے ٹوپی یحییٰ کے منہ پر رکھ دی اور فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو جانے دو، اور وہ اس انداز سے اٹھ کر چل دیا جیسے ان حضرات کا مذاق اڑا رہا ہو۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں مذکور الصدر گروہوں اور ان کے ہم مسلک لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا گھڑے ہیں۔ مزید کہا کہ اگر لوگ صرف ان احادیث پر اکتفا کر لیتے جو علماء میں متداول ہیں اور فقہا ائمہ نے ان کو صحاح اور مسانید وغیرہ مصنفات میں صحیح ثابت طرق سے روایت کیا ہے تو غنیمت تھا، اس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں مذکور وعید سے بچ جاتے کہ ''جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے''۔

دشمنان دین اور زندیق اہل اسلام نے ترغیب وترہیب وغیرہ کے زیر عنوان جو احادیث وضع کی ہیں ان سے احتراز لازم ہے، سب سے زیادہ نقصان دہ ان لوگوں کی وضع کردہ احادیث ہیں، جو زاہد و عابد مشہور ہیں اور انہوں نے بزعم خود اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے احادیث وضع کی ہیں، لوگوں نے ان کے زہد وتقویٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے ان کی من گھڑت احادیث کو قبول کر لیا، یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔(۱)

قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ

یہ قطعی اور یقینی ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا، عربی کتاب ہے اور اہل عرب میں واضح عربی زبان میں اترا ہے، تاکہ وہ ان کی نجی زندگی اور ان کی معاشرتی حیات کے لیے دستور العمل ہو، وہ قرآن کریم سے اقدار حیات اور نصیحت حاصل کریں۔ ارشاد ربانی ہے:

لِيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَـٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَـٰبِ ﴿٢٩﴾

(۱) تفسیر القرطبی/ ج ا ص ۷۸

تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ عقلمند لوگ اس سے نصیحت
حاصل کریں۔(۲)

نصوصِ قرآن کی کثیر تعداد اس کی مؤید ہے کہ قرآن اپنے نظم، الفاظ، اسلوب اور ترکیب میں ''عربی'' ہے، اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو مفردات، جملوں، اسلوب اور خطاب میں عربی طریقہ کے خلاف ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝

تاکہ آپ ڈرانے والوں میں ہو جائیں (یہ قرآن) صاف عربی زبان
میں ہے۔(۳)

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

(یہ) ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں (اور)
یہ قرآن عربی زبان میں ان لوگوں کے لئے ہے جو جانتے ہیں۔(۴)

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

ہم نے اس کو تمہارے سمجھنے کے لئے عربی زبان میں نازل کیا ہے۔(۵)

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝

(یہ) قرآن عربی زبان میں ہے اس میں کوئی کجی نہیں تاکہ وہ لوگ پرہیز
گاری اختیار کریں۔(۶)

اس پر علماء کا اجماع ہے کہ قرآن عربی ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں غیر عربی مفرد الفاظ موجود ہیں یا نہیں؟ اس میں دو مذہب ہیں:

۱۔ یہ جمہور کا مذہب ہے، ان میں سرفہرست قاضی ابو بکر ابن الطیب، شیخ المفسرین ابن جریر الطبری اور الباقلانی وغیرہ علماء اعلام شامل ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن مکمل طور پر عربی ہے، اس میں غیر عربی کلام کے مفردات یا الفاظ نہیں ہیں، جن الفاظ کو غیر عربی زبانوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ عربی اور دوسری زبانوں میں

(۲) ص:۲۹ (۳) الشعراء:۱۹۴،۱۹۵ (۴) حم السجدہ:۳ (۵) یوسف:۲ (۶) الزمر:۲۸

مشترک الفاظ ہیں، اہل عرب، اہل فارس اور حبشی وغیرہ یہ الفاظ یکساں طور پر استعمال کرتے تھے۔

۲۔ علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ قرآن کریم میں بعض غیر عربی الفاظ آئے ہیں، چونکہ یہ الفاظ نہایت قلت میں ہیں اس لیے ان کے باوجود قرآن کریم کے عربی مبین ہونے میں فرق نہیں پڑتا۔ مثلاً لفظ ''مشکاۃ'' بمعنیٰ طاق، لفظ ''الکفل'' بہ معنیٰ نصف اور لفظ ''قسورۃ'' بہ معنیٰ شیر، سب حبشی زبان کے لفظ ہیں عربی الفاظ نہیں ہیں۔ اسی طرح لفظ ''القسطاس'' بہ معنیٰ ترازو، رومی زبان کا لفظ ہے۔ لفظ ''سجیل'' پتھر اور گارا، فارسی زبان کا لفظ ہے۔ لفظ ''غساق'' بہ معنیٰ کھولتی ہوئی پیپ، ترکی زبان کا لفظ ہے۔ لفظ ''الیم'' بمعنیٰ سمندر، اور ''الطور'' بہ معنیٰ پہاڑ سریانی زبان کا لفظ ہے۔

ابن عطیہ کہتے ہیں:

> حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ اصل میں عجمی ہیں۔ لیکن اہل عرب نے ان الفاظ کو عربی بنا کر استعمال کیا بایں معنیٰ یہ عربی ہیں، اہل عرب نے ہمسایوں سے میل جول کے باعث ان کے بعض الفاظ اپنا لیے اور ان عجمی الفاظ کو انہوں نے اپنے اشعار اور محاورات میں اس خوبی سے استعمال کیا کہ وہ صحیح عربی الفاظ کی طرح ہو گئے، اور پھر قرآن میں یہ الفاظ نازل ہوئے (۷)

جمھور کے دلائل

جمہور علماء نے بعض دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم عربی ہے، اس میں غیر عربی الفاظ نہیں ہیں۔ البتہ اس میں غیر عربی زبانوں کے اسماءِ اعلام موجود ہیں مثلاً اسرائیل، جبرئیل، عمران، نوح اور لوط۔

جمہور کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ گذشتہ سطور میں مذکور آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن اپنے الفاظ، اسلوب، نظم اور ترکیب میں مکمل طور پر عربی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا

(۷) تفسیر القرطبی/ ج ۱، ص ۶۸

ہے: قرانا عربیا۔ یہ لفظ متعدد آیات میں بار بار آیا ہے، یہ معلوم ہے کہ لفظ قرآن عام ہے اس میں تمام سورتیں، آیات، الفاظ اور مفردات شامل ہیں۔

۲۔ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا تا کہ اہل عرب اس کو سمجھیں، جانیں اور اس کے مفاہیم اور معانی میں غور وفکر کریں، یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ایسی زبان میں مخاطب ہو جس کو وہ نہ جانتے ہوں، جبکہ آیات صراحتاً بیان کر رہی ہیں کہ قرآن اہل عرب کی زبان میں نازل ہوا ہے تا کہ وہ اس کو سمجھیں اور عمل کریں۔

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

ہم نے اس کو تمہارے سمجھنے کے لئے عربی زبان میں نازل کیا ہے۔(۸)

قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

یہ قرآن عربی زبان میں ان لوگوں کے لئے ہے جو جانتے ہیں۔(۹)

یہ آیات قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ کی نفی کر رہی ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس دعویٰ کا رد کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن عجمی اہل کتاب جبر الرومی سے سیکھتے ہیں اور بطور دلیل دونوں زبانوں کا اختلاف بیان فرمایا:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُۥ بَشَرٌ ۗ لِّسَانُ ٱلَّذِى يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِىٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِينٌ ۝

اور (اے نبی ﷺ) ہمیں خوب معلوم ہے کہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو ایک آدمی سکھاتا ہے حالانکہ جس کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف (فصیح) عربی ہے۔(۱۰)

۴۔ اگر قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ ہوتے یا اس کو اہل عرب نہ سمجھتے یا عجمی الفاظ ہوتے تو مشرکین قرآن پر اعلانیہ اعتراض کرتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صادق نہ ہونے کی دلیل بناتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(۸) یوسف:۲ (۹) حم السجدہ:۳ (۱۰) النحل:۱۰۳

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ

اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی قرآن بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں اور یہ کیا کہ (قرآن تو) عجمی ہے اور (رسول) عربی۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور یہ (قرآن) ان کے حق میں نابینائی ہے۔ (۱۱)

۵۔ قرآن کریم میں دیگر زبانوں سے منسوب الفاظ وہ ہیں جن میں دیگر زبانیں اور عربی زبان باہم متحد ہیں یعنی یہ الفاظ جس طرح اہل عرب بولتے تھے اسی طرح اہل فارس اور اہل عجم وغیرہ بھی بولتے تھے، یہ الفاظ غیر عربی نہیں بلکہ غیر عربی زبانوں میں بھی اسی طرح مستعمل ہیں، اہل عجم کی طرف سے ان الفاظ کا استعمال ان کے عربی الفاظ ہونے سے مانع نہیں

ترجیح

قابل ترجیح مذہب علامہ الطبری اور جمہور علماء کا ہے کہ قرآن مکمل طور پر عربی ہے، نصوص کثیرہ اور قوی ومسکت دلائل اسی مذہب کے مؤید ہیں، علامہ قرطبی نے جمہور علماء کی رائے کو تقویت دی ہے اور دوسری رائے کو رد کیا ہے، دونوں مذاہب کو ذکر کر کے وہ کہتے ہیں کہ پہلا مذہب اصح ہے، کیونکہ قرآن کریم کے اولین مخاطب اہل عرب تھے، اور خطاب ان ہی کی زبان میں تھا، اہل عرب کے علاوہ دوسرے لوگوں کا بعض عربی الفاظ میں ان سے متفق ہونا بعید از امکان نہیں ہے۔ اگر اہل عرب کو ان کی عربی زبان میں مخاطب نہ کیا جاتا اور وہ خطاب کی زبان سے واقف نہ ہوتے تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا خطاب سمجھنا محال ہوتا، اس صورت میں قرآن عربی نہ ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم سے ان کی زبان میں مخاطب نہ ہوتے۔ (۱۲)

(۱۱) حم السجدہ: ۴۴ (۱۲) تفسیر القرطبی/ ج ۱، ص ۶۹

ترجمۃ القرآن کی بحث

ترجمہ کا معنیٰ

ترجمۃ القرآن کا مطلب ہے قرآن کریم غیر عربی زبانوں میں منتقل کرنا، ان تراجم کو شائع کرنا تاکہ عربی سے ناآشنا لوگ اس ترجمہ کی وساطت سے کتاب عزیز کے معانی سمجھیں اور اللہ تعالیٰ کی مراد کو جانیں۔

ترجمے کی اقسام

ترجمے کی دو قسمیں ہیں:

۱۔لفظی ترجمہ۔ ۲۔تفسیری ترجمہ۔

لفظی ترجمے کا مطلب ہے کہ قرآن کا اس کے اصل الفاظ، مفردات، جملوں اور ترکیب کے مطابق دیگر زبانوں مثلاً انگریزی، جرمن یا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ اور اس کو قرآن بزبان انگریزی یا قرآن بزبان جرمن کا نام دیا جائے، عربی لفظ کے مترادف انگریزی یا جرمن زبان کا لفظ استعمال کیا جائے۔ اس کو بعض لوگ لفظی ترجمہ کہتے ہیں۔

ترجمے کی دوسری قسم تفسیری ترجمہ ہے، یعنی الفاظ کی قید کے بغیر آیات کریمہ کا ترجمہ کیا جائے، مقصود صرف معانی ہوں، ترجمہ الفاظ اور تراکیب کا پابند نہ ہو، غرض تفہیم ہو، اور اس مفہوم کو دوسری زبان کے قالب میں ڈھال دیا جائے، یہ مفہوم اصل کے مطابق ہو ہر مفرد لفظ کے انفرادی معنیٰ کو اس میں ملحوظ نہ رکھا گیا ہو بلکہ مکمل آیت کا جامع مفہوم دوسری زبان میں سمونے کی کوشش کی گئی ہو۔ اول الذکر کو لفظی ترجمہ اور دوسری قسم کو معنوی ترجمہ کہا جاتا ہے۔

ترجمے کی شرائط

ترجمہ خواہ لفظی ہو یا تفسیری، اس کے لیے بعض شرائط کا ہونا لازمی ہے:

۱۔ مترجم دونوں زبانوں یعنی عربی اور ترجمہ والی زبان سے واقف ہو۔

۲۔ مترجم، ترجمہ والی زبان کے خصائص اور اسالیب کوکماحقہٗ جانتا ہو۔
۳۔ ترجمہ کے الفاظ صحت کے اس درجہ پرہوں کہ ان کے لیے اصل کی قائم مقامی ممکن ہو۔
۴۔ ترجمہ اصل کے معانی اور مقاصد کا مکمل طور پر جامع ہو۔

لفظی ترجمے کے لیے ان شرائط کے علاوہ دو اور شرائط بھی ہیں۔

۱۔ ترجمہ کی زبان میں اصل زبان کے مساوی مفردات موجود ہوں۔
۲۔ جملوں کی تراکیب کے روابط اور ضمائر مستترہ میں دونوں زبانیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں۔

کیا قرآن کریم کا لفظی ترجمہ کرنا جائز ہے؟

ترجمہ کی لفظی اور تفسیری تقسیم، ہر ایک کی تعریف اور ترجمہ کے شرائط کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ درج ذیل متعدد وجوہ سے لفظی ترجمہ جائز اور صحیح نہیں ہے:

۱۔ عربی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں میں قرآن کریم کی کتابت جائز نہیں تاکہ تحریف اور تبدیلی راہ نہ پائے۔
۲۔ غیر عربی زبانوں میں ایسے الفاظ، مفردات اور ضمائر نہیں جو عربی الفاظ کے قائم مقام ہوں
۳۔ صرف الفاظ پر اقتصار کبھی معنیٰ کو فاسد کر دیتا ہے اور مفہوم اور نظم میں خلل واقع ہوتا ہے

بطور وضاحت چند مثالیں پیش ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴿۲۹﴾

اگر ہم اس آیت کریمہ کا لفظی ترجمہ کریں تو اس کا ترجمہ ان الفاظ میں ہوگا:

''اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے نہ باندھ اور نہ ہاتھ کو پورا پھیلا'' (۱۳)

یہ غلط معنیٰ ہے یہ قرآن کا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ مترجم ایسا ترجمہ کرتے ہوئے خود الجھ جائے گا اور کہے گا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنا ہاتھ گردن سے باندھنے یا اس کو آخری حدوں تک

---

(۱۳) بنی اسرائیل:۲۹

پھیلانے سے کیوں روکا ہے؟ حالانکہ قرآن کریم میں اس کو بطور تمثیل بیان فرمایا گیا ہے کہ فضول خرچی اور بخل سے بچو اوران کا انجام بیان کیا گیا ہے، یہ بے مثال مفہوم وہی سمجھے گا جو تخاطب میں اہل عرب کے بلیغ اسلوب سے واقف ہوگا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ

اوران (والدین) کے آگے مہربانی سے جھکے رہنا۔(۱۴)

ان الفاظ کا لفظی ترجمہ ناممکن ہے، کیونکہ یہ استعارہ مکنیّہ کی قسم سے ہے اور ایسی بلیغ تعبیر عربی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں میں نہیں ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ

قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

ان کے رب کے پاس (پہنچ کر) ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔(۱۵)

تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ

(وہ کشتی) ہماری نگاہوں کے سامنے بہتی چلی جاتی تھی۔(۱۶)

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ

وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔(۱۷)

اگر ہم ان جملوں کا لفظی ترجمہ کریں گے تو مفہوم مکمل طور پر فاسد ہو جائے گا، اور کلام ہذیان کی مثال بن جائے گا۔ قرآن کریم میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں، جن کے لفظی ترجمہ کا فساد واضح ہے۔

قرآن کریم کا تفسیری ترجمہ

مذکورہ بالا شروط کے ساتھ قرآن کریم کا بامحاورہ تفسیری ترجمہ جائز ہے اس کو ہم قرآن نہیں کہتے تفسیر قرآن کہتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم کے الفاظ کا تابعدار بنایا ہے

---

(۱۴) الاسراء:۲۴ (۱۵) یونس:۲ (۱۶) القمر:۱۴ (۱۷) البقرہ:۱۸۷

دوسروں کے کلام کا تابعدار نہیں بنایا (کہ ان الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ استعمال نہ کریں) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی بالمعنیٰ روایت جائز ہے، یعنی ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جس کا مطلب یہ ہے۔لیکن قرآن کریم کی بالمعنیٰ روایت جائز نہیں ہے۔ہم یوں نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جس کا مطلب یہ ہے، بلکہ نص قرآن کے حروف اور الفاظ کی تلاوت ضروری ہے کیونکہ قرآن وحی الٰہی ہے اور اس کے الفاظ اور مفاہیم دونوں معجز ہیں۔

ترجمہ درحقیقت قرآن کا ترجمہ نہیں بلکہ قرآنی مفاہیم کی ترجمانی ہے، یا تفسیر قرآن کا ترجمہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو تمام مخلوق کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ اس کی ہدایت کا منبع اور ان کی رہنمائی اور سعادت کا مصدر ہو، اس لیے قرآنی مفاہیم کا دیگر غیر عربی اقوام میں منتقل کرنا ممنوع نہیں، تاکہ وہ لوگ قرآن کریم کے نور سے منور ہوں اور اس کی ہدایت اور ارشاد سے حصہ پائیں۔بلاشبہ یہ بھی قرآن کی ایک غرض اور مقصود ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

بے شک یہ قرآن ایسا راستہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔(۱۸)

اس غرض کے پیش نظر علماء نے دیگر زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ کو جائز کہا ہے بلکہ اہل اسلام کے لیے ایسا عمل واجب ہے تاکہ لوگوں تک اللہ کی دعوت پہنچے اور وہ قرآنی ہدایت کے پیغام کے امین بنیں، اس طرح کے ترجمہ کے بغیر لوگ اس شریعت کی عظمت، اس دین کی بے نظیر عمدگی اور قرآن کے حسن و جمال سے واقف نہیں ہو سکتے۔اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہِ راست کی ہدایت بخشنے والا ہے۔

(۱۸) الاسراء:۹

نویں فصل

سات لغات پر نزول قرآن اور قراءاتِ مشہورہ

تمہید

اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو ہر ایک کے لیے شریعت اور راستہ بنایا، اہل عرب کے متعدد لہجے تھے، بعض فطری تھے اور بعض لہجے انہوں نے اپنے پڑوسیوں سے حاصل کیے تھے، متعدد اسباب کی وجہ سے قریش کی زبان کو شہرت اور اعلیٰ مقام حاصل تھا، وہ تجارت پیشہ تھے، بیت اللہ الحرام کے ہمسائے تھے، بیت اللہ کی دیکھ بھال اور حجاج کی خدمت اپنے ذمے لی ہوئی تھی، دیگر اقوام سے ان کو جو لہجے اور الفاظ پسند آتے وہ ان لہجوں اور الفاظ کو اپنا لیتے تھے، فطری قوانین کے موافق اللہ احکم الحاکمین نے قرآن کریم اس زبان میں نازل فرمایا جس کو تمام عرب آسانی سے سمجھ لیں، ان پر قرآن کا اعجاز واضح ہو اور ان کے ارباب فصاحت کو قرآن کریم کی مثل ایک سورت یا آیت لانے کا چیلنج دیا جائے۔ نیز قرآن کریم کی قرأت، اس کا فہم اور اس کا حفظ ان کے لیے آسان ہو کہ عربی ان کی اپنی زبان تھی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

ہم نے اس قرآن کو تمہارے سمجھنے کے لئے عربی زبان میں نازل کیا ہے(۱)

قرآن کریم کے سات حروف پر نازل ہونے کے دلائل

۱۔ صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے ایک حرف (لغت) پر قرآن پڑھایا، میں ان سے زیادہ کے لیے کہتا رہا وہ زیادہ کرتے رہے حتیٰ کہ سات حروف تک قرأت ہوگئی۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان سات

(۱) یوسف:۲

حروف کا معنیٰ واحد ہوتا ہے اور ان میں حرام اور حلال کے لحاظ سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا (۲)

۲۔ صحیحین ہی میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ایک مرتبہ ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان کی قرأت کرتے سنا، وہ سورۃ کی قرأت ان کثیر حروف کے ساتھ کر رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے تعلیم نہیں فرمائے تھے، میں نماز ہی میں ان پر گرفت کرنے والا تھا پھر میں نے ان کے سلام پھیرنے کا انتظار کیا اور ان کو چادر سے کھینچ کر کہا کہ تجھے یہ سورت کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے، میں نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ بخدا میں نے تمہیں جو سورت پڑھتے سنا ہے رسول اللہ ﷺ نے مجھے خود وہ سورت تعلیم فرمائی ہے، میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے ان کو سورۃ الفرقان ان الفاظ کے ساتھ پڑھتے سنا ہے جو آپ نے نہیں پڑھائے حالانکہ آپ نے خود مجھے سورۃ الفرقان پڑھائی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمر! اسے چھوڑ دو، ہشام تم پڑھو، ہشام نے سورۃ کو اسی طرح پڑھا جس طرح میں نے ان کو پڑھتے سنا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح نازل ہوئی ہے، پھر فرمایا کہ یہ قرآن سات حروف (لغات) پر نازل ہوا ہے جس طرح تمہیں آسان لگے پڑھ لو۔ بعض روایات میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی سماعت فرمائی اور فرمایا کہ اسی طرح نازل ہوئی ہے۔

۳۔ صحیح مسلم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ میں مسجد میں تھا ایک شخص آ کر نماز پڑھنے لگا اور قرآن کی ایسی قرأت کی جو میرے لیے نامانوس تھی، پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے پہلے شخص سے مختلف انداز میں قرأت شروع کر دی، جب ہم لوگ نماز سے فارغ ہو گئے ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا: اس شخص نے اس طرح قرآن پڑھا جو میرے لیے نامانوس تھا، اور دوسرا شخص آیا تو اس نے پہلے سے مختلف انداز میں قرآن پڑھا، رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا، دونوں نے قرأت کی تو آپ نے دونوں کو صحیح قرار دیا۔ جس سے میرے دل میں ایسی تکذیب پیدا ہوئی جو دورِ جاہلیت میں نہیں تھی، رسول اللہ

(۲) بخاری/ ج ۲ ص ۲۲۷۔ مسلم/ ج ۱ ص ۵۶۱۔

ﷺ نے میری اس کیفیت کو ملاحظہ فرمایا تو میرے سینے پر ہاتھ مارا جس سے میں پسینے پسینے ہوگیا اور خوفِ الٰہی سے مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوگئی گویا کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے اُبی! پہلے مجھے یہ حکم دیا گیا تھا کہ میں قرآن ایک حرف (لغت) پر پڑھوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میری امت پر آسانی فرما، پھر مجھے دو حرفوں پر پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ میں نے پھر گذارش کی کہ میری امت پر آسانی فرما، پھر مجھے تیسری مرتبہ سات حروف پر پڑھنے کا حکم ہوا، اور فرمایا کہ تم نے جتنی مرتبہ امت پر آسانی کے لیے دعا کی ہے اتنی بار تم ہم سے ایک دعا مانگ لو، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ! میری امت کی مغفرت فرما، اور تیسری دعا کو میں نے اس دن کے لیے رکھ چھوڑا ہے جس دن تمام مخلوق حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف متوجہ ہوں گے۔

علامہ قرطبی حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے دل میں پیدا ہونے والے خیال کے متعلق کہتے ہیں یہ ویسا ہی وسوسہ تھا، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تھا کہ ہم اپنے دلوں میں بعض اوقات ایسے وساوس اور خیالات پاتے ہیں کہ ہم ان کو زبان پر لانا بھی بہت بڑی بات سمجھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ایسا پاتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں، فرمایا کہ یہ صریح ایمان ہے۔ (۳)

۴۔ حافظ ابو یعلیٰ نے مسند کبیر میں روایت کیا ہے ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا کہ میں اس شخص کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ وہ کھڑا ہو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہو کہ یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے جن میں سے ہر ایک کافی اور شافی ہے۔ تو لاتعداد لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سننے کی گواہی دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ گواہی دیتا ہوں۔

۵۔ امام مسلم نے اپنی سند سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو غفار کے تالاب کے پاس تشریف فرما تھے، آپ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی امت کو ایک حرف (لغت) پر قرآن پڑھائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے عفو اور مغفرت کا سوال کرتا ہوں، اور یہ کہ

(۳) مسلم

میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، پھر جبریل علیہ السلام دوبارہ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ اپنی امت کو دو حرفوں پر قرآن پڑھائیں، آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر اور مغفرت کی درخواست کروں گا، اور یہ کہ میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، پھر تیسری مرتبہ جبریل آپ کے پاس آئے اور کہا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ اپنی امت کو تین حرفوں پر قرآن کریم پڑھائیں، آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کا سوال کروں گا اور یہ کہ میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر چوتھی مرتبہ جبریل علیہ السلام آئے اور کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آپ اپنی امت کو سات حرفوں پر قرآن پڑھائیں وہ جس حرف (لغت) پر بھی قرآن پڑھ لیں گے صحیح ہوگا۔

۶۔ امام ترمذی نے بھی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام کی مروہ کے پتھروں کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے فرمایا کہ میں امی امت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں ان میں سن رسیدہ مرد بوڑھی عورتیں اور بچے ہیں، جبریل نے کہا کہ آپ ان سے کہیں کہ وہ سات حرفوں (لغات) پر قرآن پڑھیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے ان میں سے کسی حرف (لغت) میں پڑھا اس نے قرآن پڑھا۔ حضرت حذیفہ کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جبریل سے کہا کہ اے جبریل! میں امی امت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں جس میں مرد، عورت، بچے اور نہایت بوڑھے شامل ہیں جنہوں نے کبھی کتاب نہیں پڑھی، جبریل نے کہا کہ قرآن سات حرفوں (لغات) پر نازل کیا گیا ہے

۷۔ طبری اور طبرانی نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مجھے ایک سورت ابن مسعود نے زید بن ثابت نے اور ابی بن کعب نے پڑھائی ہے ان کی قرائتیں مختلف ہیں، میں کس کی قرأت لوں؟ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے انہوں نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص اس قرأت سے پڑھے جس کو وہ جانتا ہے۔ یہ حسین و جمیل تفسیر ہے۔

۹۔ابن جریر الطبری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ قرآن سات حرفوں (لغات) پر نازل کیا گیا ہے جس لغت میں پڑھو کوئی حرج نہیں، لیکن رحمت کے ذکر کو عذاب سے اور عذاب کے ذکر کو رحمت سے مخلوط نہ کرو''۔

سات لغات پر نزول قرآن کی حکمت

۱۔امت اسلامیہ خصوصاً امت عربیہ پر آسانی فرمانے کے لیے ایسا کیا گیا قرآن اہل عرب میں نازل ہوا ان کے متعدد لہجے تھے۔قرآن سب لہجوں کا جامع ہے، اسی آسانی کے حصول کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ ''میری امت پر آسانی فرما'' اور ''میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی'' وغیرہ۔

محقق ابن الجزری کی تقریر

محقق ابن الجزری لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے سات حرفوں پر نزول کا سبب اس امت کے لیے تخفیف، یسر اور آسانی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو شرف عطا فرمایا، اس پر اپنی رحمت نازل کی اور اس کو وسعتوں سے نوازا اور اس کو خصوصی فضیلت بخشی، افضل الخلق اور حبیب حق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو قبولیت سے شادکام فرمایا۔ جبریل علیہ السلام نے آکر کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آپ اپنی امت کو ایک حرف پر قرآن پڑھائیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے عفو اور مدد کا سوال کرتا ہوں، کیونکہ میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، آپ بار بار سوال کرتے رہے حتیٰ کہ سات حرفوں تک پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

علامہ ابن الجزری کہتے ہیں کہ جیسا کہ ثابت ہے قرآن کریم سات ابواب سے سات حروف پر نازل ہوا ہے اور سابقہ کتب ایک باب سے اور ایک حرف پر نازل ہوئی تھیں، کیونکہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیے جاتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق گورے کالے، عربی اور عجمی کی طرف بھیجے گئے ہیں، اہل عرب جن کی زبان میں قرآن کریم نازل ہوا ان کی لغات اور زبانیں متعدد اور مختلف تھیں، اور ان کے لیے ایک لغت سے دوسری لغت کی طرف یا ایک حرف (لہجہ) سے دوسرے لہجے کی طرف منتقل ہونا دشوار تھا، بلکہ بعض اشخاص

خصوصاً سن رسیدہ لوگوں اور عورتوں کے لیے سکھانے اور تدبیر کرنے کے باوجود بھی ایسا ممکن نہ تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اشارہ فرمایا اگر ان کو اپنی زبان چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا تو یہ ان کے لیے تکلیف مالا یطاق ہوتی، طبائع اس کو نہ مانتے اور مکلف اس سے عاجز رہتے۔

۲۔ سات حرفوں پر نزول کی حکمت امت اسلامیہ کو ایک زبان پر جمع کرنا تھا اور وہ قریش کی زبان تھی جو موسم حج وغیرہ میں تقریباً تمام قبائل عرب کے جمع ہونے اور آنے جانے سے عربوں میں بولی جانے والی تمام زبانوں کے مختارات پر مشتمل تھی، ہر لہجے کی خوبیاں اس میں موجود تھیں، اس لیے قرآن کریم سات حرفوں پر نازل کیا گیا تاکہ ہم عرب قبائل کی جس لغت میں چاہیں قرآن پڑھیں کہ قریش کی لغت سب کی نمائندگی کرتی تھی، یہ نہایت رفیع حکمت الٰہی ہے کیونکہ کسی امت کی وحدت اور اتحاد کے لیے زبان کی وحدت اہم عامل ہے خصوصاً کسی امت کے ابتدائی دور میں اس کی ترقی اور آگے بڑھنے کے وقت اس کی اہمیت دوچند ہوتی ہے۔

سات حرفوں پر نزول قرآن کے معنیٰ

احرف، حرف کی جمع ہے، حرف کے بہت سے معانی ہیں، صاحب قاموس کہتے ہیں کہ حرف ہر چیز کا کنارہ، جانب، حد، پہاڑ کا نوکیلا سرا اور یہ حروف تہجی میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو ایک کنارے ہو کر عبادت کرتا ہے (۴)

وہ ایک وجہ سے اللہ کی عبادت کرتا ہے، یعنی وہ فراخ دستی اور خوش حالی میں اس کی عبادت کرتا ہے تنگدستی میں اس کی عبادت نہیں کرتا، یا وہ دین میں مکمل طور پر داخل نہیں ہوتا، شک اور بے اطمینانی کی کیفیت میں عبادت کرتا ہے۔ اور قرآن سات حروف پر نازل ہوا۔ یعنی اہل عرب کی لغات میں سے سات لغات پر نازل ہوا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر لفظ میں سات وجوہ موجود ہوں، یا دس یا اس سے زائد وجوہ پائی جائیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سات لغات متفرق طور پر قرآن کریم میں موجود ہیں۔ واضح رہے کہ حرف، مشترک لفظی کے قبیل سے ہے، مشترک لفظی سے یہ مراد ہوتا ہے کہ قرائن اور مقام کی مناسبت سے کسی ایک معنیٰ کو متعین کیا جائے

(۴) الحج:۱۱

حرف کے لفظ سے وجہ (ڈگر، طریقہ) مراد لینے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے۔

عـلـی کا حکم اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ آسانی اور توسع کی شرط پر ہے یعنی قرآن کریم کو پڑھنے والے پر آسان کرنے کے لیے اس کو سات طریقوں تک پڑھنے میں وسعت دی گئی ہے، وہ ان میں سے جس حرف کو دوسرے حرف کے بدلے میں پڑھ لے اس کو اجازت ہے۔ گویا کہ آپ نے فرمایا کہ قرآن اس شرط اور اس کشادگی پر نازل ہوا ہے۔

حدیث میں وارد لفظ احرف کی تفسیر میں علماء کا اختلاف

لفظ احرف کی تشریح اور تفسیر میں علماء نے بکثرت قیل وقال کی ہے اور بحث وتمحیص میں خاصی نزاعی صورت پیدا کی ہے، ہم ان میں سے بعض آرا پیش کر رہے ہیں اور بعد میں صواب سے قریب تر رائے کی ترجیح ذکر کریں گے۔

۱۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس سے اہل عرب کی ایسی سات لغات مراد ہیں جو ایک معنیٰ رکھتی ہیں، یعنی الفاظ مختلف ہوتے ہیں مگر سب الفاظ کا مفہوم واحد ہوتا ہے، اور اگر ان لغات میں اختلاف نہ ہو تو پھر ایک لفظ لایا جاتا ہے، یہ سات قریش، ہذیل، ثقیف، ہوازن، کنانہ، تمیم، اور یمن کی لغات ہیں۔

۲۔ بعض علماء نے کہا ہے سات حرفوں سے اہل عرب کی وہ سات لغات مراد ہیں جن پر قرآن نازل ہوا ہے، یعنی قرآن کے کلمات، مجموعی طور پر اہل عرب کی ان سات فصیح ترین لغات کے اندر اندر ہیں۔ اکثر کلمات لغت قریش سے ہیں بعض لغت ہذیل یا ثقیف یا ہوازن یا کنانہ یا تمیم یا یمن سے ہیں۔ بعض علماء کا کہنا ہے یہ قول صحیح ترین اور صواب سے قریب ترین ہے، بیہقی نے اسے صحیح کہا ہے، الابہری کا مختار قول یہی ہے اور صاحب قاموس نے بھی اسی پر انحصار کیا ہے۔

۳۔ سات حروف سے قرآن کریم میں سات اصناف مراد ہیں، لیکن ان اقوال کے قائلین کا ان اصناف کی تعیین اور اسلوب تعبیر میں زبردست اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے امر، نہی، حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال مراد ہیں۔

بعض کے بقول اس سے وعد، وعید، حلال، حرام، مواعظ، امثال اور احتجاج مراد ہیں۔ جبکہ بعض کا کہنا ہے اس سے محکم، متشابہ، ناسخ، منسوخ، خصوص، عموم اور قصص مراد ہیں۔ (۵)

۴۔ سات حروف سے ایک کلمے اور ایک معنیٰ کی سات مختلف وجوہ مراد ہیں مثلاً ھلم، اقبل، تعال، عجل، اسرع، قصدی اور نحوی، سات مختلف الفاظ ہیں لیکن سب کا معنیٰ ایک ہے اور وہ آنے کا امر ہے۔ یہ قول جمہور فقہا اور محدثین سے منسوب ہے جن میں ابن جریر طبری اور طحاوی وغیرہ شامل ہیں۔

۵۔ حروف سبعہ سے سات امور میں اختلاف مراد ہے:

الف: اسماء کے واحد، جمع اور ان کے فروع میں اختلاف۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝

اور (مومن وہ ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں (۶)

اَمٰنٰتِهِمْ کا لفظ واحد اور جمع دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

ب: افعال کی تصریف یعنی مضارع، ماضی اور امر میں اختلاف۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا

اے ہمارے رب! ہمارے سفروں کو دراز کر دے (۷)

اس لفظ ربّنا کو نصب سے بطور منادیٰ اور لفظ باعد کو بطور فعل امر پڑھا گیا ہے۔

اور رَبُّنَا بَعِّدْ لفظ ''ربُّ'' پر رفع باعتبار مبتدا اور لفظ بَعِّد بطور فعل ماضی مضاعف العین، جملہ بطور خبر پڑھا گیا ہے۔

ج: اختلافِ ابدال حرف بہ حرف۔ مثلاً ارشاد الٰہی:

وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا

اور تو (گدھے کی) ہڈیوں کو بھی دیکھ کہ ہم ان کو کس طرح جوڑتے ہیں (۸)

کو ''زاء'' اور ''راء'' بہ فتحِ نون۔ اور ارشادِ باری تعالیٰ

وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝

(۵) مناھل العرفان/ص ۱۷۶ (۶) المومنون:۸ (۷) سبا:۱۹ (۸) البقرہ:۲۵۹

اور تہ بہ تہ کیلوں میں (۹)

کو طلع منضود پڑھا گیا ہے، یہاں اس اسم اور فعل میں فرق نہیں ہے۔

یا ابدالِ لفظ بہ لفظ۔ مثلاً ارشادِ الٰہی:

كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝

اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی مانند ہو جائیں گے۔ (۱۰)

کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کالصوف المنفوش پڑھا۔

د: تقدیم اور تاخیر کا اختلاف۔ حرف میں۔ مثلاً ارشادِ ربانی: اَفَلَمْ يَايْئَسِ کیا اس پر خاطر جمع نہیں ہوئی۔ (۱۱) کو افلم یأیس پڑھا گیا۔

کلمے میں: مثلاً فیقتلون و یقتلون پہلے کو مبنی بر فاعل اور دوسرے کو مبنی بر مفعول اور اس کے برعکس بھی پڑھا گیا ہے۔ اسی طرح

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ

اور موت کی سختی (قریب) آ پہنچی۔ (۱۲)

کو وجاءت سکرۃ الحق بالموت پڑھا گیا ہے۔

ہ: وجوہِ اعراب میں اختلاف۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ

مَا هٰذَا بَشَرًا

یہ بشر نہیں ہے۔ (۱۳)

کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رفع سے بَشَرٌ پڑھا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝

عرش کا مالک (اور) بڑی شان والا ہے۔ (۱۴)

کو المجید کے رفع سے لفظ ''ذو'' کی صفت کے طور پر اور المجید کو عرش کی صفت کے اعتبار سے جر (زیر) سے پڑھا گیا ہے۔

(۹) البقرہ: ۲۵۹ (۱۰) القارعہ: ۵ (۱۱) الرعد: ۳۱ (۱۲) ق: ۱۹ (۱۳) یوسف: ۳۱ (۱۴) البروج: ۱۵

و: کمی اور زیادتی کا اختلاف۔ارشاد الٰہی ہے:

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰٓ ۝

اور (قسم) اس کی جس نے مذکر اور مونث کو بنایا۔(۱۵)

اس کو ماخلق کے حذف کے ساتھ والذکر والانثیٰ پڑھا گیا۔

ز: لہجوں کا اختلاف۔یعنی تفخیم، ترقیق، امالہ، اظہار، ادغام میں اختلاف، اس کی کثیر مثالیں ہیں، مثلاً:

هَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ مُوسٰىٓ ۝

کیا آپ کو (حضرت) موسیٰ (کے واقعے) کی خبر پہنچی۔(۱۶)

میں امالہ اور عدم امالہ کا اختلاف۔

امام رازی یہی آخری رائے رکھتے ہیں، ابن قتیبہ، ابن الجزری اور ابن الطیب کا مذہب بھی اس سے قریب ترین ہے۔علامہ زرقانی نے اپنی کتاب مناھل العرفان میں اسی کو اختیار کیا ہے اور اسے بعض دلائل سے تقویت دی ہے۔

ترجیح:

صواب سے قریب تر ڈگر یہی آخری مذہب ہے جس کو امام رازی نے ترجیح دی ہے اور جس پر علامہ زرقانی نے اپنی کتاب مناھل العرفان میں اعتماد کا اظہار کیا ہے اور دلائل سے تقویت دی ہے۔ان میں سے بعض دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ مذکورہ بالا احادیث اس مذہب کی مؤید ہیں۔

۲۔ وجوہِ سبعہ سے قراءات کے اختلاف کو اس پر استقرا تام حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ اس رائے سے قابل احتراز شے لازم نہیں آتی۔

حروف سبعہ کی تفصیل اور تشریح میں مکمل آرا آپ کو علامہ زرقانی کی مناہل العرفان میں دستیاب ہوں گی، نیز دیگر مذاہب کا رد بھی آپ کو کتاب کے ص ۱۶۵ تا ص ۱۷۷ پر ملے گا۔ہم یہاں ابوالفضل الرازی کی اللوائح سے اس مذہب کا خلاصہ نقل کر رہے ہیں، رازی کہتے ہیں کہ سات

(۱۵) اللیل:۳ (۱۶) النازعات:۱۵

حروف کے اختلاف پر بحث ان سات امور سے باہر نہیں ہے:

۱۔ اسماء کے واحد، تثنیہ، جمع اور مذکر، مؤنث کا اختلاف۔

۲۔ تصریفِ افعال یعنی مضارع، ماضی اور امر کا اختلاف۔

۳۔ وجوہِ اعراب کا اختلاف۔

۴۔ کمی اور زیادتی کا اختلاف۔

۵۔ تقدیم اور تاخیر کا اختلاف۔

۶۔ اِبدال کا اختلاف۔

۷۔ لغات یعنی لہجوں کا اختلاف، مثلاً فتح، اِمالہ، ترقیق، تفخیم، اظہار اور ادغام وغیرہ۔

کیا اب بھی مصاحف میں سات حروف موجود ہیں؟

۱۔ فقہاء، قرّاء اور متکلمین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اب بھی مصاحف عثمانیہ میں یہ حروف سبعہ موجود ہیں۔

دلائل:

الف۔ امت کے لیے قرآن کی نقل میں کسی چیز کا چھوڑنا جائز نہیں۔

ب۔ صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نقل کردہ مصاحف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تحریر کردہ مصاحف سے منقول ہیں۔

ج۔ گزشتہ بحث سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ مصاحف میں ساتوں حروف موجود تھے، اسی طرح ان سے منقول مصاحف عثمانیہ میں بھی ساتوں حروف موجود ہیں۔

د۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی'' صرف عہد صحابہ سے مختص نہیں، اعجاز قرآن کے ساتھ قرآن کی یہ سہولت اور آسانی بھی باقی ہے۔

۲۔ سلف اور خلف جمہور علماء اور ائمۂ مسلمین کا مذہب ہے کہ مصاحف عثمانیہ حروفِ سبعہ کی صرف اس شکل پر مشتمل ہیں جو عرضۂ اخیرہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریل علیہ السلام

کے ساتھ حیات طیبہ کا آخری دورِ قرآن) کی جامع ہے۔

۳۔ علامہ ابن جریر الطبری اور ان کے ہم خیال حضرات کا مذہب ہے کہ مصاحف عثمانیہ حروف سبعہ میں سے صرف ایک حرف پر مشتمل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حروف سبعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں امت مسلمہ کی قیادت نے تمام مسلمانوں کو ایک حرف پر جمع کرنا مناسب خیال کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام امت کے لیے ایک حرف میں تمام مصاحف رقم کروائے۔

علامہ زرقانی مناہل العرفان میں فرماتے ہیں کہ جب ہم مصاحف عثمانیہ میں مذکور الصدر سات وجوہ تلاش کرتے ہیں تو وہ فی الواقع اور نفس الامر میں مخطوط ہیں، تو ہم ابن جریر الطبری وغیرہ کی کمی والی رائے کو قبول نہیں کرتے اور اس بارے میں فیصلہ کن بات یہ رہ جاتی ہے کہ مصاحف عثمانیہ ان تمام حروف سبعہ پر مشتمل ہیں بایں معنیٰ کہ ان میں سے ہر مصحف کلی طور پر یا بعض وجوہ سے ان حروف کی شکل کے مطابق ہے، مجموعی طور پر یہ مصاحف ان میں سے کسی بھی حرف سے خالی نہیں۔ (۱۷)

علامہ زرقانی نے اپنے مختار مذہب کے مطابق ساتوں حروف کی وضاحت کر دی ہے، اور مصاحف عثمانیہ میں اب بھی ان حروف سبعہ کی موجودگی بیان کی ہے، ہم ان میں سے صرف ایک مثال ذکر کر رہے ہیں باوجودیکہ انہوں نے وجوہ سبعہ میں سے بعض وجوہ کے عرضۂ اخیرہ میں منسوخ ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۸

اور (مومن وہ ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں (۱۸)

اس آیت مین لفظ امانۃ کو مفرد اور جمع دونوں طرح پڑھا گیا ہے، مصحف عثمانی میں اس کا رسم الخط **لامانتهم** ہے، رسم الخط میں **امانة** مفرد مرقوم ہے لیکن اس پر چھوٹا الف (کھڑی زبر) ہے جو اس کے جمع ہونے کا اشارہ کر رہا ہے، اس لفظ پر نقطے اور حرکات نہیں ہیں۔

---

(۱۷) مناہل العرفان/ص ۱۶۲ (۱۸) المومنون: ۸

علامہ طبری کے مذہب پر نقد و نظر

علامہ طبری نے کہا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں با جماع امت چھ حروف کو منسوخ کر دیا گیا اور صرف ایک حرف کو باقی رکھا گیا تا کہ امت مسلمہ کی وحدت برقرار رہے، کیونکہ قرأت کے اختلاف کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے اور فتنہ کا اندیشہ پیدا ہوگیا، امت نے اس مشکل کا حل صرف تمام لوگوں کو ایک حرف پر جمع کرنے میں پایا۔

علامہ طبری کا رد:

جمہور علماء نے علامہ طبری کے مذہب کی تردید میں مندرجہ ذیل دلائل ذکر کیے ہیں،

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہ کرام نے قرأت میں اختلاف کیا اور آپ کے خیال میں اس اختلاف سے فتنہ کا اندیشہ تھا، تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشکل کا کیا حل تجویز فرمایا؟ آپ نے اس کا ایک ہی حل پسند فرمایا کہ آپ نے مختلف قرأتوں کو برقرار رکھا اور صحابہ کرام کو سمجھایا کہ قرأت کے متعدد وجوہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ان پر آسانی ہیں، گذشتہ احادیث بھی اسی کی مؤید ہیں۔

۲۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی اور آپ کی امت قیامت تک باقی ہے، ہم آج بھی دیکھ سکتے ہیں کہ بعض اسلامی گروپوں کے لیے بعض حروف کی ادائیگی مشکل ہوتی ہے اور بعض لہجوں پر عبور نہیں رکھتے اور ان کو صحیح طریقے سے ادا نہیں کر سکتے۔

۳۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جن کے سرخیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے نے کس طرح گوارا کرلیا کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے لیے رحمت اور تخفیف کا جو باب وا کیا تھا اس کو بند کر دیں۔ اور اس اختلاف کے دفعیہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاج کو نظر انداز کر دیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد حروف کو برقرار رکھا تھا۔

۴۔ کیا ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب قرآن کریم کے

چھ حروف کے ضیاع پر متفق ہو گئے یا انہوں نے ایسا سوچا تھا، حالانکہ ان حروف کی تلاوت منسوخ ہوئی تھی نہ حکم منسوخ ہوا تھا، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قول اور عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔

۵۔ اگر یہ حروف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں منسوخ ہو گئے تو علماء کو اس میں اختلاف کی مجال نہ تھی، لیکن ہم اس بارے میں ان کے چالیس مختلف اقوال پاتے ہیں۔

۶۔ بالفرض اگر حروفِ ستہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں منسوخ کر دیے گئے تو پھر تاریخ میں ان کا ذکر کیوں نہیں حالانکہ صحابہ کرام نے منسوخ التلاوت یا منسوخ الحکم آیات، آیات منسوخہ، احادیث موضوعہ سب کو بیان کیا ہے، اور ہر ایک کے وجوہ ذکر کیے ہیں۔

۷۔ کم سے کم بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور عمل میں مخالفت پر راضی نہ تھے، ان سے ایسی تبدیلی اور کتاب اللہ میں نسخ نا قابل قبول ہے، کتاب اللہ میں منسوخ نہ ہونے والے امر کو صحابہ کرام منسوخ کر دیں حاشا وکلا ایسا ناممکن ہے۔ رضی اللہ عنہم۔

زیر بحث موضوع پر شبہات اور ان کا رد

پہلا شبہ: حروف سبعہ سے سات معروف ائمۂ قراء سے منقول سات قرأتیں ہیں۔

جواب: یہ شبہ کئی وجوہ سے باطل ہے:

۱۔ اگر تمہارے اس قول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے ان سات معروف قرّاء کی ولادت تک فائدے سے عاری ہوگا۔ لیکن تمہارا قول غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین نے ان قراء کی ولادت سے قبل قرآن کریم کو سات حروف میں پڑھا ہے۔

محقق ابن الجزری نے کہا ہے کہ اگر یہ حدیث سات مشہور قرأتوں یا ان قراء کی قرأتوں کی طرف منصرف ہوتی جو تابعین کے بعد پیدا ہوئے ہیں تو یہ حدیث مبارکہ ان سات قراء کی ولادت سے قبل فائدہ سے عاری ہوتی، ان سے قرأت حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل درست ہوتا۔ اور صحابہ کرام کے لیے بھی ان سات قرّاء کی ولادت اور ان کی تعلیم کے بغیر قرأت جائز نہ

ہوتی، وہ ان قراء میں سے کسی کی قرأت کو اختیار کرتے تو قرأت صحیح ہوتی اور یہ باطل ہے۔ کیونکہ قرأت اخذ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ثقہ امام سے لفظ بہ لفظ قرأت اخذ کی جائے۔ اسی طرح وہ امام دوسرے امام سے قرأت اخذ کرے اور یہ سلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچے۔

۲۔ حروف سبعہ، قراءات سبعہ پر عموم مطلق کا درجہ رکھتے ہیں، کیونکہ حروف سبعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت پر اور ان قراء سبعہ کی قرأت اور ان سے پہلے منسوخ ہونے والی قرأت اور تمام قراءاتِ صحیحہ، منکرہ اور شاذہ پر مشتمل ہیں، جب ہم حروف سبعہ کو قراءات سے اعم کہتے ہیں تو پھر حروفِ سبعہ نفس قراءات میں سے نہیں ہوں گے۔

۳۔ یہ چیز عقلاً محال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام پر قرآن کی ایسی قرأت فرض فرمائیں جو ان قراء کو اپنانی ہیں جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے سو یہ رائے قطعاً باطل ہے۔

دوسرا شبہ: ان لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کے سات حروف پر نازل ہونے والی احادیث قرآن کریم میں اختلاف کو ثابت کرتی ہیں جبکہ قرآن خود اس کی نفی کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۝

کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر وہ (قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔ (۱۹)

شبہ: یہ قرآن اور حدیث میں تناقض ہے، ہمیں نہیں معلوم ان میں سے سچا کون ہے؟

جواب: احادیث سے ثابت ہونے والا اختلاف اس اختلاف سے الگ ہے جس کی قرآن کریم نفی کر رہا ہے سو قرآن اور حدیث دونوں صادق ہیں۔ احادیث سے ثابت ہونے والا اختلاف قرآن کریم کے الفاظ کے نطق اور ادائیگی کا ایسا اختلاف ہے جس کا دائرہ سات حروف تک محدود ہے اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے مشروط ہے۔ اس صورت میں احادیث میں مروی اختلاف تلفظ اور ادائیگی کا اختلاف ہے، اور قرآن میں احکام، مفاہیم اور تعلیمات میں تناقض اور اختلاف کی نفی کی گئی ہے۔ (۲۰)

---

(۱۹) النساء:۸۲ (۲۰) مناھل العرفان/ص ۱۷۹

حاصل بحث

شیخ شہاب الدین ابوشامہ کہتے ہیں کہ کیا مصحف میں حروف سبعہ کے مجموعہ پر سات قرأتیں ہیں یا ایک حرف پر ساتوں قرأتیں مبنی ہیں؟ قاضی ابوبکر نے کہا کہ ساتوں حروف پر مبنی ہیں، ابوبکر الطبری اوران کے بعد کے اکثر حضرات نے ایک حرف کی تصریح کی ہے، شیخ شاطبی کا میلان قاضی کے اس قول کی طرف ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ مصحف میں ساتوں حروف ہیں اور طبری کے اس قول کی طرف بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ مصحف میں ساتوں قرأتیں ہیں۔

علامہ زرکشی نے البرہان میں کہا ہے کہ بعض متاخرین کا قول ہے کہ قراء سبعہ کی ساتوں قرأتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہی قراءات پر مصحف کو جمع کیا، یہ سات قرأتیں ان قراء کی ترجیح دادہ ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اپنی روایت، علم اور جہت کے مطابق اپنے نزدیک احسن قرأت کو اختیار کیا، اسی طریقے کو لازم رکھا، اسی کو روایت کیا اوراس کی قرأت کی، اور یہ قرأت ان کے نام سے منسوب اور مشہور ہوگئی، مثلاً نافع کی قرأت اور ابن کثیر کی قرأت، کسی قاری نے دوسرے قاری کی قرأت سے منع کیا نہ اس کا انکار کیا، بلکہ اس کی تحسین کی اوراس کو گوارا کیا۔

علامہ زرکشی مزید لکھتے ہیں کہ موجودہ ادوار میں مسلمانوں کا ان قراء سے صحیح روایات پر اعتماد ہے، اورقرآن کریم کا سات حروف پر نزول امت کے لیے اللہ کی طرف سے توسع اور رحمت تھی کیونکہ اگر ہر فریق کو اپنی لغت (زبان) ترک کرنے اوراپنے بچپن میں پروان چڑھنے والی عادت مثلاً اِمالہ، ھمز، تلیین اور مدوغیرہ سے باز آنے پر مجبور کیا جاتا تو وہ مشکل میں پڑ جاتے۔

مشہور قراءات

بحث کے آخر میں ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ قراءات کے متعلق مختصر بحث کریں، اور یہ کہ قرأتوں کی ابتدا کیسے ہوئی اور مشہور قراء کون سے ہیں؟

قراءات کی تعریف

قراءات، قراٗۃ کی جمع ہے، قرأ یقرأ قرأۃً مصدر ہے، اصطلاح میں اس سے ائمہ قراء میں سے کسی امام کا قرآن میں ایسا نطق مراد ہے جو دوسرے قراء کے نطق کے خلاف ہو اور وہ بالا سناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

کیا عہد صحابہ میں قرّاء تھے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں، مشہور قراء نے تلاوت میں جن طریقوں کو اپنایا ہے سب عہد صحابہ کی طرف راجع ہیں۔ صحابہ کرام میں سے مشہور قاری حضرت ابی، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔ ان صحابہ کرام سے مختلف شہروں اور علاقوں کے کثیر صحابہ اور تابعین نے قرأت حاصل کی، اور سب حضرات اس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے، تا آنکہ پہلی صدی ہجری میں تابعین کا دور آیا، لوگوں نے فراغت پائی اور قرأت کے ضبط و تدوین میں پوری توجہ دی، کیونکہ اب اس کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ اور شریعت کے دیگر علوم کی طرح اس کو بھی ایک علم کا درجہ دے دیا۔

قراءات کی نشو ونما کیسے ہوئی؟

ہم جان چکے ہیں کہ قراء کا عہد صحابہ کرام کے عہد سے تابعین کے عہد تک ہے، قرآن کریم میں معتمد علیہ وہ قرأت ہے جو ثقہ نے ثقہ سے اور امام نے امام کے توسط سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی ہو۔ مصاحف بغیر نقطوں اور حرکات کے تھے، لفظ کی شکل وصورت مختلف وجوہ قراءات میں سے ہر ممکن وجہ کا احتمال رکھتی تھی، ایسا احتمال نہ ہوتا تو ایک مصحف میں لفظ کسی ایک وجہ پر لکھا جاتا، پھر دوسرے مصحف میں دوسرے طریق پر اور تیسرے میں تیسرے طور سے، اسی طرح چلتے چلے جائیں۔ سو اس میں تعجب کی بات نہیں کہ قرأت اور قرآن کے بارے میں انحصار روایت اور پڑھانے پر ہے۔ اور یہ نہایت عمدہ طریق کار ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام کا طریق اخذ مختلف نوعیت کا تھا، بعض حضرات نے ایک حرف سے بعض نے دو حرفوں سے اور بعض حضرات نے اس سے زائد حروف سے قرآن حاصل کیا، پھر وہ اس حالت میں مختلف

علاقوں اور شہروں میں پھیل گئے ۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ملک کے اطراف میں جب مصاحف روانہ کئے تو ان کے ساتھ ایسے حضرات کو روانہ کیا جن کی اکثر اور غالب قرأت مصحف کے مطابق تھی ،مختلف اطراف میں جانے والے صحابہ کی قرأتوں کا اختلاف تابعین میں منتقل ہوا اور تابعین سے تبع تابعین میں آیا، اور قرأتوں کا یہ اختلاف مشہور ائمہ قراء تک پہنچا، انہوں نے قرأت کے ان اختلافات کو ضبط کیا، ان پر پوری توجہ دی اس کی اشاعت کی ۔

علم قرأت کی اور ان میں اختلاف کی اٹھان اسی طرح ہوئی، اگرچہ کثیر مواضع پر اتفاق کے مقابلے میں یہ اختلافات نہایت معمولی ہیں، اور یہ اختلافات بھی ان سات حرفوں کے متعلق ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل فرمایا ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مناھل العرفان کی وہ عبارت نقل کریں جسے علامہ زرقانی نے نویری کی مخطوط کتاب سے نقل کیا ہے، (یہ کتاب الطیبۃ فی القراءات کی شرح ہے اور دارالکتب المصر یہ میں موجود ہے)۔نویری لکھتے ہیں کہ نقل قرآن میں اعتماد حفاظ پر ہے، اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر مصحف کے ساتھ ایسے شخص کو بھیجا جس کی اکثر قرأت اس مصحف کے موافق تھی، اور یہ ضروری نہ تھا، ہر شہر کے لوگوں نے اپنے مصحف کے مطابق پڑھا اور صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سیکھا تھا لوگوں نے وہ ان صحابہ سے سیکھا، پھر اس فن کو ایسے لوگوں نے اپنے ہاتھوں میں لیا جنہوں نے قراءات کو ضبط اور نقل کرنے میں راتیں جاگ کر گزاریں اور دن مشقت میں بسر کئے، تا آنکہ وہ اس فن میں ائمۂ اقتدا اور رہنمائی کے ستارے قرار پائے۔ انہوں نے اپنے شہر والوں کو اپنی قرأت پر جمع کر دیا، ان کی روایت اور درایت کی صحت میں دو آدمی بھی مختلف نہ ہوئے، قرأت میں ان کی اس جانکاہی کی وجہ سے قرائتیں ان کی جانب منسوب ہوئیں اور اس معاملے میں وہ قابل اعتماد اشخاص بن گئے ۔

ان حضرات کے بعد بکثرت قراء آئے اور شہروں میں پھیل گئے، ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ، ان کے طبقات معروف ہوئے اور ان کی صفات مختلف ہوئیں، بعض حضرات تلاوت میں روایت اور درایت دونوں اوصاف سے مشہور ہوئے۔بعض کسی ایک وصف میں اور بعض ایک

سے زائد اوصاف میں معروف ہوئے، اس طرح ان میں یکجائی سے زیادہ اختلاف بڑھا۔ اس موقع پر ماہر نقاد ائمہ اور صنادید امت میدانِ عمل میں آئے انہوں حاصل شدہ قراءات میں اجتہاد سے کام لیا، صحیح کو باطل سے الگ کیا، حروف اور قراءات کو جمع کیا روایات اور ان کے وجوہ کو راویوں کی طرف منسوب کیا، صحیح، شاذ، کثیر اور نادر الوقوع کو اپنے وضع کردہ اصولوں اور ارکان کی روشنی میں پرکھا اور جانچا اور ان کے لیے ترجیحات کا تعین کیا۔ (۲۱)

قراء ات کی تعداد اور اقسام

علامہ سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ قراءات درج ذیل ہیں۔ متواترہ، مشہورہ، احاد، شاذ، موضوع اور مدرج۔

قاضی جلال الدین البلقینی نے کہا ہے کہ قراءات کی تین قسمیں ہیں۔ متواتر، آحاد اور شاذ متواتر سات مشہور قرائتیں ہیں۔ آحاد وہ تین قرائتیں ہیں جو ان قراءات سبعہ کے بعد دس کا عدد مکمل کرتی ہیں، یہ صحابہ کی قرائتیں ہیں۔ شاذ، تابعین کی قرائتیں ہیں جیسے اعمش، یحییٰ بن وثاب اور ابن جبیر وغیرہ۔

علامہ سیوطی کہتے ہیں یہ کلام محل نظر ہے، اس بارے میں بہترین تقریر امام القرأ شیخ ابو الخیر بن الجزری نے اپنی کتاب النشر کے شروع میں بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہر وہ قرأت جو کسی نہج سے عربیت کے موافق ہو اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی مصحف کے مطابق ہو اگر چہ احتمالاً ہو اور اس کی سند صحیح ہو، وہ صحیح قرأت ہے اس کا رد کرنا جائز نہیں اور اس کا انکار حلال نہیں بلکہ وہ ان حروف سبعہ میں سے ہے جن میں قرآن کریم نازل ہوا ہے، لوگوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے، خواہ وہ قراءات کے ائمۂ سبعہ سے منقول ہو، یا ائمۂ عشرہ سے منقول ہو یا دوسرے مقبول ائمہ سے منقول ہو، جب ان تین شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو اس پر شاذ یا باطل کا اطلاق ہوگا خواہ وہ قراءات ائمۂ سبعہ سے یا ان سے بھی کسی بڑے سے منقول ہو، ائمۂ تحقیق خواہ وہ سلف سے تعلق رکھتے ہوں یا خلف سے، سب کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ (۲۲)

الطیبہ کے مؤلف قرأت کی قبولیت کے ضابطے میں کہتے ہیں کہ ہر وہ قرأت جو نحو اور

(۲۱) مناهل العرفان/ ج ۱ ص ۴۰۷ (۲۲) مناهل العرفان/ ج ۱ ص ۴۰۹

رسم الخط کے طور پر احتمال کا استحقاق رکھتی ہو، اور اس کا اسناد صحیح ہو وہ قرآن ہے۔ یہ تین اس کی صحت کے ارکان ہیں۔ جب ان میں سے کوئی رکن نہ ہو وہ قرأت شاذ ہے، خواہ وہ قراءات سبعہ میں موجود ہو۔ قراءات سے قراءات سبعہ، قراءات عشرہ اور قراءات اربع عشرہ مراد لی گئی ہیں، ان میں سے زیادہ مشہور اور معتزز قراءات سبعہ ہیں۔ قراءات سبعہ، سات مشہور ائمہ کی طرف منسوب ہیں، وہ نافع، عاصم، حمزہ، عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن کثیر، ابوعمرو بن العلاء اور علی الکسائی ہیں۔ قراءات عشرہ میں ان سات کے علاوہ ابوجعفر، یعقوب اور خلف شامل ہیں۔ قراءات اربع عشرہ میں ان دس قراء کے علاوہ حسن البصری، ابن محیص، یحییٰ الیزیدی اور الشنبوذی کی قرأت شامل ہیں۔

فن قراء ات کے پہلے مصنف

علم قراءات اس دور سے بھی گزرا ہے جب اس کا نام ونشان نہ تھا، اس موضوع پر سب سے پہلے ابوعبید القاسم بن سلاّم، ابوحاتم السجستانی، ابوجعفر الطبری اور اسماعیل القاضی نے کتب تصنیف کیں۔

قراء ات سبعہ کی شہرت

قراءات سبعہ دوسری صدی ہجری کے آخر میں اسلامی ممالک میں شہرت پذیر ہوئیں، اہل بصرہ نے ابوعمرو اور یعقوب کی، اہل کوفہ نے حمزہ اور عاصم کی، اہل شام نے ابن عامر کی، اہل مکہ نے ابن کثیر کی اور اہل مدینہ نے نافع کی قرأت کو اپنا لیا۔

قراء ات کی تدوین

قراءات کی تدوین تیسری صدی ہجری کے اواخر میں امام ابن مجاہد احمد بن موسیٰ بن عباس نے کی، انہوں نے قراءاتِ سبعہ کو جمع کیا لیکن انہوں نے کسائی کا نام رہنے دیا اور یعقوب کا نام حذف کر دیا۔

طریقۂ تدوین

انہوں نے یہ طریق کار طے کیا کہ صرف ان اشخاص سے روایت لیں گے جو امانت و ضبط میں مشہور ہوں، طویل عرصہ تک قراءات سے منسلک رہے ہوں اور تمام راوی اس سے اخذ

کرنے اور سیکھنے میں متفقہ رائے رکھتے ہوں۔

ابن مجاہد کے ان سات قراء پر انحصار سے قراء کا حصر مراد نہیں اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر قاری کے لیے صرف ان قراء سبعہ کی قرأت کی حدود میں خود کو محدود کرنا لازم ہے۔

مشهور قرآء سبعه

قراءات متواترہ مشہور صاحب ضبط و اتقان حفاظ سے منقول ہیں، یہ حضرات مشہور قراءات کے امام ہیں، انہوں نے صحابہ کرام کے توسط سے یہ قرائتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں، یہ حضرات کتاب اللہ کے علم اور تعلیم میں صاحب فضل وکمال رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

تم میں بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔

شیخ ابوالیسر عابدین نے ان دو اشعار میں ان قراء کے نام جمع کیے ہیں:

نافع ،ابن کثیر اور عاصم ،حمزہ پھر ابوعمرو ابن عامر، الکسائی بلا روک سات امام ہیں

قرّاءِ سبعہ

۱۔ عبدالله اليحصی

۱۔ ابن عامر نام عبداللہ الیحصی ،کنیت ابوعمران ،تابعی ہیں، ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں دمشق کے قاضی رہے، قرأت کی سند یہ ہے از مغیرہ بن ابی شہاب المخزومی از عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ۱۱۸ھ میں دمشق میں فوت ہوئے، ہشام اور ذکوان ان کی قرأت کے مشہور راوی ہیں۔ ان کے متعلق الشاطبیہ کا مصنف کہتا ہے:

رہا ابن عامر کا گھر دمشق شام سو یہ عبداللہ کے باعث عمدہ ٹھکانہ بن گیا۔ ہشام اور عبداللہ بن ذکوان نے ان کی قرأت کو سند کے ساتھ نقل کیا۔

۲۔ ابن كثير

ابومحمد عبداللہ بن کثیر الداری المکی، مکہ میں قرأت کے امام تھے، تابعی ہیں، صحابہ کرام

میں سے حضرت عبداللہ بن زبیر، ابوایوب الانصاری اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی۔ ۱۲۰ھ میں مکہ میں فوت ہوئے۔ ان سے قرأت کے راوی البزی متوفی ۲۵۰ھ اور قنبل متوفی ۲۹۱ھ ہیں۔ ابن کثیر کے بارے میں الشاطبیہ کا مؤلف کہتا ہے:

> اور مکہ میں عبداللہ بن کثیر کی اقامت گاہ ہے، جو قوم قراء میں نام آور اور سر بلند ہیں۔ ان سے احمد بزی اور محمد قنبل نے سند کے ساتھ قرأت روایت کی ہے۔

۳۔ عاصم الکوفی

عاصم بن ابی النجود الاسدی، ان کو ابن بہدلہ بھی کہا جاتا ہے، کنیت ابوبکر ہے، تابعی ہیں، ۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ میں کوفہ میں فوت ہوئے، ان کی قرأت کے راوی شعبہ متوفی ۱۹۳ھ اور حفص متوفی ۱۸۰ھ ہیں۔ الشاطبیہ کے مؤلف نے ان کے متعلق کہا ہے:

> اور روشن کوفہ میں قرأت کے تین امام ہیں جن کے علم سے کوفہ عود اور لونگ جیسی خوشبو سے مہک اٹھا۔ ابوبکر عاصم اور سبقت لے جانے والے افضل فرد شعبے کے راوی ہیں پسندیدہ شعبہ ابن عیاش، ابوبکر اور ضبط و اتقان میں فضیلت یافتہ حفص ہیں۔

٤۔ ابو عمرو

ابوعمرو زبان بن العلاء البصری، شیخ الرواۃ، ان کا نام یحییٰ اور ابوعمرو بیان کیا گیا ہے۔ ۱۵۴ھ میں کوفہ میں فوت ہوئے، ان کی قراءات کے راوی الدوری متوفی ۲۴۶ھ اور السوسی متوفی ۲۶۱ھ ہیں۔ الشاطبیہ کا مصنف کہتا ہے:

> اور امام مازنی ابوعمرو بن العلا بصری خالص عرب قاری ہیں۔ جنہوں نے یحییٰ یزیدی پر علم کی بارش کی جس سے یحییٰ شیریں اور پیاس دور کرنے والے پانی سے سیراب ہوئے۔ ابوعمر الدوری اور صالح قاری ابوشعیب السوسی نے ان سے قرأت قبول کی۔

۵۔ حمزۃ الکوفی

ابوعمارہ حمزہ بن حبیب بن الزیات الفرضی التیمی، مولیٰ عکرمہ بن ربیع التیمی، عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے دور خلافت میں ۱۵۶ھ میں حلوان میں فوت ہوئے، بواسطۂ سلیم ان کی قراءات کے راوی خلف متوفی ۲۲۹ھ اور خلاد متوفی ۲۲۰ھ ہیں۔ الشاطبیہ کا مصنف کہتا ہے:

> اور حمزہ پاکیزہ، صابر، پرہیزگار امام، قرآن کریم کو ترتیل سے پڑھنے والا۔ ان سے خلف اور خلاد نے بواسطہ سُلیم روایت کیا ہے، ان کی روایت محفوظ اور قابل اعتماد ہے۔

۶۔ نافع

ابورویم نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم اللیثی، اصفہانی الاصل تھے، مدینہ منورہ کے قراء کے سرخیل ہیں، مدینہ طیبہ ہی میں ۱۶۹ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے راوی قالون متوفی ۲۲۰ھ اور ورش متوفی ۱۹۷ھ ہیں۔ الشاطبیہ میں ہے:

> خوشبودار باطن والے نافع ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ کو اپنا وطن بنایا ہے اور قالون عیسیٰ اور عثمان ورش ہیں جنہوں نے نافع کی صحبت سے رفعت و بزرگی کو جمع کرلیا۔

۷۔ الکسائی

ابوالحسن علی بن حمزہ، کوفی نحاۃ کے امام، احرام میں کمبل پہننے کی وجہ سے ان کو کسائی کہا گیا ہے، ۱۸۹ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ خراسان جاتے ہوئے رے کی ایک بستی رنبویہ میں فوت ہوئے۔ ان کے راوی ابوالحارث متوفی ۲۴۲ھ اور الدوری متوفی ۲۴۶ھ ہیں۔ الشاطبیہ کا مصنف کہتا ہے:

> اور علی المعروف الکسائی ہیں کہ انہوں نے احرام میں کمبل پہنا تھا۔ ان سے لیث ابوالحارث اور حفص الدوری نے قرأت نقل کی ہے جن کا ذکر گزر چکا ہے۔